12

مطالعۂ پاکستان

ACADEMIC YEAR 2018-19
Sr.No: 20587001
Code: 3HR8521

2018-19

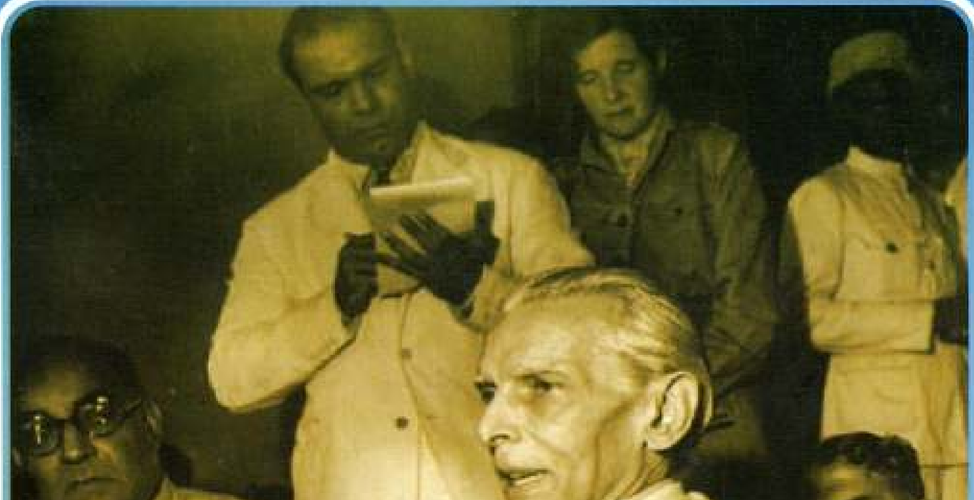

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

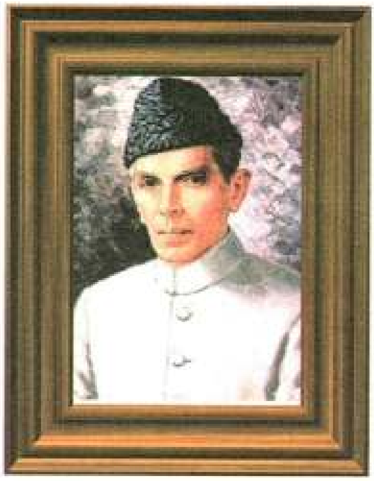

”تعلیم پاکستان کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ دُنیا اتنی تیزی سے ترقی کر رہی ہے کہ تعلیمی میدان میں مطلوبہ پیش رفت کے بغیر ہم نہ صرف اقوامِ عالم سے پیچھے رہ جائیں گے بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا نام و نشان ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔“

قائداعظم محمد علی جناحؒ، بانی پاکستان
(26 ستمبر 1947ء۔ کراچی)

قومی ترانہ

پاک سَرزمین شاد باد کِشورِ حسین شاد باد
تُو نشانِ عزمِ عالی شان ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سَرزمین کا نِظام قُوّتِ اُخوّتِ عوام
قوم، مُلک، سلطنت پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد

پرچمِ ستارہ و ہِلال رہبرِ ترقّی و کمال
ترجمانِ ماضی، شانِ حال جانِ اِستقبال
سایۂ خدائے ذُوالجلال

221143

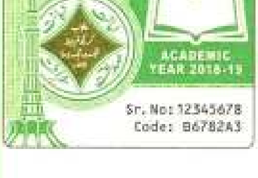

جعلی کُتب کی روک تھام کے لیے پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور کی درسی کُتب کے سرورق پر مستطیل شکل میں ایک "حفاظتی نشان" چسپاں کیا گیا ہے۔ ترچھا کر کے دیکھنے پر اس نشان میں موجود مونوگرام کا نارنجی رنگ، سبز رنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مونوگرام کے نیچے موجود سفید جگہ کو سکّے سے کھرچنے پر "PCTB" لکھا ظاہر ہوتا ہے۔ تصدیق کے لیے "حفاظتی نشان" پر دیے گئے کوڈ کو "8070" پر "PCTB(Space)Code No." لکھ کر SMS کریں اور انعامی سکیم میں شامل ہوں۔ اگر SMS کے جواب میں "حفاظتی نشان" پر درج سیریل نمبر موصول ہو تو کتاب اصلی ہے۔ درسی کُتب خریدتے وقت یہ "حفاظتی نشان" ضرور دیکھیں۔ اگر کسی کتاب پر یہ نشان موجود نہ ہو یا اس میں ردّوبدل کیا گیا ہو تو ایسی کتاب ہرگز نہ خریدیں۔

مطالعہ پاکستان

12

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور محفوظ ہیں۔ تیار کردہ: پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور۔
منظور کردہ: وفاقی وزارتِ تعلیم (شعبہ نصاب سازی) حکومت پاکستان، اسلام آباد، موجب مراسلہ نمبر:F-11-2/2002-SS۔
اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا نہ ہی ٹیسٹ پیپر، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

فہرست مضامین

باب نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
-1	اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قیام	1
-2	اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ابتدائی مشکلات	27
-3	اسلامی جمہوریہ پاکستان کا جغرافیہ	39
-4	پاکستان کو اسلامی جمہوریہ بنانے کے اقدامات	53
-5	پاکستان کا حکومتی ڈھانچہ اور اچھا نظامِ حکومت	68
-6	اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ثقافت	88
-7	اسلامی جمہوریہ پاکستان کی زبانیں	100
-8	قومی یکجہتی اور خوشحالی	107
-9	اسلامی جمہوریہ پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی اور ترقی	114
-10	تحفظِ نسواں	134
-11	اسلامی جمہوریہ پاکستان کی خارجہ پالیسی	139
☆	معروضی سوالات	150

مصنفین:

☆ محمد حسین چوہدری ☆ ڈاکٹر سلطان خاں محمد فاروق ملک

☆ رائے فیض احمد کھرل ☆ خادم علی خاں

ایڈیٹر: ☆ مسز شفقت افتخار **نگران طباعت:** ☆ غیاث عامر

ڈائریکٹر (مسوّدات): ☆ ڈاکٹر مبین اختر **آرٹسٹ / ڈپٹی ڈائریکٹر گرافکس:** ☆ عائشہ وحید

کمپوزنگ لے آؤٹ: ☆ حافظ انعام الحق ☆ محمد اعظم امین

ناشر: بشمس پبلشرز بک سیلرز، لاہور **پرنٹر:** نواز پرنٹنگ پریس، لاہور

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	طباعت	تعداد اشاعت	قیمت
اپریل 2018ء	اول	دوم	12,000	65:00

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

باب 1

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قیام

نظریہ پاکستان

پاکستان، مملکتِ خداداد ایک ٹھوس نظریے کی بنیاد پر وجود میں آئی۔ پاکستان کے نظریے کی اساس دین اسلام ہے جو مسلمانوں کی زندگی کے تمام شعبوں میں راہنمائی کرتا ہے۔ اسلامی نظامِ حیات انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ معاشرتی، اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور معاشی شعبوں کے حوالے سے بنیادی اصولوں کا حامل ہے۔ اسلامی نظام قرآنِ پاک اور حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت اور احادیث پر استوار ہے۔ یہی نظام ہمارے پیارے وطن پاکستان کی بنیاد قرار پایا۔ برصغیر کے مسلمان انگریز دورِ حکومت میں دوسری اقوام کے ساتھ غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ وہ آزاد اور خود مختار حیثیت چاہتے تھے لیکن انگریزوں کی غلامی سے چھٹکارا پالینے کے بعد بھی انھیں اپنے مقصد کے حصول میں کامیابی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ہندو اکثریت کا غلبہ صاف نظر آرہا تھا۔ بڑے غور و فکر کے بعد مسلمانوں نے یہ فیصلہ کیا کہ انگریزوں کی حکومت کے خاتمے کے بعد ایسے علاقوں میں ایک مسلم مملکت قائم ہو جائے جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ یوں مسلمان دائمی غلامی سے بھی چھٹکارا پالیں گے اور ایک مخصوص خطۂ زمین پر دین اسلام کے اصولوں کے مطابق نظام رائج کرنے میں بھی کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ سوچ رفتہ رفتہ مضبوط ہوئی اور بالآخر مسلمانوں کا نصب العین بن گئی۔ منزلِ مقصود پانے کے لیے مسلمانوں نے ایک عظیم تحریک کا آغاز کیا۔ علیحدہ اسلامی مملکت کا قیام ایک مقصد بنا اور یہی مقصد نظریہ پاکستان کی تخلیق کا باعث بنا۔

نظریہ اسلام ہی نظریہ پاکستان ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، سرسید احمد خاں، علامہ محمد اقبالؒ اور قائداعظمؒ جیسی عظیم ہستیوں نے اس پودے کی آبیاری کی۔ اُن کا خواب تھا کہ مسلمان اسلامی معاشرت، ثقافت، معیشت اور اخلاقیات پر مبنی نظام رائج کریں اور یہ خواب سال ہا سال کی کاوشوں اور قربانیوں کے بعد شرمندۂ تعبیر ہوا۔

قائداعظمؒ اور نظریہ پاکستان

وہ بطلِ عظیم جس نے مسلمانانِ برصغیر کو باوقار اور محفوظ مقام تک پہنچایا اور ایک علیحدہ مسلم مملکت کے قیام کا تصور عملی شکل میں ڈھال دیا، وہ قائداعظمؒ کی ہی ہستی تھی۔ انھوں نے نظریہ پاکستان کی وضاحت ان الفاظ میں کی۔

"پاکستان تو اُسی روز ہی وجود میں آ گیا تھا جب پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔"

1943ء کے سالانہ اجلاس منعقدہ کراچی میں قائداعظمؒ نے پاکستان اور اسلام کے باہمی رشتے کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

"وہ کون سا رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں؟ وہ کون سی چٹان ہے جس پر اس ملت کی عمارت استوار ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر خدا تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید ہے۔"

مارچ 1944ء میں طلبہ سے مخاطب ہوتے ہوئے آپ نے فرمایا:

"ہمارا راہنما اسلام ہے اور یہی ہماری زندگی کا مکمل ضابطہ ہے۔"

21مارچ1948ءکوڈھاکہ کے عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''میں چاہتا ہوں کہ آپ سندھی، بلوچی، پنجابی، پٹھان اور بنگالی بن کر بات نہ کریں۔
یہ کہنے میں آخر کیا فائدہ ہے کہ ہم پنجابی، سندھی یا پٹھان ہیں، ہم تو بس مسلمان ہیں۔''

آپ نے علی گڑھ میں خطاب کرتے ہوئے نظریہ پاکستان کو ان الفاظ میں واضح کیا۔

''پاکستان کے مطالبے کا محرک اور مسلمانوں کے لیے جداگانہ مملکت کی وجہ کیا تھی؟
تقسیم ہند کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ اس کی وجہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے نہ
انگریزوں کی چال، یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے۔''

قائداعظمؒ نے برصغیر کے تاریخی تناظر میں موقف اختیار کیا کہ جنوبی ایشیا کے مسلمان ہرگز اقلیت نہیں۔ وہ ایک مکمل قوم ہیں اور حق رکھتے ہیں کہ جن علاقوں میں اُن کی اکثریت ہے، وہاں وہ اپنی علیحدہ ریاست قائم کرلیں۔

علامہ محمد اقبالؒ اور نظریہ پاکستان

علامہ محمد اقبالؒ نے نظریہ پاکستان کے حوالے سے دعویٰ کیا کہ ہندو اور مسلمان ایک مملکت میں اکٹھے نہیں رہ سکتے اور مسلمان جلد یا بدیر اپنی جداگانہ مملکت بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ علامہ اقبالؒ نے برصغیر میں واحد قوم کے وجود کا تصور مسترد کر دیا اور مسلم قوم کی جداگانہ حیثیت پر زور دیا۔ اسلام کو ایک مکمل نظام مانتے ہوئے علامہ محمد اقبالؒ نے اسی بنیاد پر برصغیر کے شمال مغرب میں علیحدہ مسلم ریاست کے قیام کا تصور آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ 1930ء میں پیش کیا۔ انھوں نے واضح کہا کہ:

''انڈیا ایک برصغیر ہے، ملک نہیں۔ یہاں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے اور مختلف زبانیں
بولنے والے لوگ رہتے ہیں۔ مسلم قوم اپنی جداگانہ مذہبی اور ثقافتی پہچان رکھتی ہے۔''

نظریہ پاکستان کے اجزائے ترکیبی

برصغیر کے مسلمانوں نے ایک علیحدہ ریاست اس لیے حاصل کی تاکہ اللہ تعالیٰ کے حتمی اور قطعی اقتدارِ اعلیٰ کے تصور کو عملی جامہ پہنایا جاسکے۔ اُس ذاتِ عظیم کی برتر اور مطلق قوت کو نافذ کیا جائے اور ایک ایسا نظام رائج ہو جس میں قرآنِ پاک اور احادیثِ رسول مقبول ﷺ پر مبنی اصولوں کو اپنایا گیا ہو۔

اسلام محض عبادات اور رسومات کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ جو انسانی زندگی کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔ اس میں معاشرت، معیشت، اخلاقیات اور سیاسیات کے تمام مقاصد کو پورا کرنے کا سامان موجود ہے۔ اسلامی نظام جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہے اور ہر دور کے لیے مکمل طور پر قابلِ عمل ہے۔

اسلامی نظام کے اجزائے ترکیبی درج ذیل ہیں:

1- عقائد و عبادات

پاکستان کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تو اس کے پس منظر میں یہ سوچ بھی کارفرما تھی کہ مسلمان اپنے عقائد کے مطابق زندگی گزار سکیں اور

عبادات کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ محسوس نہ کریں۔ عقائد میں توحید، رسالت، یومِ آخرت، فرشتوں اور الہامی کتابوں پر ایمان لازم ہے۔ عبادات میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج شامل ہیں۔ اسلام میں جہاد کو بھی بہت اہم مقام حاصل ہے۔ اللہ پاک کے علاوہ کسی دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور اپنے شب و روز اُسی ذاتِ برحق کی خوشنودی کے لیے گزارنا اسلام ہے۔ اُس عظیم ترین ہستی کے لیے اپنی جان اور مال کو قربان کرنے کے لیے ہر دم تیار رہنا جہاد ہے۔ جہاد بالنفس اور جہاد بالمال دونوں کی تلقین کی گئی ہے۔ تمام عبادات اور جہاد کا بنیادی مقصد اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی منشا کا پابند بنانا ہے۔ عبادات مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں چلنے اور اُسی کی خاطر جینے اور مرنے کے لیے تیار کرتی ہیں اور اللہ پاک کے علاوہ کسی دوسرے کا محتاج بننے سے روکتی ہیں۔ یہ کردار تعمیر کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں اور ایک مثالی اسلامی ریاست اور معاشرے کی تشکیل کی راہ ہموار کرتی ہیں۔

2- جمہوری اقدار کا فروغ

اسلامی ریاست اور معاشرے کی بنیاد مشاورت ہے۔ اسلامی معاشرے میں جمہوریت کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ عوام کے حقوق کا خیال رکھا جاتا ہے۔ انھیں مساوی درجہ ملتا ہے اور وہ قانون کے دائرے کے اندر رہ کر زندگی گزارتے ہیں۔ قوانین انھیں تحفظ مہیا کرتے ہیں۔ قانون کی نظر میں سب برابر ہوتے ہیں۔ افراد میں رنگ، نسل، ذات پات یا زبان کی بنیاد پر کوئی تمیز روا نہیں رکھی جاتی۔ حکومتی نظام سب لوگوں کی بھلائی کو پیشِ نظر رکھ کر چلایا جاتا ہے۔ حکومت اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کرتی ہے اور فرائض کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اپنے عوام کو بھی جواب دہ ہوتی ہے۔ امیر المومنین اپنی ذمہ داریاں نبھاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی روشنی میں فیصلے کرتا ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ تو اللہ تعالیٰ کو حاصل ہوتا ہے البتہ امیر المومنین اللہ تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ کو اُس کی منشا کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ عام لوگوں کو حکومت کی پالیسیوں اور فیصلوں پر تنقید کا حق ملتا ہے۔ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ کے طور پر اختیارات سنبھالے تو صاف صاف کہہ دیا کہ عوام اُن کے احکامات پر اس وقت عمل کریں جب وہ احکامات اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکامات سے متصادم نہ ہوں۔

پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا تو درج بالا جمہوری تصورات کو عملی شکل دینا مقصود تھی۔ یہ بھی ضروری تھا کہ ابتدائی اسلامی دور کے معاشرتی خدوخال کو اپنایا جائے اور اسلامی اقدار کو نئے سرے سے نافذ کیا جائے۔ پاکستان کو اسلامی معاشرے کے خطوط پر استوار کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اسلامی جمہوریت کا تصور مغربی تصورِ جمہوریت سے بہت مختلف ہے۔ قائداعظمؒ نے 14 فروری 1948ء کو سبی کے مقام پر تقریر کرتے ہوئے قیامِ پاکستان کی غرض و غائیت یوں بیان کی۔

"آؤ ہم اپنے جمہوری نظام کو اسلامی رنگ میں اسلامی اصولوں کے مطابق بنیاد فراہم کریں۔
اللہ ذوالجلال نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہم ریاستی امور کو باہم صلاح مشورے سے طے کریں۔"

3- معاشرتی انصاف اور مساوات

اسلام امن، اخوت اور بھائی چارے کا درس دیتا ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کی تخلیق کا فیصلہ کرتے ہوئے اس خواہش کا واضح اظہار کیا کہ وہ صحیح اسلامی معاشرے کا دوبارہ قیام عمل میں لانا چاہتے تھے۔ وہ عدل، مساوات اور معاشرتی بہبود کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہتے تھے اور پاکستان کو جدید دنیا کے سامنے ایک مثال بنا کر پیش کرنا چاہتے تھے تاکہ دنیا کی دوسری اقوام اُن کے نظام سے متاثر ہو کر اُن کی تقلید کرنے لگیں۔

ایک منصفانہ معاشرے کا قیام عمل میں لاتے ہوئے مسلمانانِ برصغیر نے عدل اور سماجی مساوات پر زور دیا۔ معاشرے میں ذات پات، رنگ ونسل اور زبان وثقافت کی تمیز روا رکھے بغیر تمام انسانوں کو برابر درجہ دیے جانے کا عزم ہوا۔ ریاست میں سب افراد کے لیے مساوی قانون اور یکساں عدالتی نظام قائم کیا جانا مقصود تھا۔ آزاد عدلیہ اور قانون کی حکمرانی عوام میں مساوات اور انصاف کے قیام کی بنیادی شرائط ہیں۔ اسلامی ریاست نے انصاف کی سربلندی پر زور دیا۔ خلفائے راشدین نے انصاف کی فراہمی کے لیے مساوات اور قانون کی حاکمیت کے اصولوں پر سختی سے عمل کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے بیٹے کی سزا بھی معاف نہ کی۔ انھوں نے انصاف اور قانون کی بالادستی اور مساوی سلوک کی درخشندہ مثالیں قائم کیں۔

اسلام عورت کو باوقار مقام دیتا ہے۔ عورت ماں ہو یا بہن، بیوی ہو یا بیٹی، ہر کردار میں اہم تسلیم کی گئی ہے۔ ماں کے قدموں تلے جنت کا تصور اسلام نے ہی دیا ہے۔ اسلام نے خواتین کو معاشرتی، معاشی، ثقافتی اور خاندانی غرضیکہ ہر پہلو میں مکمل تحفظ فراہم کیا ہے۔ اسلامی معاشرہ بوڑھوں، ناداروں، یتیموں اور بیواؤں کی تمام ضرورتوں کی تکمیل کا ذمہ دار ہے۔ قرآن وحدیث میں عورت کے حقوق کا تذکرہ مردوں سے پہلے کیا گیا ہے۔ عورتوں کو اسلام نے پہلی مرتبہ وراثت میں حصے دار قرار دیا۔ وہ انھیں محفوظ اور مطمئن زندگی فراہم کرتا ہے۔ اسلامی نظام میں ہر فرد کو ہر پہلو سے انصاف فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

اسلامی ریاست میں دولت کا چند ہاتھوں میں ارتکاز نہیں ہوتا بلکہ دولت کی منصفانہ تقسیم کا ایک مربوط اور مکمل نظام ہوتا ہے۔ پاکستان بنانے کا فیصلہ ہوا تو مندرجہ بالا تمام اقدار کو اپنانے اور ریاست کو ایک ایسی مثالی ریاست بنانے کا خواب دیکھا گیا جس میں اخوت، بھائی چارہ، برداشت اور باہمی تعاون کے جذبوں کو فروغ دیا جانا تھا۔

4- شہریوں کے حقوق وفرائض

پاکستان جیسی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں لایا گیا تو ایک طرف شہریوں کے حقوق اور تحفظات کی اہمیت تسلیم کی گئی تو دوسری جانب اُن کے فرائض پر بھی بھرپور زور دیا گیا۔ ایک اسلامی معاشرے میں حقوق کے ساتھ ساتھ فرائض کا ذکر بھی خصوصی طور پر کیا جاتا ہے۔ ایک فرد کا حق دوسرے فرد کا فرض بن جاتا ہے۔ حقوق وفرائض کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ لازم وملزوم ہیں۔ فرائض ادا کر کے ہی ایک فرد حقوق حاصل کرنے کے قابل بنتا ہے۔ فرائض کا تعلق انسان کے ذاتی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں سے ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست کو حقوق وفرائض کا باہمی توازن ایک کامیاب ریاست بنا دیتا ہے۔

ایک اسلامی ریاست میں تمام شہریوں کو کسی تمیز کے بغیر مختلف بنیادی حقوق مہیا کیے جاتے ہیں۔ حقوق وہ سہولتیں ہیں جو شہریوں کو ریاست کی طرف سے دی جاتی ہیں تاکہ وہ معاشرے میں بہت اچھی زندگی بسر کرنے کے قابل ہوسکیں۔ اُن کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کی جاتی ہے اور انھیں علم وصحت کے حصول میں مدد دی جاتی ہے۔ اسلام نے صدیوں پہلے اُن انسانی حقوق کا واضح اعلان کر دیا تھا جو مغربی دنیا میں بیسویں صدی میں دیے گئے۔ حقوق کے حوالے سے امیر وغریب، گورے وکالے اور عربی وعجمی میں کوئی فرق روا نہ رکھا گیا۔ قیام پاکستان کی غرض وغایت یہ بھی تھی کہ انسانوں کو برابر حقوق ملیں اور وہ اپنی ترقی کے یکساں مواقع حاصل کرسکیں۔ اُن میں احساس کمتری نہ ہو اور نہ نسلی برتری کا کوئی احساس موجود ہو، تاکہ ایک مثالی معاشرتی نظام دنیا کے روبرو لایا جاسکے۔ افراد کو حقوق کی فراہمی اور تحفظ کا فرض اسلامی ریاست پر عائد کیا گیا ہے۔

پاکستان میں اقلیتوں کو تحفظ دینے کی سوچ بھی قیام پاکستان کے مطالبے کے پس منظر میں شامل تھی۔ قائداعظمؒ نے بھی یہ واضح کر دیا تھا کہ پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کا پورا خیال رکھا جائے گا۔ اسلام کسی صورت میں بھی یہ اجازت نہیں دیتا کہ اسلامی معاشرے میں زندگی گزارنے والی اقلیتوں کے جان، مال، عزت اور مذہبی روایات کا تحفظ نہ کیا جائے۔

پاکستان میں اسلامی معاشرے کے از سرِ نو قیام کا خواب دیکھا گیا۔ انسانی عظمت کو نئے سرے سے اجاگر کرنے اور عدل و انصاف پر مبنی معاشرے کے لیے اسلامی اصولوں کو اپنانے کا فیصلہ ہوا۔ قیام پاکستان درحقیقت اسلامی معاشرے کے قیام کی طرف ایک بڑا اہم قدم تھا تاکہ مسلمان اپنے مذہبی اصولوں کے مطابق روزمرہ اجتماعی اور انفرادی زندگی گزار سکیں۔

5- اخوت و بھائی چارہ

دین اسلام امن کا داعی ہے اور مسلمانوں کے مابین اخوت اور بھائی چارے کے جذبوں کو فروغ دینے پر زور دیتا ہے۔ بھائی چارے سے محبت، خلوص، قربانی، احسان اور شفقت میں اضافہ ہوتا ہے۔ تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ایک کا دکھ سبھی مسلمانوں کا دکھ اور ایک کی خوشی سبھی مسلمانوں کی خوشی ہے۔ مسلمان ایک دوسرے کی مدد اور ضروریات پوری کرتے ہیں۔ اسلامی ریاست میں یہی اعلیٰ و ارفع جذبے ریاست کو مضبوط سے مضبوط تر بناتے چلے جاتے ہیں۔

پاکستان ـــــ مسلمانانِ برصغیر کی جدوجہد کا نتیجہ

پاکستان کی تخلیق ایک زبردست اور مسلسل جدوجہد کے بعد ممکن ہوئی۔ برصغیر پاک و ہند میں مسلمان صدیوں سے حکمرانی کرتے آ رہے تھے کہ یورپی اقوام نے اِدھر کا رُخ کیا۔ انگریز تجارت کی غرض سے آئے اور برصغیر کے عوام کے باہمی اختلافات سے فائدہ اٹھا کر اقتدار پر قابض ہو گئے۔ ٹیپو سلطان اور نواب سراج الدولہ کو غداروں کی وجہ سے ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا تو انگریز پورے علاقے پر چھا گئے۔ برصغیر کو انگریزوں سے آزاد کرانے کی کئی کوششیں یکے بعد دیگرے ناکام ہو گئیں۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے باوجود مسلمان غلامی کی زنجیریں نہ توڑ سکے۔ انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کو تحریک علی گڑھ کے ذریعے نئے سرے سے بیدار کیا۔ انھیں جدید تعلیم کے حصول کی جانب راغب کیا نیز معاشی، معاشرتی اور دیگر شعبوں میں مسلمانوں کو ہندو قوم کے مقابل متحد کیا۔ علامہ محمد اقبالؒ نے مسلمانوں کے لیے علیحدہ مملکت پاکستان کا تصور پیش کیا۔ بیسویں صدی کا آغاز ہوا تو برصغیر کے مسلمانوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے اپنی سیاسی جماعت قائم کی۔ مسلمان دوہری غلامی سے نجات چاہتے تھے۔ وہ جدوجہد انگریزوں کے خلاف بھی کرتے رہے اور ہندو قوم کی متوقع غلامی سے چھٹکارے کے لیے بھی کوشاں رہے۔ ہندو راہنما انگریزوں کو برصغیر سے نکال کر جمہوریت کے نام پر اپنی حکومت کے قیام کے خواب دیکھ رہے تھے۔ جمہوریت اکثریت کی حکومت ہوتی ہے اور ہندو برصغیر میں اکثریت میں تھے اس لیے انگریز حکومت کے خاتمے کے بعد اقتدار اکثریتی قوم کو منتقل ہو جانا تھا۔ یوں مسلمان ہندو کی مستقل غلامی کا شکار ہو جاتے۔ آل انڈیا مسلم لیگ نے قائداعظمؒ جیسے جری، ذہین اور بے مثل راہنما کی قیادت میں مسلمان عوام کی راہنمائی کی اور بالآخر ''پاکستان'' کے نام سے ایک آزاد اور خود مختار مملکت بنانے میں کامیاب ہو گئی۔ اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے مسلم قوم کو بھرپور جدوجہد کرنا پڑی اور بے مثال قربانیوں اور مشکل حالات کے بعد وہ اپنا مقصد پانے میں کامیاب ہو گئے۔

پاکستان کے لیے جدوجہد میں عوام اور اُن کے راہنماؤں نے بڑی قربانیاں دیں۔ انگریزوں کی حکومت کے خاتمے اور ہندوؤں کی

متوقع اجارہ داریوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے متعدد شخصیات نے بے شمار اور عظیم خدمات انجام دیں۔ ان سرگرمیوں میں مسلم خواتین اور نوجوان طلبہ و طالبات نے بھی بھرپور حصہ لیا۔ علمائے کرام اور مشائخ عظام نے بھی ملت کی راہنمائی کی۔ مختلف صوبوں اور علاقوں کی کئی عظیم مسلم شخصیات نے اپنے اپنے انداز میں قومی فلاح و بہبود کے لیے کردار نبھایا۔ وہ اپنے قول و فعل سے برصغیر کی امت مسلمہ کی آزادی اور خوشگوار مستقبل کے لیے کوشاں رہے مثلاً صوبہ سرحد (خیبر پختونخوا) سے سردار اورنگ زیب خاں، پیر مانکی شریف اور صاحبزادہ عبدالقیوم نمایاں تھے۔ بلوچستان سے تعلق رکھنے والے قاضی محمد عیسیٰ، نواب محمد خاں جوگیزئی اور میر سہراب خاں شہید کی خدمات قابلِ ذکر ہیں۔ میر سہراب خاں نے تو اپنی جان قومی آزادی کی راہ میں نچھاور کر دی۔ سندھ سے پیر صبغت اللہ کا نام بڑا اہم ہے، جنھوں نے حرّوں کی قیادت کرتے ہوئے انگریز حکومت کے خلاف جدوجہد کی اور شہادت کا رتبہ حاصل کیا۔ سر عبداللہ ہارون اور آغا حسن آفندی جیسی عظیم شخصیات کا تعلق بھی سندھ سے تھا۔ اسی طرح پنجاب، بنگال اور دیگر صوبوں سے تعلق رکھنے والے متعدد لوگوں نے قوم کے لیے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ اُن کی کوششوں اور خدمات کی بدولت آج پاکستان ایک آزاد اور خود مختار مسلم مملکت کے طور پر اپنا وجود رکھتا ہے اور پاکستانی قوم آزاد فضا میں سانس لے رہی ہے۔

برصغیر کے مسلمان اکابرین نے گزشتہ دو سو سالوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے اور بڑے مشکل حالات میں اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ اس جدوجہد کے دوران اس راہ میں اہم سنگ ہائے میل آئے۔ ذیل میں ہم ان کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں۔

تحریکِ علی گڑھ

1857ء کی جنگِ آزادی میں ناکامی کے بعد مسلمان قوم کو تباہ کرنے میں برطانوی حکومت اور ہندو اکثریت نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اگرچہ ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد جنگِ آزادی میں مسلمانوں کے ہم رکاب تھی لیکن وہ انگریزوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب رہے کہ آزادی کی جدوجہد میں صرف مسلمانوں نے شرکت کی تھی۔ یوں حکومتی عتاب کا نشانہ صرف مسلمان بنے۔

☆ مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا گیا۔ اُن کی جائیدادیں لوٹ لی گئیں۔
☆ مسلمانوں کو نوکریوں سے بے دخل کر دیا گیا اور اُن کی جاگیریں چھین لی گئیں۔
☆ تعلیم کے دروازے مسلمانوں پر عملاً بند کر دیے گئے۔
☆ مسلمانوں کو معاشی و معاشرتی طور پر بری طرح کچل دیا گیا۔
☆ مساجد اور مدرسوں کو بند کر دیا گیا۔
☆ مسلمان ایک تباہ حال قوم بنا دی گئی۔

چند انگریز مصنفین کی تحریروں کے اقتباسات دیکھیے۔

ولیم ہنٹر: ''مسلمان ہونا جرم قرار پایا۔ مسلمانوں کی جائیدادیں اور جاگیریں ہندوؤں اور سکھوں میں تقسیم کر دی گئیں۔''

لارڈ رابرٹ: ''میرا گزر دہلی کے چاندنی چوک سے ہوا تو ہر جانب لاشوں کے انبار تھے۔''

باسورتھ سمتھ: ''انگریز فوجی شکاری کتوں کی طرح گلیوں میں پھیل گئے اور ایک کے بعد دوسرے مکان میں داخل ہو کر سب کچھ لوٹنے لگے۔''

مسلمانوں کی تباہی کے حوالے سے سرسید نے لکھا:

''کوئی بلا آسمان سے ایسی نہیں اتری جس نے زمین پر پہنچنے سے پہلے کسی مسلمان کا گھر نہ ڈھونڈا ہو۔''

سرسید احمد خاں اور تحریکِ علی گڑھ

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے تحفظ کے لیے سرسید احمد خاں کی شکل میں ایک عظیم راہنما بھیجا۔ اُن کی دور رس نگاہوں نے ساری صورت حال اچھی طرح بھانپ لی تھی۔ ملت اسلامیہ کو ناپید ہونے سے بچانے کے لیے آپ نے برصغیر میں ایک بہت بڑی تحریک کا آغاز کیا۔ سر رچرڈ سائمنڈ نے اس امر کا اعتراف اپنی تصنیف میں کیا کہ ''پاکستانی عوام سرسید کے بارے میں صحیح دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس ملک کے خالقوں اور بانیوں میں سے ایک تھے۔'' اس تحریک کے دیگر قائدین میں سے محسن الملک، وقار الملک، مولانا شبلی نعمانی، مولانا الطاف حسین حالی اور مولانا چراغ علی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان لوگوں نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ آنے والی مسلم نسلیں اُن کی جتنی بھی قدر کریں، کم ہے۔ سرسید اور اُن کے ساتھیوں نے علی گڑھ تحریک کو ایک ہمہ گیر اور جامع تحریک بنا دیا۔ یوں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا۔ ان کی کارکردگی کے مختلف پہلو درج ذیل ہیں۔

تعلیمی خدمات

سرسید کا نقطۂ نظر تھا کہ مسلم قوم کی ترقی کی راہ تعلیم کی مدد سے ہی ہموار کی جاسکتی ہے۔ انھوں نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ جدید تعلیم حاصل کریں اور دوسری اقوام کے شانہ بہ شانہ آگے بڑھیں۔ انھوں نے محض مشورہ ہی نہیں دیا بلکہ مسلمانوں کے لیے جدید علوم کے حصول کی سہولتیں بھی فراہم کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ انھوں نے سائنس، جدید ادب اور معاشرتی علوم کی طرف مسلمانوں کو راغب کیا۔ انھوں نے انگریزی تعلیم کو مسلمانوں کی کامیابی کے لیے زینہ قرار دیا تاکہ وہ ہندوؤں کے مساوی معاشرتی و معاشی درجہ حاصل کرسکیں۔

1859ء میں سرسید نے مراد آباد اور 1862ء میں غازی پور میں مدرسے قائم کیے۔ ان مدرسوں میں فارسی کے علاوہ انگریزی زبان اور جدید علوم پڑھانے کا بندوبست بھی کیا گیا۔

1875ء میں انھوں نے علی گڑھ میں ایم۔اے۔او۔ ہائی سکول کی بنیاد رکھی جو بعد ازاں ایم۔اے۔او کالج اور آپ کی وفات کے بعد 1920ء میں یونیورسٹی کا درجہ اختیار کرگیا۔ ان اداروں میں انھوں نے آرچ بولڈ۔ آرنلڈ اور موریسن جیسے انگریز اساتذہ کی خدمات حاصل کیں۔

1863ء میں غازی پور میں سرسید نے سائنٹیفک سوسائٹی کے نام سے ایک ادارہ بنایا۔ اس ادارے کے قیام کا مقصد مغربی زبانوں میں لکھی گئی کتب کے اردو زبان میں تراجم کرانا تھا۔ بعد ازاں 1876ء میں سوسائٹی کے دفاتر علی گڑھ منتقل کردیے گئے۔۔ سرسید نے نئی نسل کو انگریزی زبان سیکھنے کی ترغیب دی تاکہ وہ جدید مغربی علوم سے بہرہ ور ہوسکے۔ یوں دیکھتے ہی دیکھتے مغربی ادب، سائنس اور دیگر علوم کا بہت سا سرمایہ اردو زبان میں منتقل ہوگیا۔ سوسائٹی کی خدمات کی بدولت اردو زبان کو بہت ترقی نصیب ہوئی۔

1886ء میں سرسید نے ''محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس'' کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد رکھی گئی۔ مسلم قوم کی تعلیمی ضرورتوں کے لیے رقوم کی فراہمی میں اس ادارے نے بڑی مدد دی اور کانفرنس کی کارکردگی سے متاثر ہو کر مختلف شخصیات نے اپنے اپنے علاقوں میں تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ لاہور میں اسلامیہ کالج، کراچی میں سندھ مسلم مدرسہ، پشاور میں اسلامیہ کالج اور کانپور میں حلیم کالج کی بنیاد

پڑی۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس مسلمانوں کے سیاسی، ثقافتی، معاشی اور معاشرتی حقوق کے تحفظ کے لیے بھی کوشاں رہی۔

ادبی خدمات

سرسید خود بہت عمدہ انشاء پرداز تھے اور خوش قسمتی سے انھیں بہت اچھے دانشور دوستوں کا ساتھ بھی مل گیا۔ سرسید نے ادب کو قومی ترقی کا ایک ذریعہ بناتے ہوئے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا۔ اُس دور کی درج ذیل تحریروں نے انقلاب برپا کر دیا۔

i- سرسید احمد خاں : آثار الصنادید۔ تبیین الکلام۔ آئین اکبری۔ تفسیر قرآن۔ خطبات احمدیہ۔ رسالہ تہذیب الاخلاق

ii- مولانا شبلی نعمانی : سیرت النبیؐ۔ الفاروق۔ الغزالی۔

iii- مولانا نذیر احمد : مراۃ العروس۔ توبۃ النصوح۔ ابن الوقت

iv- مولانا حالی : مسدس حالی۔ موازنہ دبیر وانیس۔ دیوانِ حالی

معاشرتی ومعاشی خدمات

سرسید نے مسلمانوں کو کھویا ہوا مقام واپس دلانے کے لیے متعدد کامیاب اقدام اٹھائے۔ رسالہ اسباب بغاوتِ ہند، لائل محمڈنز آف انڈیا اور تبیین الکلام جیسی کتب تحریر کر کے مسلمانوں اور حکومت برطانیہ کے درمیان تعلقات کو بہتر بنانے اور مسلمانوں کے خلاف جاری جبر کی مہم کو روکنے میں کامیابی حاصل کی۔ مسلمانوں کی بڑی تعداد کے لیے ملازمت کے بند دروازے کھلوائے۔ مختلف شعبوں میں مسلمان نئے سرے سے شامل کیے گئے۔ اُن کے خلاف انتقامی کارروائیوں کا سلسلہ بند ہو گیا۔

سیاسی خدمات

آپ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ سیاست سے دور رہتے ہوئے اپنی تمام تر توجہ تعلیم کے حصول اور معاشی ومعاشرتی طور پر بحالی پر دیں تاکہ وہ ہندوؤں کے برابر مقام حاصل کر سکیں۔ سرسید ہندو مسلم اختلافات کو ختم کر کے تعاون اور اتحاد کی راہ اختیار کرنے کے حق میں بھی تھے۔ انھوں نے دونوں قوموں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی مسلسل کوششیں کی۔ اپنے تعلیمی اداروں میں ہندو اساتذہ بھرتی کیے اور ہندو طلبا کو داخلے دیے۔ ہندوؤں نے اردو کے مقابل ہندی کو سرکاری دفاتر کی زبان کا درجہ دلوانے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ 1867ء میں اردو، ہندی تنازعے نے سرسید کو بدل کر دیا اور انھوں نے صرف اور صرف مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے اپنی تحریک کے ذریعے کام شروع کر دیا۔ زبان کا تنازعہ سرسید کی سوچ اور عمل کو بدل گیا۔ انھوں نے دو قومی نظریہ کی بنیاد پر برصغیر کے سیاسی اور دیگر مسائل کے حل تلاش کرنے کا فیصلہ کیا۔

سرسید کی سیاسی حکمت عملی کی بنیاد دو قومی نظریہ تھا۔ سرسید نے مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم ثابت کیا اور حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے افکار کو آگے بڑھایا۔ ''دو قومی نظریہ'' کی اصطلاح سرسید نے ہی سب سے پہلے استعمال کی۔ انھوں نے کہا کہ مسلمان جداگانہ ثقافت، رسم ورواج اور مذہب کے حامل ہیں اور ہر اعتبار سے ایک مکمل قوم کا درجہ رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کی علیحدہ قومی حیثیت کے حوالے سے سرسید نے اُن کے لیے لوکل کونسلوں میں نشستوں کی تخصیص چاہی، اعلیٰ سرکاری ملازمتوں کے لیے کھلے مقابلے کے امتحان کے خلاف مہم چلائی، اکثریت کی مرضی کے تحت قائم ہونے والی حکومت والے نظام کو ناپسند کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کی علیحدہ پہچان کروائی اور دو قومی نظریہ کی بنیاد پر اُن کے لیے تحفظات مانگے۔

سرسید مسلمانوں کو سیاست سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے مسلمانوں کو 1885ء میں ایک انگریز اے۔ او۔ ہیوم کی کوششوں سے قائم ہونے والی انڈین نیشنل کانگرس سے دُور رکھا۔ بعد میں ہونے والے واقعات نے سرسید کی پالیسی کی افادیت کو ثابت کر دیا۔ اُن کو بجا طور پر پاکستان کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ مولوی عبدالحق نے سرسید کی قومی و سیاسی خدمات کے حوالے سے لکھا ہے:

"قصرِ پاکستان کی بنیاد میں پہلی اینٹ اسی مردِ پیر نے رکھی تھی۔"

آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام

آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام 1906ء میں ڈھاکہ کے مقام پر عمل میں آیا۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے ختم ہونے پر برصغیر کے مختلف صوبوں سے آئے ہوئے مسلم عمائدین نے ڈھاکہ کے نواب سلیم اللہ خاں کی دعوت پر ایک خصوصی اجلاس میں شرکت کی۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ مسلمانوں کی سیاسی راہنمائی کے لیے ایک سیاسی جماعت تشکیل دی جائے۔ یاد رہے کہ سرسید نے مسلمانوں کو سیاست سے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا لیکن بیسویں صدی کے آغاز سے کچھ ایسے واقعات رونما ہونا شروع ہوئے کہ مسلمان ایک سیاسی پلیٹ فارم بنانے کی ضرورت محسوس کرنے لگے۔ ڈھاکہ اجلاس کی صدارت وقار الملک نے کی۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خاں، حکیم اجمل خاں اور نواب سلیم اللہ خاں سمیت بہت سے اہم مسلم اکابرین اجلاس میں موجود تھے۔ مسلم لیگ کا پہلا صدر سر آغا خاں کو چنا گیا۔ مرکزی دفتر علی گڑھ میں قائم ہوا۔ تمام صوبوں میں شاخیں بنائی گئیں۔ برطانیہ میں لندن برانچ کا صدر سید امیر علی کو بنایا گیا۔

مسلم لیگ کے قیام کے اسباب

1- انڈین نیشنل کانگرس کا ہندوؤں کی جماعت بننا

انڈین نیشنل کانگرس بطور سیاسی جماعت صرف ہندوؤں کی جماعت بن کر رہ گئی تھی۔ کانگرس پر انتہا پسند اور فرقہ پرست ہندو قابض ہو چکے تھے اس لیے مسلمانوں کی ایک علیحدہ سیاسی جماعت کا قیام وقت کی اہم ضرورت تھی۔

2- فرقہ وارایت

مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں نے اپنی انتہا پسند اور متشدد تحریکوں کا آغاز کر دیا تھا۔ ہندو مہا سبھا، سنگھٹن اور آریہ سماج جیسی تحریکوں سے مسلمانوں کے وجود کو خطرہ تھا۔ ان سے عہدہ براء ہونے کے لیے مسلمانوں نے مسلم لیگ قائم کر لی۔

3- تقسیم بنگال کی مخالفت

مشرقی بنگال کا نیا صوبہ 1905ء میں وجود میں آیا، جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ صوبہ بنگال کی تقسیم کی ہندوؤں نے شدید مخالفت کی۔ وہ مسلمانوں کی بہبود کے لیے اٹھائے جانے والے کسی اقدام کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انھوں نے تقسیم بنگال کے خاتمے کے لیے بہت بڑی تحریک شروع کر دی۔ یہ مخالفت بھی مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کی تخلیق کا باعث بنی۔

4- اردو ہندی تنازعہ

ہندو پورا زور لگا رہے تھے کہ دفتروں میں اُردو کی جگہ ہندی رائج کی جائے۔ وہ دیوناگری رسم الخط کو ملک بھر میں رائج کرنے کی

کوشش میں تھے۔ اُن کے دباؤ میں آ کر بعض انگریز گورنر بھی اُن کی مدد پر آمادہ ہو گئے۔ ایسے میں مسلمانوں نے اردو کے دفاع کے لیے تحریک چلائی اور اس تحریک کو مضبوط بنانے کے لیے مسلم لیگ قائم کی گئی تا کہ حکومت کو مسلمانوں کے مطالبات اور احساسات پہنچائے جاسکیں۔ مسلمان اپنی زبان اور ثقافت کا تحفظ کرنا چاہتے تھے۔

5- سیاسی اصلاحات کا اعلان

برطانیہ میں انتخابات میں لبرل پارٹی کی کامیابی کے بعد برصغیر میں سیاسی اصلاحات لانے کا اعلان کیا گیا۔ سیاسی اداروں کی تشکیل کا سلسلہ شروع ہونے کا امکان بنا تو مسلمانوں نے اپنی جائز نمائندگی کے حصول کے لیے ایک سیاسی جماعت کو وجود دینا ضروری سمجھا۔

6- شملہ وفد

سر آغا خاں کی قیادت میں مسلمانوں کا ایک نمائندہ وفد یکم اکتوبر 1906ء کو برطانوی وائسرائے لارڈ منٹو سے ملا۔ وفد نے مسلمانوں کے سیاسی، ثقافتی، اقتصادی اور دیگر حقوق کے حصول کے لیے ایک عرضداشت پیش کی۔ مسلمانوں نے انتخابات میں اپنے لیے جداگانہ انتخابی طریقہ اپنانے کا مطالبہ کیا۔ وائسرائے نے حوصلہ افزا باتیں کیں۔ وفد نے محسوس کیا کہ سیاسی جماعت کی تشکیل کا وقت آ گیا ہے اور چند ہفتوں بعد آل انڈیا مسلم لیگ قائم کر دی گئی۔

مسلم لیگ کے قیام کے مقاصد

1- حکومت اور مسلمانوں کے درمیان بہتر تعلقات استوار کرنا اور مسلمانوں میں وفاداری کے جذبات پیدا کرنا۔
2- برصغیر کی دیگر اقوام اور سیاسی جماعتوں سے اجتماعی بھلائی کے لیے رابطے قائم کرنا۔
3- مسلم قوم کے حقوق کا تحفظ کرنا اور اس مقصد کے لیے حکومت اور دیگر حلقوں کے ساتھ مل جل کر کام کرنا۔

آل انڈیا مسلم لیگ نے سر آغا خاں، وقار الملک اور بعد ازاں قائداعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت میں حکومت کو مسلمانوں کے تشخص اور حقوق ماننے پر مجبور کر دیا۔ 1909ء میں جداگانہ طریقِ انتخاب رائج کروایا، قانون ساز اسمبلیوں میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ نشستیں حاصل کیں اور دیگر جماعتوں سے برصغیر کے مستقبل کے بارے میں مذاکرات کیے۔ طویل جدوجہد کے بعد مسلم لیگ اپنی علیحدہ مملکت ''پاکستان'' بنانے میں کامیاب ہو گئی۔

تحریکِ خلافت

1914ء میں جنگ عظیم اوّل کا آغاز ہوا۔ برطانیہ، فرانس، امریکہ اور روس اتحادی تھے۔ دوسری جانب جرمنی، آسٹریا اور ترکی کا اشتراک تھا۔ ترکی کو دنیا بھر کے مسلمانوں کا مرکز مانا جاتا تھا۔ ترکی کے خلیفہ کو برصغیر کے مسلمان اپنا خلیفہ تسلیم کرتے تھے۔ ترکی اُن دنوں زوال پذیر تھا۔ امکان تھا کہ اسے شکست ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کا مرکز ختم ہونے کا خدشہ تھا۔ گمان تھا کہ ترکی کو شکست دینے کے بعد اس کے علاقے اتحادی ممالک آپس میں بانٹ لیں گے اور اس کا اقتدارِ اعلیٰ ختم ہو جائے گا۔ اُن دنوں ترکی ایک بہت ہی وسیع ملک تھا جس کی سرحدیں مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ حجازِ مقدس کی سرزمین بھی ترکوں کے کنٹرول میں تھی۔ یوں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے شہر بھی اتحادیوں کے قبضے میں جاسکتے تھے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے برصغیر کے مسلمانوں نے 1919ء میں ایک بہت بڑی تحریک کا

آغاز کردیا۔ خلافت کے تحفظ کی اس تحریک کو تحریکِ خلافت کا نام دیا جاتا ہے۔

تحریک کے قائدین

مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خاں، ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خاں اور متعدد دوسرے راہنماؤں نے اپنی داخلی سیاست کو نظر انداز کرتے ہوئے تمام تر توجہ خلافت کے مسئلہ پر مرکوز کردی۔ انھوں نے ایک خلافت کمیٹی قائم کی، مجلس خدامِ کعبہ کو منظم کیا اور زبردست سرگرمیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ مولانا عبدالباری، مشیر حسین قدوائی اور مولانا سلیمان ندوی وغیرہ مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں ایک وفد کی صورت میں برطانوی وزیراعظم سے ملاقات کرکے اسے ہندوستانی مسلمانوں کے جذبوں سے آگاہ کرنے گئے۔ وفد برطانوی سیاست دانوں سے ملا۔ مغربی ممالک میں مختلف شہروں میں جلسے منعقد کیے۔ واپس آئے تو برصغیر کے طول و عرض میں جلوس نکالے اور جلسوں کا اہتمام کیا۔ تحریکِ خلافت کو برصغیر میں چلائی جانے والی تمام تحریکوں میں سب سے زیادہ پُرجوش اور زبردست مانا جاتا ہے۔

تحریک کے مقاصد

تحریک خلافت ایک کثیر المقاصد تحریک تھی۔ اس نے برصغیر میں مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر منظم کیا۔ وقتی طور پر آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے مسلم عوام کی توجہ ہٹ گئی۔ وہ خلافت کے تحفظ کے لیے جان و مال کی بازی لگائے بیٹھے تھے۔ تحریک کے سامنے تین اہم مقاصد درج ذیل تھے۔

☆ ترکی بحیثیت ایک مملکت قائم رہے۔ شکست کی صورت میں اس کی جغرافیائی سرحدیں جوں کی توں رہیں۔ اس کے ٹکڑے نہ کیے جائیں۔

☆ خلیفہ موجود رہے اور ترکی میں خلافت کا ادارہ اپنی حیثیت برقرار رکھے۔

☆ حجاز مقدس کی حرمت پر کوئی آنچ نہ آئے۔ غیر مسلم افواج ان دونوں شہروں میں داخل نہ ہوں۔

تحریک کی سرگرمیاں

☆ تحریک خلافت کے تحت وفود بھیجے گئے۔ وفود نے یورپی ممالک اور خصوصاً برطانیہ میں برصغیر کی مسلم رائے عامہ سے حکومتوں کو آگاہ کیا۔

☆ ڈاکٹروں اور نرسوں کے گروپ ترک مجاہدوں کی مرہم پٹی کے لیے بھیجے گئے۔ ادویات بھی فراہم کی گئیں۔

☆ ترک حکومت کو رقوم مہیا کی گئیں۔ مسلم عوام نے کثیر دولت کرنسی، سونے اور چاندی کی صورت میں جمع کرکے ترکی کی مالی امداد کے لیے روانہ کی۔

☆ برصغیر کے چھوٹے بڑے شہروں اور قصبوں میں بڑے بڑے جلوس نکالے گئے، جلسے منظم کیے گئے، ہڑتالیں کی گئیں اور مسلم عوام نے بڑی تعداد میں گرفتاریاں پیش کیں۔ تحریک کے لیڈروں کو جیلوں میں بند کردیا گیا لیکن تحریک کی آب و تاب میں کوئی فرق نہ آیا۔

☆ تحریک خلافت میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کی اماں کا کردار بھی اہمیت کا حامل تھا۔ ان دنوں میں یہ نعرہ بہت مقبول ہوا:

"کہتی ہے اماں محمد علی کی ــــ جان بیٹا اپنی خلافت پہ دے دو"

☆ مسلم صحافت نے بھی زوردار کردار ادا کیا۔ مولانا ظفر علی خاں نے 'زمیندار'، مولانا آزاد نے 'الہلال' اور مولانا محمد علی جوہر نے 'کامریڈ'، 'ہمدرد' اخبار کے ذریعے مسلم عوام کے ذہنوں میں طوفان پیدا کردیا۔

گاندھی کا کردار

گاندھی کو موقع مل گیا کہ وہ مسلمانوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر سکے۔ اُس نے کھلم کھلا تحریکِ خلافت کی حمایت کی۔ تحریک کے جلسوں میں شرکت کی اور مسلمانوں کو اپنے پورے تعاون کا یقین دلایا۔ انڈین نیشنل کانگرس نے گاندھی کے ایماء پر تحریک کا پورا پورا ساتھ دیا۔ گاندھی نے جنگِ عظیم اول کے دوران تحریکِ عدم تعاون' تحریک ترکِ موالات اور سول نافرمانی کی تحریک شروع کر رکھی تھی۔ تحریک خلافت کی حمایت کر کے وہ مسلمانوں کو اپنی تحریکوں میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ:

- ☆ حکومت کی طرف سے دیے گئے القابات واپس کر دیں۔
- ☆ سرکاری ملازمتوں سے استعفے دے دیں۔
- ☆ تعلیم چھوڑ کر سڑکوں پر نکل آئیں۔
- ☆ گرفتاریاں دیں۔ محصول دینے سے انکار کر دیں۔
- ☆ حکومت کی جانب سے ملنے والی مالی امداد لینے سے انکار کر دیں۔
- ☆ اپنا گھر بار بیچ کر افغانستان' ایران یا کسی دوسرے مسلم ملک میں ہجرت کر جائیں۔

مسلمان راہنما گاندھی کی سازش کو سمجھ نہ سکے اور اُس کی باتوں میں آ کر ایسے اقدام اٹھائے کہ مسلمانوں کی معیشت' تعلیم اور سماجی حالت پر بے حد بُرا اثر پڑا۔ لاکھوں مسلمان اپنا سب کچھ بیچ کر افغانستان کی طرف ہجرت کی غرض سے چل پڑے لیکن حاکم افغانستان نے انھیں افغانستان کے اندر داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ مجبوراً مسلمان واپس آئے اور یہاں بربادی' بھوک اور بدحالی اُن کی منتظر تھی۔ بے پناہ نقصان اٹھانے کے بعد مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں اور انھیں گاندھی کا اصلی چہرہ پہچاننے کا موقع ملا۔

تحریک کا انجام

برصغیر کے مسلمانوں نے گاندھی کا پورا پورا ساتھ دیا تھا لیکن جنگِ عظیم اول کے خاتمے پر جب گاندھی نے محسوس کر لیا کہ وہ حکومت کو بلیک میل کر کے اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکے گا تو اُس نے مسلمان قائدین سے پوچھے بغیر اپنی تحریکوں کے خاتمے کا اعلان کر دیا جس سے مسلمانوں کو شدید مایوسی ہوئی۔

دوسری جانب ترکی شکست کے قریب پہنچ چکا تھا کہ ایک جرنیل غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے بکھری ہوئی ترک افواج کو دوبارہ یکجا کیا۔ اُن میں نیا حوصلہ پیدا کیا۔ مصطفیٰ کمال پاشا نے ترک خلیفہ کو اقتدار سے الگ کر کے ملک کی سربراہی خود سنبھال لی۔

روس اور برطانیہ دونوں ترکی پر قبضہ کا ارادہ رکھتے تھے لیکن اُن کی باہمی رقابت ترکی کی سلامتی کا سبب بن گئی۔ اتحادیوں نے مصطفیٰ کمال پاشا سے ایک معاہدہ ''معاہدۂ لوزان'' کے نام سے طے کیا۔ یوں ترکی کا اقتدارِ اعلیٰ بچ گیا' البتہ مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے علاقوں پر ترکی کا کنٹرول ختم ہو گیا۔ حجازِ مقدس کو عربوں کے حوالے کر دیا گیا۔ یوں درحقیقت تحریکِ خلافت کے مقاصد کسی حد تک پورے ہو گئے کیونکہ ترکی محفوظ رہا' حجازِ مقدس میں غیر مسلم افواج داخل نہ ہوئیں اور وہاں کا کنٹرول عرب مسلمانوں نے سنبھال لیا۔ خلافت کا ادارہ ختم ہو گیا لیکن اس کا خاتمہ اتحادیوں نے نہیں خود ترک افواج اور اُن کے سالارِ اعلیٰ غازی مصطفیٰ پاشا نے کیا۔

مطالبہ پاکستان کے محرکات

پاکستان کا مطالبہ کیوں ہوا؟ اس کی تخلیق کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟ ہم ذیل میں اُن محرکات کا ذکر کرتے ہیں۔ جو پاکستان کو وجود میں لانے کا باعث بنے۔

1- فرقہ وارانہ فسادات

ہندو مسلم فسادات کی نظر ہر سال کئی جانیں ہو جاتی تھیں۔ ہندو منظم انداز میں اپنی فرقہ وارانہ تنظیموں کے ذریعے مسلمانوں کا قتل عام کرتے۔ ہندوؤں کی تعداد زیادہ تھی اس لیے انگریزوں کے چلے جانے کے بعد وہ مسلمانوں کی زندگی مکمل عذاب میں مبتلا کر دیتے۔ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جاتی اور کوئی ہندوؤں کو روکنے والا نہ ہوتا۔ ہندو اپنے عزائم کو چھپا کر نہیں رکھتے تھے۔ اُن کے کئی لیڈروں اور تنظیموں نے اپنا بنیادی مقصد ٹھہرایا تھا کہ برصغیر آزاد ہوگا تو یہاں ''رام راج'' قائم کر دیا جائے گا۔

2- معاشرتی حالات

ہندو سماج میں ذات پات اور رنگ و نسل کی تمیز نے مسلمانوں کو خوف زدہ کیا کہ آزادی کے حصول کے بعد ہندو مسلمانوں کو دوسرے درجے کا شہری بنا دیں گے۔ اُن کا معاشرتی مقام ہندوؤں کے مقابلے پر بہت کم ہوگا۔ مسلمان سیاسی آزادی سے بھی محروم رہتے اور معاشرتی طور پر ہندوؤں کی مستقل غلامی کا شکار ہو جاتے اس لیے ایک منصفانہ ماحول اور مساوات پر مبنی نظام کی تکمیل کا خواب پورا کرنے کے لیے جداگانہ مسلم مملکت کا قیام ضروری سمجھا گیا۔

3- مسلم زبان وثقافت

ہندو قوم انگریز حکومت کی موجودگی میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتی رہی کہ ہندی کو ملک بھر کی زبان کا درجہ مل جائے۔ وہ اردو زبان اور مسلم ثقافت کو مٹانے کے درپے تھی۔ مسلمان اپنی ثقافتی قدروں کو پامال ہونے سے بچانے کے لیے مجبور ہو گئے کہ پاکستان کے قیام کا مطالبہ کریں۔

4- دو قومی نظریہ

مسلمانوں کا دعویٰ تھا کہ وہ ایک الگ قوم ہیں اور اُس کا علیحدہ قومی تشخص ہمیشہ سے قائم ہے۔ وہ علیحدہ ثقافت، زبان، رسوم و رواج، انداز زندگی اور مذہب کے حامل ہیں۔ اس لیے وہ ایک مکمل قوم ہیں۔ اُن کا حق تھا کہ وہ اُن علاقوں میں اپنی پسند کا سیاسی نظام لاتے، جہاں وہ اکثریت میں تھے۔ بحیثیت قوم وہ اپنا جداگانہ وجود قائم رکھنا چاہتے تھے۔

5- کانگرسی وزارتیں

1937ء سے 1939ء تک برصغیر میں کانگرسی وزارتیں قائم رہیں۔ اس دوران ہندوؤں نے اپنے اقتدار کا استعمال مسلمان قوم کو دبانے اور اُسے حقوق سے محروم کرنے کے لیے کیا۔ تعصب کی اس تصویر نے مسلمانوں کو الگ وطن حاصل کرنے پر مجبور کیا۔ انھیں علم تھا کہ جمہوریت اکثریت کی حکومت کا نام ہے اور اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ یوں مسلمان مستقل طور پر ہندوؤں کی غلامی کا شکار ہو جاتے۔

6-اسلامی نظام کا قیام

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ مسلمان اسلامی نظام کو عملی طور پر نافذ دیکھنا چاہتے تھے۔ یہ ہندو اکثریت والے جنوبی ایشیا میں ممکن نہ تھا اس لیے شمال مشرق اور شمال مغرب کے مسلم اکثریتی علاقوں میں ''پاکستان'' کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تا کہ مسلمان پاکستان کو اسلامی نظام کی ایک تجربہ گاہ بنا سکیں۔ وہ پاکستان کو پورے عالم اسلام کے لیے ایک قوت کی شکل میں دیکھنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ پاکستان اُن کے نزدیک عالمی سطح پر اسلامی تحریک کا نقطہ آغاز تھا۔

قراردادِ پاکستان

آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس 23 مارچ 1940ء کو لاہور کے تاریخی پارک ''اقبال پارک'' میں منعقد ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس اجلاس کی صدارت کی اور پورے برصغیر سے بہت بڑی تعداد میں مسلمان عوام نے اجلاس میں شرکت کی۔ اجلاس میں قرارداد لاہور کے نام سے ایک قرارداد صوبہ بنگال کے راہنما مولوی فضل الحق نے پیش کی اور زبردست نعروں کے ساتھ حاضرین نے قرارداد کو منظور کر لیا۔ مسلمانوں نے اپنی منزل کا تعین کر لیا۔ وہ بڑا تاریخی دن تھا۔ اُس دن کی یاد تازہ رکھنے کے لیے اقبال پارک میں ''مینار پاکستان'' بنایا گیا ہے۔

قرارداد پاکستان کا پس منظر

پاکستان کا مطالبہ پوری مسلم قوم نے بڑے غور و فکر کے بعد کیا۔ ایسا نہیں تھا کہ یہ مطالبہ وقتی غصے یا جذبے کے تحت کر دیا گیا ہو۔ مسلم اکابرین 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلسل اس فکر میں تھے کہ مسلمانوں کو پرسکون، محفوظ اور باوقار ماحول کیسے فراہم کیا جائے۔ مسلمان ایک الگ قوم تو تھے ہی، انھیں تحفظات دینے کی بات بھی ہوتی رہی لیکن وہ اپنے مستقبل کے متعلق مطمئن نہیں تھے۔ کئی مسلم شخصیات نے جداگانہ مسلم مملکت کے قیام کی طرف اپنی تقاریر اور تحریروں میں اشارے دیے۔ سید جمال الدین افغانی، عبدالحلیم شرر، مولانا محمد علی جوہر اور خیری برادران کے نام خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ سی۔ آر۔ داس اور لالہ لاجپت رائے جیسے ہندو بھی برصغیر کے سیاسی مسئلے کا حل علیحدہ مسلم مملکت کے قیام میں ڈھونڈ رہے تھے۔ کئی انگریز ماہرین و مصنفین نے تقسیم برصغیر کو قابل عمل اور فطری حل قرار دیا۔ ان میں بلنٹ، جان برائیٹ اور روس کے مارشل سٹالن کا نام لیا جاتا ہے۔ تقسیم کا مطالبہ بتدریج پروان چڑھا۔

- i- علامہ محمد اقبالؒ نے 1930ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے خطبہ الٰہ آباد دیا تو انھوں نے شمال مغرب میں جداگانہ مسلم مملکت کے قیام کو مسلمانوں کا مستقبل ٹھہرایا۔
- ii- چوہدری رحمت علی نے بحیثیت طالب علم 1933ء میں مسلمانوں کے لیے ایک سے زیادہ آزاد مملکتوں کے قیام کی تجویز ایک پمفلٹ ''اب نہیں، تو پھر کبھی نہیں'' (Now or Never) میں پیش کی۔
- iii- سندھ مسلم لیگ نے 1938ء میں اپنے سالانہ اجلاس میں تقسیم کے حق میں قرارداد منظور کی۔
- iv- قائداعظمؒ نے سید حسن ریاض مصنف ''پاکستان ناگزیر تھا'' کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ وہ 1930ء میں ہی علیحدہ مسلم مملکت کے قیام کی جدوجہد کا فیصلہ کر چکے تھے۔ 1940ء تک قائداعظمؒ نے قوم کو ذہنی طور پر رفتہ رفتہ تیار کیا۔

قائداعظمؒ کا خطبہ صدارت

قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کے 1940 کے اس لاہور اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے اپنے خطبے میں مسلمانوں کی جدوجہد کے لیے سمت کا تعین کر دیا۔ ان کے خطبے کے اہم نکات درج ذیل تھے۔

i- مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں اور اپنا جداگانہ سماجی، ثقافتی اور مذہبی نظام رکھتے ہیں۔

ii- برصغیر ایک ملک نہیں اور ہندو مسلم تنازعہ فرقہ وارانہ نہیں بلکہ بین الاقوامی مسئلہ ہے جس کا حل برصغیر میں ایک سے زیادہ ریاستوں کا قیام ہے۔

iii- متحدہ برصغیر میں مسلمانوں کے حقوق محفوظ رہنے کا امکان نہیں ہے۔

iv- انھوں نے مختلف ملکوں کی تقسیم کی مثالیں دیتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ برطانیہ سے آئرلینڈ الگ ہوا، نیز چیکوسلواکیہ بھی تقسیم کے نتیجہ میں قائم ہوا۔ ایسے میں اگر جنوبی ایشیا کو تقسیم کر کے مسلمانوں کو جداگانہ مملکت بنانے کا حق دے دیا جائے تو یہ فیصلہ پوری طرح تاریخی، منطقی اور جائز ہوگا۔

قرارداد کے بنیادی نکات

i- باہم متصل اکائیوں کی نئے خطوں کی صورت میں حد بندی کی جائے۔ شمال مغرب اور مشرق میں مسلم اکثریت والے علاقوں میں آزاد مسلم مملکتیں قائم کی جائیں۔

ii- برصغیر کے لیے تقسیم کے علاوہ کسی دوسری سکیم کو منظور نہیں کیا جائے گا۔

iii- تقسیم ہو جاتی ہے تو ہندو اکثریتی علاقوں میں مسلم اقلیت کے حقوق کے تحفظ کا مناسب بندوبست کیا جائے۔

قرارداد پر ردِ عمل

i- قرارداد کا منظور ہونا تھا کہ ہندو پریس اور ہندو قائدین نے مطالبے کے خلاف اظہارِ رائے کرنا شروع کر دیا۔ قرارداد کا مذاق اڑایا گیا۔ گاندھی اور ہندوؤں نے بالخصوص قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے اسے قطعاً مسترد کر دیا۔ مسلم لیگ قرارداد کو ''قرارداد لاہور'' پکار رہی تھی لیکن ہندو پریس نے طنزاً اسے ''قراردادِ پاکستان'' لکھنا شروع کر دیا۔ مسلمان قائدین نے نئی اصطلاح کو اپنا لیا اور آج اسے ''قراردادِ پاکستان'' ہی کہا جا رہا ہے۔

ii- مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا ظفر احمد انصاریؒ وہ علماء تھے جنھوں نے اس قرارداد کا بھرپور ساتھ دیا۔

iii- برطانوی پریس نے قرارداد کو زیادہ اہمیت نہ دی۔

عام تصور تھا کہ تقسیم کی تجویز مسترد ہو جائے گی۔ لیکن مسلمانانِ برصغیر نے اپنے مستقبل کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چند ہی سالوں بعد انھوں نے اپنی بے پناہ جدوجہد کے نتیجے میں پاکستان بنا لیا۔

کرپس مشن

سر سٹیفورڈ کرپس کی قیادت میں ایک مشن 1942ء میں برصغیر آیا۔ مسلمان تقسیم ہندوستان کا مطالبہ قراردادِ پاکستان کے ذریعے

کر چکے تھے۔ کانگرسی راہنما جنگ عظیم دوم (1945-1939ء) میں جاپانیوں کی ابتدائی کامیابیوں کی وجہ سے حکومت کے خلاف تحریکیں چلا رہے تھے اور توقع کر رہے تھے کہ جاپانی افواج برطانوی حکمرانوں کو برصغیر سے نکال کر اقتدارِ اعلیٰ ہندوستانیوں کے سپرد کر دیں گی۔

کرپس تجاویز

کرپس مشن اپنے ساتھ درج ذیل تجاویز لایا۔

i- جنگ کے بعد برصغیر کو ڈومینین کا درجہ دے دیا جائے گا۔

ii- دفاع، امور خارجہ، مواصلات وغیرہ سمیت تمام شعبے ہندوستانیوں کے سپرد کر دیے جائیں گے۔

iii- آئین سازی کے لیے ایک مرکزی اسمبلی منتخب کی جائے گی، جس کے لیے چناؤ کا اختیار صوبائی قانون ساز اسمبلیوں کے ارکان کو حاصل ہوگا۔

iv- اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے مناسب اقدام اٹھائے جائیں گے۔

v- آئین مکمل ہو گیا تو اسے ہر صوبے کی توثیق کے لیے بھیجا جائے گا۔ جو صوبے آئین کو پسند نہیں کریں گے وہ بااختیار ہوں گے کہ مرکز سے علیحدہ ہو کر اپنی آزاد حیثیت قائم کر لیں۔

سیاسی جماعتوں کا ردعمل

i- قائداعظمؒ اور آل انڈیا مسلم لیگ نے کرپس مشن اور حکومت برطانیہ کا شکریہ ادا کیا کیونکہ ان کا مطالبہ ماننے کا اشارہ تجاویز میں موجود تھا یعنی مسلم اکثریت والے صوبے آئین کو مسترد کر کے اپنی جداگانہ حیثیت قائم کر سکتے تھے۔ یوں پاکستان کی تخلیق کا امکان موجود تھا۔ اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے حوالے سے بھی مسلم لیگ نے اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔

ii- کافی غور و فکر کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ نے اس بنیاد پر کرپس تجاویز کو ماننے سے انکار کر دیا کہ پاکستان کے مطالبے کو صاف صاف الفاظ میں اور فوری طور پر تجاویز میں تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔

iii- گاندھی اور اُن کی سیاسی جماعت انڈین نیشنل کانگرس نے تجاویز کو مسترد کر دیا۔ انھوں نے صوبوں کو آئین کے مسترد کرنے والے اختیار کو سخت ناپسند کیا۔ تقسیم کے حوالے سے کسی بھی قسم کی واضح یا مبہم تجویز کو کانگرس ماننے پر آمادہ نہیں تھی۔ کانگرس نے کرپس تجاویز کا مذاق اڑایا اور ایک ایسے بینک کا چیک کہا جو دیوالیہ ہونے جا رہا ہو۔ کانگرس جنگ عظیم دوم میں انگریزوں کے اکھڑتے ہوئے پاؤں دیکھ کر طے کر چکی تھی کہ اب برصغیر کے مستقبل کا فیصلہ انگریزوں کی بجائے جاپانی کریں گے۔

iv- کرپس تجاویز ناکام ہو گئیں۔ کرپس نے ناکامی کی ذمہ داری خود قبول کی اور کسی جماعت کو اس کا ذمہ دار قرار نہ دیا۔

شملہ کانفرنس 1945ء

پس منظر

1942ء میں کرپس مشن کی ناکامی کے بعد انڈین نیشنل کانگرس نے حکومت برطانیہ پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ ہندوستان سے اپنا اقتدار ختم کر دے اور اختیارات اکثریتی جماعت کو منتقل کر دے۔ گاندھی نے اپنی تحریکوں کو تیز تر کر دیا۔ عوام کو کہا گیا کہ وہ عدالتوں اور

دفتروں کا بائیکاٹ کریں۔ سول نافرمانی کی تلقین کی گئی۔ جلسوں اور جلوسوں کے ذریعے قوت کا زبردست مظاہرہ جاری رہا۔ گاندھی نے ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک کا آغاز کیا۔ گاندھی اور اُس کی جماعت انڈین نیشنل کانگرس تو قعات لگائے بیٹھی تھی کہ جنگ میں برطانیہ کو شکست ہوگی۔ اس نے مسلم لیگ کو نظرانداز کرتے ہوئے حکومت کو جھکانے کا ہر حربہ استعمال کیا۔

توقعات پوری نہ ہوئیں۔ بتدریج جنگ کا پانسہ برطانیہ اور اُس کے اتحادیوں کے حق میں پلٹنے لگا۔ حالات بدل گئے تو کانگرس نے مسلم لیگ کو ساتھ ملا کر اپنے دباؤ کو بڑھانا چاہا۔ گاندھی، جناح مذاکرات ہوئے۔ گاندھی نے جناح کو مشترکہ جدوجہد میں شامل ہونے کی دعوت دی، لیکن وہ ایسے جال میں پھنسنے والے نہیں تھے۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے پاکستان کی تخلیق کے علاوہ کسی دوسرے فارمولے پر غور کرنے سے انکار کر دیا۔

ویول پلان

لارڈ ویول ہندوستان میں برطانوی وائسرائے تھا۔ اُس نے برصغیر کے مسائل پر غور کرنے کے لیے ایک کانفرنس بلانے کا اعلان کیا تاکہ مستقبل کے آئین، حکومت کی تشکیل اور اسمبلیوں کے چناؤ کے متعلق بنیادی فیصلے کیے جائیں۔ ویول پلان میں درج ذیل نکات شامل تھے۔

i- مستقبل کا دستور برصغیر کی تمام سیاسی طاقتوں کی مرضی سے بنایا جائے گا۔
ii- گورنر جنرل کی انتظامی کونسل بنائی جائے گی اور کونسل میں برصغیر کی سیاسی قوتوں کے نمائندے شریک کیے جائیں گے۔ ان میں چھے ہندو اور پانچ مسلمان ہوں گے۔
iii- گورنر جنرل اپنی انتظامی کونسل کی صدارت کرے گا اور کمانڈر انچیف کے علاوہ دوسرے تمام ارکان کونسل کا تعلق برصغیر سے ہوگا۔ ارکان کا چناؤ گورنر جنرل خود کرے گا۔
iv- مرکز میں انتظامی کونسل کو تشکیل دینے کے بعد تمام صوبوں میں بھی انتظامی کونسلیں منظم کی جائیں گی۔

شملہ کانفرنس کا انعقاد

ویول پلان پر غور کرنے کے لیے مختلف سیاسی جماعتوں کے ارکان کو شملہ کانفرنس میں شمولیت کی دعوت دی گئی۔ کانفرنس 1945ء میں صحت افزا مقام شملہ میں بلائی گئی۔ اس میں شریک ہونے والے ارکان یہ تھے:

i- کانگرس: پنڈت نہرو، ابوالکلام آزاد، بلدیو سنگھ۔
ii- مسلم لیگ: قائداعظمؒ، لیاقت علی خاں، سردار عبدالرب نشتر۔
iii- تمام صوبوں کے وزرائے اعلیٰ۔
iv- یونینیسٹ اور دیگر پارٹیوں کے نمائندے۔

شملہ کانفرنس کی ناکامی

بڑی توقعات کے ساتھ تمام مندوبین نے شملہ کانفرنس میں شرکت کی۔ کانگرس خوش تھی کہ اُسے حکومت سازی کا موقع ملنے والا تھا۔

البتہ اُس نے کانفرنس میں شرکت سے پہلے ہی وضاحت کردی تھی کہ وہ برصغیر کی تقسیم کے کسی فارمولے کو نہیں مانے گی۔ حکومت سازی پر گفتگو کا آغاز ہوا۔ پانچ مسلمان وزراء کی نامزدگی کا مسئلہ پیش ہوا تو قائداعظمؒ کا موقف تھا کہ پانچوں مسلم وزراء کو مسلم لیگ نامزد کرے گی۔ کانگرس چاہتی تھی کہ ایک مسلمان نشست اُسے ملے اور اُس پر ابوالکلام آزاد کا تقرر ہو۔ قائداعظمؒ ڈٹ گئے کیونکہ وہ صرف اور صرف مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت منوانا چاہتے تھے۔ وائسرائے نے ابوالکلام آزاد کی بجائے پنجاب کے وزیراعلیٰ اور یونینسٹ پارٹی کے سربراہ ملک خضر حیات کی نامزدگی پر قائداعظمؒ کو راضی کرنا چاہا لیکن وہ اپنے موقف پر قائم رہے۔ وہ چاہتے تھے کہ حکومت اور کانگرس صرف مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نمائندگی کرنے کا حق دار مان لیں۔ تینوں فریق متفق نہ ہو سکے اور شملہ کانفرنس کوئی نتیجہ اخذ کیے بغیر ختم ہوگئی۔

کانفرنس کی ناکامی کا ذمہ دار

کانگرس نے قائداعظمؒ کو شملہ کانفرنس کی ناکامی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ ویول نے بھی قائداعظمؒ کے بے لچک رویے پر تنقید کی۔ قائداعظمؒ نے اخباری بیان میں کہا کہ شملہ کانفرنس میں پیش ہونے والا ویول پلان دراصل وائسرائے اور گاندھی کا پھیلایا گیا مشترکہ جال تھا۔ اگر مسلم لیگ پلان قبول کرلیتی تو اُسے پاکستان کے حصول میں کبھی کامیابی نہ ہوتی۔

بظاہر نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ قائداعظمؒ کے سخت اور غیر لچک دار رویے کی وجہ سے بات آگے نہ بڑھ سکی لیکن آنے والے سال میں ہونے والے عام انتخابات 46-1945ء کے نتائج نے ثابت کردیا کہ مسلمان صرف اور صرف مسلم لیگ کے ساتھ تھے۔ انھوں نے کانگرس، یونینیسٹ پارٹی اور مسلم مذہبی جماعتوں کو مسترد کرتے ہوئے مسلم لیگ کو ووٹ دے کر اپنی مکمل نمائندگی کا اختیار دے دیا۔ انتخابی نتائج نے قائداعظمؒ کی فراست اور اُن کے موقف کی صداقت کا ثبوت فراہم کردیا۔

انتخابات 46-1945ء

برصغیر میں عام انتخابات منعقد کروانا ضروری تھا۔ جنگ عظیم دوم کے خاتمے اور شملہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد یہ اندازہ لگانا لازم ہوگیا کہ مختلف سیاسی جماعتوں کی عوام میں کیا حیثیت ہے اور وہ برصغیر کے مستقبل کے بارے میں کس جماعت کے موقف سے ہم آہنگی رکھتے ہیں۔ شملہ کانفرنس کی ناکامی کی ساری ذمہ داری ہندو پریس نے قائداعظمؒ پر ڈال دی تھی۔ یہ جاننے کے لیے کہ قائداعظمؒ کا موقف درست تھا یا غلط واحد طریقہ تھا کہ عوام سے رجوع کرکے اُن کی رائے معلوم کی جاتی۔ حکومت برطانیہ پر امریکہ کا دباؤ بھی تھا کہ برصغیر کے سیاسی مسائل کا حل ڈھونڈا جائے۔ اس صورتِ حال میں برطانوی حکومت نے عوامی رجحانات کا پتہ چلانے کی خاطر عام انتخابات کے انعقاد کا اعلان کردیا۔ دسمبر 1945ء میں مرکزی اسمبلی اور جنوری 1946ء میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کروانے کا فیصلہ ہوا۔ تمام جماعتوں نے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کردیا۔

کانگرس کا منشور

کانگرس کا منشور تھا کہ جنوبی ایشیا کو ایک وحدت کی صورت میں آزاد کرایا جائے گا۔ تقسیم کی کوئی سکیم قابل قبول نہ ہوگی۔ اکھنڈ بھارت قائم رہے گا۔ کانگرس کا دعویٰ تھا کہ وہ برصغیر میں رہنے والے تمام گروہوں اور فرقوں کی نمائندہ جماعت ہے اور مسلمان بھی کانگرس کے نقطہ نظر سے ہم آہنگ ہیں۔

مسلم لیگ کا منشور

مسلم لیگ نے انتخابی اکھاڑے میں قدم اس دعوے کے ساتھ رکھا کہ وہ برصغیر کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ مسلمان مسلم لیگ کے علاوہ کسی اور جماعت سے وابستگی نہیں رکھتے۔ مسلم لیگ چاہتی ہے کہ قرارداد پاکستان کے مطابق جنوبی ایشیا کو تقسیم کر دیا جائے اور مسلم اکثریتی علاقوں میں مسلمانوں کو مکمل اقتدار اعلیٰ حاصل ہو جائے۔ قائداعظمؒ کا دعویٰ تھا کہ عام انتخابات پاکستان کے بارے میں استصواب رائے ہوں گے۔ اگر مسلمان مسلم لیگ کا ساتھ دیں تو پاکستان بننے دیا جائے ورنہ اس مطالبہ کو از خود مسترد سمجھا جائے۔

انتخابی مہم

تمام جماعتوں نے زبردست مہم چلائی۔ کانگرس ہر صورت مسلم لیگ کے عزائم کو ناکام بنانا چاہتی تھی۔ اُس کے قائدین نے پورے ملک میں شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک دورے کیے۔ کانگرس نے یونینیسٹ پارٹی، مجلسِ احرار، جمیعت العلمائے ہند اور دیگر مسلم جماعتوں سے انتخابی اتحاد کیے اور مسلم لیگ کا راستہ روکنے کا ہر ممکن قدم اٹھایا۔ دوسری جانب انتخابات چونکہ مسلمانوں کے لیے موت و حیات کا معاملہ تھا اس لیے مسلم لیگ کے لیڈروں نے ملک گیر دورے کئے۔ قائداعظمؒ نے اپنی خرابی صحت کے باوجود طوفانی دورے کر کے مسلمانوں کو وقت کی ضرورت سے آگاہ کیا۔ مسلم لیگ تیزی سے مقبولیت حاصل کرنے لگی۔ بہت سے مسلمان راہنما اپنی جماعتوں سے قطع تعلق کر کے مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ قائداعظمؒ نے اپنے جلسوں میں کھلم کھلا کانگرس کو چیلنج کیا کہ انتخابات میں مسلم لیگ، پاکستان کے بارے میں اپنے مطالبے کو سچا ثابت کرے گی اور مسلمانان برصغیر پاکستان تخلیق کر کے دم لیں گے۔ مسلم عوام نے زبردست جذبات کا اظہار کیا۔ مسلم طلباء و طالبات میدان میں نکل آئے۔ شہر شہر اور قریہ قریہ لیگی کارکنوں کی ٹولیاں پہنچیں۔ فضا پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گونجنے لگی۔ ''بن کے رہے گا پاکستان'' ''لے کے رہیں گے پاکستان'' اور ''پاکستان کا مطلب کیا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' کے نعرے زبان زدِ عام تھے۔ ہر آنے والا دن مسلم لیگ کے موقف کو مضبوط سے مضبوط تر بناتا گیا۔

انتخابات کے نتائج

مرکزی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات دسمبر 1945ء میں کروائے گئے۔ یہ جداگانہ طریق انتخاب کی بنیاد پر منعقد ہوئے۔ پورے برصغیر میں مسلمانوں کے لیے 30 نشستیں مخصوص تھیں۔

مسلم لیگ نے ہر نشست پر اپنے نمائندے کھڑے کیے۔ کسی سیاسی جماعت سے انتخابی اتحاد نہ کیا اور اکیلے کئی جماعتوں کا مقابلہ کیا۔ نتائج منظر عام پر آئے تو مسلم لیگ فاتح نکلی۔ تمام 30 مخصوص مسلم نشستوں پر مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہونے والے امیدوار کامیاب ہوئے۔ یوں سو فیصد کامیابی مسلم لیگ کو ملی۔ یہ شاندار اور مثالی فتح تھی۔ یہ وہ جادو تھا جو سر چڑھ کر بولا۔ مسلم لیگ نے صوبائی سطح پر بھی شاندار فتح حاصل کی۔ کئی سیاسی جماعتوں نے کانگرس کی حمایت کی تھی لیکن مسلم لیگ نے ان سب کو شکست دی۔ اب پاکستان کو بننے سے دُنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی تھی۔ انتخابی نتائج نے پاکستان کی بنیاد مضبوط کر دی تھی۔

کابینہ مشن پلان 1946ء

عام انتخابات مکمل ہوئے۔ اُدھر برطانیہ میں لیبر پارٹی برسر اقتدار آ گئی۔ وزیر اعظم لارڈ ایٹلی نے برصغیر کے مستقبل کے بارے میں سیاسی جماعتوں سے رابطہ کرنے کی غرض سے ایک خصوصی مشن بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اس مشن میں تین درج ذیل وزراء شامل تھے۔

1- سر سٹیفورڈ کرپس　　2- اے۔ وی۔ الیگزینڈر　　3- سر پیتھک لارنس

مذاکرات

مشن کے ارکان نے برصغیر میں آ کر مختلف سیاسی راہنماؤں سے مذاکرات کیے۔ گورنروں اور صوبوں کے وزرائے اعلیٰ سے تبادلہ خیال کیا۔ گورنر جنرل کی آراء بھی حاصل کیں۔ مذاکرات میں دونوں بڑی جماعتوں کے موقف بالکل واضح تھے۔ مسلم لیگ نے تقسیم اور تخلیق پاکستان کو مسائل کا واحد حل قرار دیا جبکہ کانگرس نے واحد قوم کی بنیاد پر جنوبی ایشیا میں کسی بھی طرح کی تقسیم کی شدید مخالفت کی۔ اس نے دو قومی نظریہ کو مسترد کیا اور پاکستان کے تصور کو سختی سے جھٹلایا۔

مذاکرات میں تناؤ کی کیفیت بھی رہی کیونکہ مشن کو ہندوستان بھیجتے وقت وزیر اعظم برطانیہ نے پارلیمنٹ میں بیان دیا کہ کسی اقلیت کو ویٹو پاور استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ملکی ترقی کی راہ کو بند کرنے دیا جائے گا۔ کانگرس بیان سے بہت خوش ہوئی لیکن قائداعظمؒ نے بیان پر کڑی تنقید کی۔ انھوں نے وزیر اعظم کو جواب دیا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے کوشاں ہے اور دو قومی نظریہ کی بنیاد پر آئینی مسائل حل کرنا چاہتی ہے۔ قائداعظمؒ نے مشن سے بات چیت کے دوران کہا کہ برصغیر ایک ملک نہیں اور نہ یہ ایک قوم کا وطن ہے۔ مسلمان جداگانہ تشخص رکھنے والی قوم ہے جسے اپنے مستقبل کا تعین کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔

کابینہ مشن کی تجاویز

کابینہ مشن نے مذاکرات کے بعد درج ذیل تجاویز پیش کر دیں۔

1- انڈین یونین

برصغیر کو ایک یونین کی شکل دی جائے گی۔ یونین میں کئی صوبے اور متعدد ریاستیں شامل ہوں گی۔ وفاق بنایا جائے گا۔ مرکز کے پاس دفاع، امورِ خارجہ اور مواصلات کے محکمے ہوں گے۔ باقی امور صوبوں کے حوالے کر دیے جائیں گے۔ مرکز کو محصولات عائد کرنے کا اختیار ہوگا۔

2- صوبائی گروپ

صوبوں کو تین گروپوں میں بانٹا جائے گا۔ تفصیل درج ذیل ہوگی:

گروپ اے　:　بمبئی، مدراس، یو۔ پی، اڑیسہ، سی۔ پی، بہار

گروپ بی　:　پنجاب، سرحد، سندھ

گروپ سی　:　بنگال، آسام

یہ ایک نئی نوعیت کا وفاق ہوگا جس میں مرکزی تنظیم، صوبائی تنظیم اور گروپ تنظیم بنائی جائے گی۔ مرکز اور صوبوں کے اختیارات تو کابینہ مشن تجاویز میں واضح کر دیے گئے لیکن صوبوں کی تنظیم اور ہر صوبہ کی تنظیم کے درمیان اختیارات اور امور کی تقسیم کے بارے میں کہا گیا کہ ان

کا فیصلہ صوبہ کی تنظیم اور گروپ کی تنظیم خود کرے گی۔

صوبے اور ریاستیں مرکزی قانون ساز اسمبلی اور کابینہ میں نشستیں حاصل کریں گے۔ اس کا دارومدار اُن کی آبادی پر ہوگا۔ آبادی کے تناسب کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر صوبہ کو نمائندگی دی جائے گی۔

3- آئین ساز اسمبلی

صوبائی اسمبلیوں کے ارکان مرکزی آئین ساز اسمبلی کا چناؤ کریں گے۔ مرکزی آئین ساز اسمبلی پورے برصغیر کے لیے آئین تشکیل دے گی۔ مرکزی آئین بن جائے گا تو تینوں صوبائی گروپ اپنے اپنے آئین بنائیں گے۔

عبوری حکومت فوری طور پر قائم کی جائے گی۔ یہ حکومت آئین کی تشکیل تک عبوری طور پر نظام چلائے گی۔ عبوری حکومت میں بڑی سیاسی جماعتوں کے نمائندے شامل کیے جائیں گے۔ عبوری حکومت میں شامل تمام وزراء مقامی ہوں گے۔ کوئی انگریز کابینہ میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ کابینہ انتظامی امور میں بااختیار ہوگی۔

مرکزی آئین بننے اور عارضی حکومت کے قیام کے بعد اگر کوئی صوبہ ضروری سمجھے گا تو وہ اپنا گروپ تبدیل کر سکے گا۔ ہر صوبے کو اپنی پسند کے صوبائی گروپ میں شمولیت کا اختیار ہوگا۔

4- ہند یونین سے علیحدگی

صوبوں کے تینوں گروپوں میں سے کوئی ایک یا دو صوبے یونین سے علیحدہ ہو جانے کا فیصلہ کرنا چاہیں گے تو انھیں اس امر کی اجازت ہوگی لیکن علیحدگی کا یہ فیصلہ دس سال گزرنے کے بعد کیا جا سکے گا۔ اس نکتہ نے گروپ بی اور گروپ سی کے مسلم اکثریتی علاقوں کو حق دے دیا کہ وہ دس سال بعد پاکستان بنا سکیں گے اور از خود تقسیم کا عمل پورا ہو جائے گا۔

5- حقِ استرداد

اگر کوئی سیاسی جماعت کابینہ مشن تجاویز کو ناپسند کرتی ہے تو وہ انھیں مسترد کر سکے گی' البتہ عبوری حکومت میں شامل ہونے کا حق صرف اُس سیاسی جماعت کو دیا جائے گا جو تجاویز کو قبول کرے گی۔ یہ نکتہ کانگرس کو خوش کرنے کے لیے مشن نے اپنی تجاویز میں شامل کیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ مسلم لیگ کا مطالبہ ''پاکستان'' نہیں مانا جا رہا اس لیے وہ تجاویز کو رد کر دے گی۔ یوں کانگرس پلان کی منظوری دے کر بلا شرکتِ غیر مرکزی عبوری حکومت پر قابض ہو جائے گی۔

سیاسی جماعتوں کا ردِعمل

1- انڈین نیشنل کانگرس

کانگرسی حلقوں نے فوری ردِعمل کے طور پر کابینہ مشن پلان کو بہت پسند کیا۔ کانگرسی سیاست دانوں اور اخبارات نے بے پناہ مسرت کا اظہار کیا۔ کانگرس کے عام ارکان گلیوں بازاروں میں خوشیاں مناتے پھر رہے تھے۔ ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے اور کابینہ پلان کو مسلم لیگ کی شکست کا نام دے رہے تھے۔ نہرو نے کہا کہ:

''پلان نے جناح کے پاکستان کو دفن کر دیا ہے۔''

آبزرور نے لکھا:

''کانگرس کو پلان منظور کر لینا چاہیے کیونکہ یہ مسلمانوں کے خواب کو بکھیر چکا ہے۔''

2- مسلم لیگ

مسلم لیگ کے کارکن مایوس تھے۔ وہ کابینہ مشن پلان کو پاکستان مخالفوں کی فتح سمجھ رہے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ پلان میں پاکستان کا ذکر نہیں آیا اور مسلم لیگ کا مطالبہ مسترد کر دیا گیا ہے۔

قائداعظمؒ نے فرمایا:

''مجھے افسوس ہے کہ مشن کے پلان میں مسلمانوں کے مطالبے کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔
ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ برصغیر کے مسائل کا حل دو آزاد ریاستوں کے قیام میں مضمر ہے۔''

ڈیلی ٹیلی گراف نے لکھا:

''مسلمانوں سے زیادتی کی گئی ہے حالانکہ انتخابی نتائج نے صورتِ حال کو واضح کر دیا تھا۔''

3- گاندھی

کابینہ مشن پلان کے اعلان پر گاندھی نے اپنے اخباری بیان میں کہا کہ پلان کے تحت جو نظام قائم ہوا اُس میں ناپسندیدہ حصوں کو جب بھی مقننہ چاہے گی بدل سکے گی۔ مقصد یہ کہ مقننہ کی حاکمیت کے تصور کا بہانہ بنا کر ہندو اکثریت مقننہ میں اپنی پسند کے فیصلے کرا سکتی تھی۔ گاندھی کے بیان نے مسلمان قوم کی مایوسی میں اور اضافہ کر دیا۔

حتمی فیصلے

فوری طور پر کانگرس مطمئن اور لیگ مایوس نظر آئی۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ کانگرس پلان کی منظوری دے گی اور مسلم لیگ کا فیصلہ اس کے برعکس ہوگا لیکن کانگرس نے مناسب سمجھا کہ پہلے مسلم لیگ کے حتمی فیصلے کا انتظار کر لے۔ مسلم لیگ کونسل نے قائداعظمؒ کو اختیار دے دیا کہ وہ جو فیصلہ مناسب سمجھیں' کر دیں۔ قائداعظمؒ نے تمام حلقوں کی توقعات کے برعکس کابینہ مشن پلان کو منظور کر لیا۔ کانگرس پریشان ہو گئی۔ اب لیگی خوش اور کانگرسی مایوس دکھائی دینے لگے۔ قائداعظمؒ نے پلان کے ایک نکتے کی روشنی میں بیان دیا کہ پلان پر عمل درآمد ہو جاتا ہے تو دس سال کے بعد مسلم اکثریتی علاقوں کو علیحدہ آزاد مملکت بنانے کا موقع مل جائے گا۔ کانگرسی لیڈر بہت الجھ گئے۔ وہ قائداعظمؒ کے تدبر، دور اندیشی اور موقف منوانے کی صلاحیتوں سے آگاہ تھے۔ بڑے غور و فکر کے بعد کانگرس نے آدھا پلان ماننے کا اعلان کر دیا۔ وہ عبوری حکومت کی تشکیل اور آئین سازی پر تو راضی ہوگئی لیکن اُس نے صوبوں کی گروپ بندی کو مسترد کر دیا۔

مسلم لیگ اور قائداعظمؒ نے وائسرائے اور کابینہ مشن کے ارکان کو کہا کہ وہ پلان کو مکمل طور پر نافذ کر دے کیونکہ ایک بڑی جماعت یعنی مسلم لیگ نے اسے قبول کر لیا تھا۔ حکومت اپنے وعدے سے مکر گئی اور کانگرس کے بغیر عبوری حکومت کی تشکیل پر رضامند نہ ہوئی۔ صوبائی گروپوں کی تشکیل کا کام بھی روک دیا گیا۔ عملاً حکومت نے کانگرس سے خوف زدہ ہو کر اصولوں سے انحراف کیا۔ قائداعظمؒ کو وعدہ خلافی پر بہت دکھ ہوا اور انھوں نے راست اقدام کا اعلان کر دیا۔ مسلم لیگ نے 16 اگست 1946ء کو یومِ راست اقدام قرار دیا۔

کابینہ مشن پلان کا جو حصہ کانگرس نے منظور کر لیا تھا' رائج کیے جانے کا فیصلہ ہوا۔ وائسرائے نے آئین سازی شروع کرنے اور عبوری حکومت قائم کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا۔

عبوری حکومت 1946ء

مناسب تو یہ تھا کہ وائسرائے مسلم لیگ کو عبوری حکومت تشکیل دینے کی دعوت دیتا کیونکہ اس جماعت نے پورا پلان منظور کر لیا تھا۔ پلان میں درج تھا کہ ایک بھی بڑی جماعت آمادہ ہوگئی تو مکمل پلان نافذ کر دیا جائے گا لیکن ایسا نہ ہوا۔ وائسرائے نے انڈین نیشنل کانگرس اور آل انڈیا مسلم لیگ دونوں کو حکومت سازی کی دعوت دی۔ پنڈت نہرو کو وزیر اعظم کا عہدہ سونپا گیا۔ پلان کے مطابق کانگرس اور مسلم لیگ نے بالترتیب چھے اور پانچ وزراء نامزد کرنے تھے۔ کانگرس نے فوری طور پر کابینہ بنانا شروع کر دی۔ پنڈت نہرو نے مسلم لیگ کو پانچ ارکان نامزد کرنے کی دعوت دی۔ مسلم لیگ حکومت کی بدعہدی سے مایوس اور ناراض تھی۔ وائسرائے نے بھی مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں شامل ہونے کے لیے کہا لیکن مسلم لیگ نے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ بات آگے نہیں بڑھ رہی تھی۔ مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں سوچا گیا کہ 1937-39ء کی کانگرسی وزارتوں کے دور کا ''ری پلے'' نہیں ہونا چاہیے' ورنہ ہندو دوبارہ ظلم و زیادتیاں کریں گے۔ مزید یہ بھی نظر آ رہا تھا کہ انگریز ہندوستان چھوڑنے والے تھے۔ ایسے حالات میں اگر کانگرس کی حکومت کی اجارہ داری ہوتی تو مسلمانوں کے لیے بہت سے مسائل کھڑے ہو جاتے۔ حکومتی زیادتیوں کے باوجود طے پایا کہ وائسرائے کی دعوت قبول کر لی جائے اور عبوری حکومت میں مسلم لیگ پانچ وزراء کو بھیج دے۔ قائداعظمؒ نے وائسرائے کے ساتھ بات چیت کے بعد اُس سے تعاون پر آمادگی کا اظہار کیا۔ راست اقدام کا فیصلہ بھی واپس لے لیا گیا۔ مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں شریک ہو کر اپنا کردار ادا کرنے کا اعلان کر دیا۔ پانچ لیگی وزراء درج ذیل تھے۔

1- لیاقت علی خاں 2- عبدالرب نشتر 3- آئی۔آئی چندریگر 4- راجہ غضنفر علی خاں 5- جوگندر ناتھ منڈل

جوگندر ناتھ منڈل کا تعلق اچھوت برادری سے تھا۔ مسلم لیگ نے انھیں نامزد کر کے ثابت کیا کہ وہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ دیگر اقلیتوں کے حقوق کے محافظ ہونے کا کردار ادا کر رہی ہے۔ کانگرس نے ایک مسلمان ابوالکلام آزاد کو کابینہ میں شامل کر کے بظاہر یہ کہنا چاہا کہ وہ مسلمانوں کی بھی نمائندگی کرتی ہے۔

3 جون 1947ء کا منصوبہ

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا تقرر

لارڈ ویول بطور وائسرائے نہ تو ویول پلان کو کامیاب بنا سکا اور نہ ہی کابینہ مشن پلان کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ کانگرس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش میں آدھے کابینہ مشن پلان پر عمل درآمد کی کوشش کی یعنی صوبوں کے گروپ نہ بنانے اور عبوری حکومت و آئین سازی کے کاموں پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ قائداعظمؒ نے مصلحتاً عبوری حکومت میں تو مسلم لیگ کو شریک ہونے کی اجازت دے دی لیکن انھوں نے آئین ساز اسمبلی کے اجلاسوں کا بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا۔ قائداعظمؒ پورے پلان پر عمل درآمد چاہتے تھے۔ اس طرح آئین سازی کا عمل جاری نہ ہو سکا اور جو تعطل پیدا ہوا اُس سے مایوس ہو کر حکومت برطانیہ نے نئی راہ اختیار کرنے کا فیصلہ کر دیا۔

برطانوی وزیر اعظم نے 20 فروری 1947ء کو اعلان کیا کہ برصغیر سے برطانوی راج جون 1948ء تک ختم ہو جائے گا۔ اقتدار کی منتقلی کے آخری مرحلے پر عمل درآمد کے لیے برطانوی حکومت نے لارڈ ویول کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو وائسرائے بنا کر بھیجا۔

سیاسی قائدین سے مذاکرات

ماؤنٹ بیٹن نے آخری وائسرائے کی حیثیت سے اختیارات سنبھالتے ہی مختلف قائدین سے ملاقاتیں شروع کر دیں۔ قائداعظمؒ کا موقف، حقائق اور اصولوں پر مبنی تھا۔ وہ پاکستان سے کم کسی اور حل کو قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ 46-1945ء کے انتخابات نے اُن کے نقطۂ نظر کو بالکل صحیح ثابت کر دیا تھا۔ وائسرائے کو یقین ہو گیا کہ وہ کسی صورت تخلیق پاکستان کو نہ روک سکے گا اور متحدہ ہندوستان کا خواب بھی پورا نہیں ہوگا، اس لیے ماؤنٹ بیٹن نے کانگرسی لیڈروں کو تقسیم پر آمادہ کیا۔ اندرونِ خانہ انھیں باور کرایا کہ ایسا کمزور اور کٹا پھٹا پاکستان بنایا جائے گا جو زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکے گا۔ آنے والے دنوں میں اُس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا لیکن خدائے ذوالجلال کے کرم سے پاکستان بنا اور قائم بھی رہا۔ پاکستان کو ختم کرنے کے ناپاک کانگرسی عزائم ناکام ہوئے۔ ماؤنٹ بیٹن اور نہرو کی سازشیں نہ پاکستان کو بننے سے روک سکیں اور نہ اسے بعدازاں انڈین یونین میں ضم کرنے میں کامیاب ہوئیں۔

ماؤنٹ بیٹن نے برصغیر کو آزادی دینے کا منصوبہ تیار کیا۔ دونوں بڑی جماعتوں سے مثبت رویہ کی یقین دہانی لے کر منصوبے کو برطانوی حکومت سے منظور کروایا۔ 3 جون 1947ء کے منصوبے کی تفصیل درج ذیل ہے۔

3 جون 1947ء کے منصوبے کے اہم نکات

حکومت نے تقسیم برصغیر کا فیصلہ کر لیا۔ دو مملکتوں کے قیام کا اصولی موقف تسلیم کر کے حکومت نے تفاصیل طے کیں اور مختلف صوبوں اور ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں لائحہ عمل مرتب کیا۔

1- غیر مسلم اکثریتی صوبے

آسام۔ یوپی۔ سی پی۔ مدراس۔ بمبئی (ممبئی)۔ بہار اور اڑیسہ جیسے صوبے جہاں مسلمانوں کی تعداد غیر مسلموں کے مقابلے میں کم تھی ہندوستان میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

2- صوبہ پنجاب

صوبہ پنجاب کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ مسلم اکثریتی علاقوں کو پاکستان اور غیر مسلم اکثریتی علاقوں کو ہندوستان میں شامل ہونا تھا۔ مسلم اکثریتی علاقوں کا تعین کرنے کے لیے ایک کمیشن بنانے کا اعلان کیا گیا۔

3- صوبہ بنگال

صوبہ بنگال کے مستقبل کا فیصلہ بھی پنجاب کے انداز میں کیا گیا۔ مسلم اکثریتی علاقے مشرقی بنگال اور مسلم اقلیتی علاقے مغربی بنگال نامی صوبے میں شامل ہونا تھے۔ مشرقی بنگال کو پاکستان میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

4- صوبہ سندھ

صوبہ سندھ کے ممبران اسمبلی کو حق دیا گیا کہ وہ پاکستان یا ہندوستان میں سے جس ملک سے اپنے صوبہ کو وابستہ کرنا چاہیں کر لیں۔

5- بلوچستان

بلوچستان کو ابھی مکمل صوبائی درجہ نہیں ملا تھا۔ طے پایا کہ وہاں شاہی جرگہ بلایا جائے گا نیز کوئٹہ کی میونسپل کمیٹی کے ارکان کی رائے لی

جائے گی۔ ان کی مرضی کے مطابق بلوچستان کے مستقبل کا فیصلہ ہوگا۔

6- سلہٹ

آسام کا ضلع سلہٹ مسلم اکثریتی تھا اور وہاں کے عوام نے مسلم لیگ کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ جون 1947ء کے منصوبے میں طے پایا کہ ایک ریفرنڈم کے ذریعے عوام کو موقع دیا جائے گا کہ وہ ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ ملنے کا فیصلہ خود کرلیں۔

7- صوبہ سرحد (خیبر پختونخوا)

شمال مغربی سرحدی صوبہ کے عوام کو ایک ریفرنڈم کے ذریعے یہ فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا کہ وہ پاکستان یا ہندوستان میں سے کسی ایک کا حصہ بن جائیں۔

8- ریاستیں

انگریزوں کے دور میں لگ بھگ 600 ریاستیں (Princely States) تھیں۔ جہاں نواب اور راجے حکومت کرتے تھے۔ وہ داخلی طور پر بااختیار تھے لیکن انھیں خارجی اقتدارِ اعلیٰ حاصل نہیں تھا۔ ہر ریاست کو حق دیا گیا کہ وہ دونوں ممالک میں سے جس سے چاہیں الحاق کرلیں۔ ایسا کرتے وقت ہر ریاست اپنی جغرافیائی حیثیت اور مخصوص حالات کو پیشِ نظر رکھے گی۔

جون 1947ء کے منصوبے پر عمل

☆ غیر مسلم اکثریتی صوبے تو ہندوستان کا حصہ بننے ہی تھے۔ اُن کے بارے میں کوئی مسئلہ نہیں تھا اسی لیے تمام غیر مسلم اکثریتی صوبے ہندوستان کا حصہ بنا دیے گئے۔

☆ سلہٹ میں ریفرنڈم ہوا۔ عوام کی بہت بڑی اکثریت نے پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا تو ضلع سلہٹ کو مشرقی پاکستان سے ملحق کردیا گیا۔

☆ سندھ کی اسمبلی کے ارکان نے بہت بڑی اکثریت کے ساتھ پاکستان میں شرکت کے حق میں ووٹ دیے۔

☆ بلوچستان میں شاہی جرگے اور کوئٹہ میونسپلٹی کے ارکان نے پاکستان کے حق میں اپنے ووٹ دیے۔ اس طرح بلوچستان پاکستان کا حصہ بنا۔

☆ صوبہ خیبر پختونخوا میں عوام سے براہِ راست ریفرنڈم کے ذریعے رائے مانگی گئی۔ انھوں نے پاکستان کے حق میں رائے دی۔ اس طرح یہ صوبہ بھی پاکستان میں شامل ہوگیا۔

☆ پنجاب اور بنگال، دونوں صوبوں کو تقسیم کرنے کا فیصلہ ہونا تھا۔ اس مقصد کے لیے سر ریڈ کلف، ایک انگریز وکیل کو ثالث مقرر کیا گیا۔ اُس کی مدد کے لیے مسلم لیگ اور کانگرس نے دو دو افراد کو نامزد کیا۔ ثالثی حد بندی کمیشن نے پنجاب اور بنگال دونوں صوبوں کو تقسیم کردیا۔ سر ریڈ کلف نے بددیانتی سے کام لیتے ہوئے کانگرسی راہنماؤں کے اشاروں پر فیصلے دیے اور بعض مسلم اکثریتی علاقوں سے پاکستان کو محروم کردیا۔ چونکہ اسے ثالث تسلیم کیا جاچکا تھا اس لیے قائداعظمؒ نے ریڈ کلف ایوارڈ کو پوری طرح مان لیا۔

☆ ریاستوں میں سے بہت بڑی تعداد نے ازخود دونوں میں سے کسی ایک ملک سے الحاق کرلیا۔ ریاست جموں و کشمیر، ریاست حیدرآباد دکن، ریاست جوناگڑھ، منگرول اور ریاست مناوادر کا فیصلہ نہ ہوسکا۔ انڈیا نے بعدازاں فوج کشی کرکے ان ریاستوں پر قبضہ کرلیا۔ ریاست جموں و کشمیر کے علاوہ باقی ریاستوں میں مسلمان اقلیت میں تھے اس لیے پاکستان نے صرف مسلم اکثریتی ریاست

جموں وکشمیر کے حوالے سے عوامی حقوق کا سوال اٹھایا۔ پاکستان کا موقف رہا ہے کہ ہر ریاست کے عوام کے حق خودارادیت کا احترام ہونا چاہیے اوراُن کی مرضی سے ریاست کے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کیا جانا چاہیے۔

قانونِ آزادی ہند 1947ء

حکومت برطانیہ نے 18 جولائی 1947ء کو برصغیر کو دو ممالک میں تقسیم کرنے کے لیے قانون آزادی ہند منظور کیا۔ یہ قانون 3 جون 1947ء کے منصوبہ کو پیشِ نظر رکھ کر تیار کیا گیا۔ حکومت نے اعلان کیا تھا کہ جون 1948ء تک برصغیر کو آزادی دے دی جائے گی لیکن عجلت میں فیصلے کیے گئے۔ 3 جون 1947ء کا منصوبہ تیار ہوا اور فوری طور پر قانون تشکیل پایا جس کی رُو سے پاکستان اور ہندوستان دو ممالک دنیا کے نقشے پر ابھرے۔ 14 اگست 1947ء کو پاکستان اور 15 اگست 1947ء کو ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور قائداعظمؒ جیسے مخلص اور بے لوث راہنماؤں کی کوششوں سے علامہ محمد اقبالؒ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا اور پاکستان بے شمار مخالفتوں کے باوجود 14 اگست 1947ء کو دنیا کے نقشے پر ابھر آیا۔

سوالات

(1) نظریہ پاکستان کے اجزائے ترکیبی بیان کیجیے۔
(2) قائداعظمؒ کے ارشادات کی روشنی میں نظریہ پاکستان کی وضاحت کیجیے۔
(3) مطالبہ پاکستان کے پانچ محرکات بیان کیجئے۔
(4) آل انڈیا مسلم لیگ کیوں وجود میں آئی؟ اس کے قیام کے پانچ مقاصد بیان کیجیے۔
(5) تحریک خلافت کا آغاز کیوں ہوا؟ اس تحریک کے تین مقاصد بیان کیجیے۔
(6) قرارداد پاکستان کے تین بنیادی نکات بیان کیجئے۔ ہندوؤں کا اس قرارداد کی منظوری پر کیا ردِعمل تھا؟
(7) سرسیّد احمد خاں کی تعلیمی خدمات پر روشنی ڈالیے۔
(8) 46-1945ء کے انتخابات کا انعقاد کیوں کیا گیا؟ ان انتخابات کے نتائج سے مسلمانوں کو کس طرح فائدہ پہنچا؟

باب 2

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ابتدائی مشکلات

اللہ کے فضل و کرم سے اسلامی جمہوریہ پاکستان 14 اگست 1947ء کو وجود میں آ گیا لیکن کانگرس نے پاکستان کے قیام کو دل سے کبھی قبول نہ کیا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور سر ریڈ کلف نے کانگرسی راہنماؤں کو یہ کہہ کر راضی کر لیا کہ کمزور پاکستان بعد میں ہندوستان میں ضم کیا جا سکے گا۔ قائداعظمؒ کی عظیم قیادت میں پاکستانیوں نے مشکل حالات کے باوجود اپنی آزادی کے تحفظ کا بھرپور عزم کیا۔ انھوں نے حالات کا بہادری سے مقابلہ کیا اور رفتہ رفتہ مسائل پر قابو پا لیا۔ قوم نے مثالی جذبوں، محنت اور دیانت کا زبردست مظاہرہ کیا۔ ہندو اکثریت کے صوبوں سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمان خاندانوں پر جو گزری وہ ظلم کی اندوہناک داستان ہے۔ یہ صبر، استقامت اور قربانیوں کی لاثانی مثال بھی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ تمام تر مشکلات اور مخالفتوں کے باوجود پاکستان بنا اور قائم و دائم ہے۔ مملکت خداداد کے ابتدائی سالوں میں جن مسائل کا قوم کو سامنا کرنا پڑا وہ درج ذیل ہیں:

ابتدائی مشکلات

1- ریڈ کلف ایوارڈ کی ناانصافیاں

3 جون 1947ء کے منصوبہ کے تحت طے پایا تھا کہ پنجاب اور بنگال کے صوبوں کو مسلم اور غیر مسلم اکثریتی علاقوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ مسلم اکثریتی علاقے پاکستان اور باقی علاقے ہندوستان کا حصہ بنیں گے۔ علاقوں کی حد بندی کے لیے ایک کمیشن بنانے اور اُس کی ثالثی کو قبول کرنے پر اتفاق رائے ہوا۔ ایک برطانوی ماہر قانون سر ریڈ کلف کو یہ ذمہ داری سونپی گئی۔ سر ریڈ کلف نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے دباؤ میں آ کر غیر منصفانہ تقسیم کی۔ مسلم اکثریت کے بعض تسلیم شدہ علاقوں کو ایک سازش کے تحت ہندوستان میں شامل کر دیا گیا۔ آبادی کے مطابق طے پانے والے نقشے اور اُس پر کھینچی گئی لکیر کو بدل دیا گیا۔ اس امر کا اعتراف ریڈ کلف کے پرائیویٹ سیکرٹری نے کیا اور اب تو یہ ایک تاریخی حقیقت مانی جا چکی ہے کہ ناانصافی کرتے ہوئے بعض اہم علاقوں سے پاکستان کو محروم کر دیا گیا۔ ضلع گورداسپور کی تین تحصیلیں گورداسپور، پٹھانکوٹ اور بٹالہ کے علاوہ ضلع فیروزپور کی تحصیل زیرہ اور بعض دوسرے علاقے ہندوستان کو سونپ دیے گئے۔ گورداسپور کے علاقوں کو ہندوستان میں شامل کرنے سے ریاست جموں و کشمیر تک کا راستہ ہندوستان کو دے دیا گیا۔

سر ریڈ کلف کے ایوارڈ سے نہ صرف مسلمانوں کو اُن کے علاقوں اور حقوق سے محروم کیا گیا بلکہ دونوں قوموں کے درمیان مستقل مخالفت کا بیج بو دیا گیا۔ آج مسئلہ کشمیر موجود ہے اور دونوں ملک اب تک 1948ء، 1965ء اور 1971ء کی تین بڑی جنگیں لڑ چکے ہیں۔

2- انتظامی مشکلات

پاکستان کے علاقوں میں سرکاری ملازمتوں پر فائز غیر مسلم بڑی تعداد میں ہندوستان چلے گئے۔ دفاتر خالی ہو گئے۔ دفاتر میں فرنیچر، سٹیشنری، ٹائپ رائٹروں وغیرہ کی کمی تھی۔ اکثر دفاتر نے کھلے آسمان تلے کام کا آغاز کیا۔ ہندو ہندوستان جاتے ہوئے دفتری ریکارڈ تباہ کر گئے۔ اس کی وجہ سے دفاتر میں کام کرنے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں۔

3- مہاجرین کی آمد

قیامِ پاکستان کے بعد بھارت میں رہنے والے مسلمانوں نے اپنے نئے وطن میں آنے کا فیصلہ کیا۔ لاکھوں خاندان اپنا سب کچھ چھوڑ کر پاکستان کی طرف روانہ ہوئے۔ جو مسلمان بھارت میں رہنا چاہتے تھے انھیں ہندوؤں اور سکھوں نے قتل و غارت کا نشانہ بنایا۔ بچے کھچے خاندانوں کو مجبوراً پاکستان کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ دورانِ ہجرت لاکھوں افراد حملوں میں شہید ہوئے۔ یہ بے گھر، لٹے پٹے پریشان حال مسلمان پاکستان آئے تو انھیں عارضی کیمپوں میں رکھا گیا۔ اُن کی خوراک رہائش، ادویات اور دیگر ضروریات کی فراہمی کے لیے حکومتِ پاکستان نے تیزی سے منصوبہ بندی کی۔ مقامی عوام نے اپنے مسلمان بھائیوں کو خوش آمدید کہا۔ حکومت اور عوام کی مشترکہ کوششوں سے مہاجرین کی ضروریات پوری کی گئیں۔ تعداد اتنی زیادہ تھی کہ کیمپوں میں گنجائش نہ رہی۔ لوگوں کو جہاں سر چھپانے کو جگہ ملتی، ڈیرے ڈال دیتے۔ مہاجرین کی بحالی ایک بہت بڑا چیلنج تھا۔ دنیا میں ہجرت کی اتنی بڑی تعداد کا واقعہ کہیں رونما نہیں ہوا تھا۔ ہجرت کے دوران ایسے واقعات بھی ہوئے کہ مسلمانوں کی قتل و غارت میں بھارتی فوج ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ شامل تھی۔

4- اثاثوں کی تقسیم

برصغیر کی تقسیم کے بعد اثاثوں کی پاکستان اور بھارت میں متناسب تقسیم انصاف کا تقاضا تھا لیکن یہاں بھی بھارتی حکمرانوں نے ناانصافی سے کام لیا۔ وہ بہانے بہانے سے پاکستان کو اُس کا حصہ دینے سے گریز کرتے رہے۔ وہ پاکستان کی معیشت کو تباہ کرنے کے لیے ہر ممکن حربے استعمال کر رہے تھے۔ انھوں نے پاکستان کے حصے کے اثاثے روک لیے۔ متحدہ برصغیر کے ''ریزرو بنک'' میں تقسیم کے وقت چار بلین روپے جمع تھے۔ یہ رقم دونوں ممالک میں بانٹی جانی تھی۔ تناسب کے لحاظ سے پاکستان کا حصہ 750 ملین روپے تھا، یہ حصہ دینے پر بھارت آمادہ نہیں تھا۔ پاکستان کی طرف سے مسلسل مطالبے اور بین الاقوامی سطح پر اپنی ساکھ قائم رکھنے کی مجبوری کی وجہ سے بھارت نے ایک قسط میں 200 ملین روپے دیے۔ باقی رقم کو روک لیا گیا۔ بھارتی وزیر پٹیل نے پاکستان کو کہا کہ وہ کشمیر پر بھارت کا حق تسلیم کر لے تو ساری رقم ادا کر دی جائے گی۔ پاکستان نے سودے بازی نہ کی۔ اُدھر گاندھی کو بین الاقوامی برادری میں شرمندہ ہونے کا خوف تھا۔ اُس نے ساری رقم پاکستان کو ادا کرنے کو کہا۔ مجبوراً 500 ملین روپے کی ایک قسط پاکستان کے حوالے کی گئی۔ بقایا 50 ملین روپے ابھی تک بھارت کے ذمے واجب الادا ہیں۔ اس حوالے سے نومبر 1947ء میں دہلی میں دونوں ممالک کے نمائندوں کی میٹنگ بھی ہوئی جس میں معاہدہ ہوا اور دونوں ممالک نے معاہدے کی توثیق بھی کر دی لیکن معاہدے پر عمل درآمد ابھی تک نہیں ہو سکا۔

5- فوج کی تقسیم

یہ ضروری تھا کہ برصغیر کی تقسیم کے بعد فوجی اثاثوں کو دونوں نئے ممالک میں تناسب کے مطابق تقسیم کر دیا جاتا لیکن اس معاملے میں بھی انصاف سے کام نہ لیا گیا۔ بھارت پاکستان کو کمزور رکھنا چاہتا تھا تاکہ وہ بھارت کا حصہ بننے پر مجبور ہو جائے۔ تقسیم سے پہلے متحدہ ہندوستان کا کمانڈر چاہتا تھا کہ افواج کو بانٹا نہ جائے اور انھیں ایک ہی کمانڈ کے تحت رکھا جائے۔ مسلم لیگ نے اُس کے موقف کو تسلیم نہ کیا اور اصرار کیا کہ فوجی وسائل اور اثاثے دونوں ممالک میں بانٹ دیئے جائیں۔ حکومتِ برطانیہ کو یہ مطالبہ ماننا پڑا کہ بھارت اور پاکستان میں تمام

فوجی اثاثے 64 فیصد اور 36 فیصد کے تناسب سے تقسیم کر دیئے جائیں۔ متحدہ بھارت میں 16 آرڈیننس فیکٹریاں کام کر رہی تھیں اور اُن میں سے ایک بھی ایسی نہیں تھی جسے پاکستان کو ملنے والے علاقوں میں بنایا گیا ہو۔ بھارتی کابینہ آرڈیننس فیکٹری تو کیا اس کی مشینری کا کوئی پرزہ بھی پاکستان منتقل کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ کافی تکرار کے بعد طے پایا کہ آرڈیننس فیکٹریوں کے حوالے سے پاکستان کو 60 ملین روپے دیئے جائیں گے تاکہ وہ اپنی آرڈیننس فیکٹری قائم کر سکے۔ عام فوجی اثاثوں کی تقسیم کا جو فارمولا بھی بنایا گیا حکومت ہند نے اُسے مسترد کر دیا۔ تنگ آ کر انگریز کمانڈر انچیف نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ جس سے حالات مزید پیچیدہ ہو گئے۔ یوں پاکستان کو اپنا جائز حصہ لینے سے محروم کر دیا گیا۔ جہاں تک افواج کا تعلق تھا ہر فوجی کو اختیار دیا گیا کہ وہ دونوں میں سے جس ملک کی فوج کا حصہ بننا چاہے، بن جائے۔ ظاہر ہے کہ مسلمان فوجیوں نے پاکستان سے وابستگی کا اظہار کیا۔

6-دریائی پانی کا مسئلہ

تقسیم برصغیر نے دریاؤں کے قدرتی بہاؤ پر اثر ڈالا۔ بین الاقوامی قانون کے مطابق دریا کا قدرتی راستہ برقرار رکھا جاتا ہے اور جن دو یا زیادہ ممالک سے دریا گزرتا ہے وہ اس کے پانی سے مستفید ہوتے ہیں۔ کوئی ملک دریا کا رخ بدل کر کسی دوسرے ملک کو آبی وسیلہ سے محروم نہیں کر سکتا۔ برصغیر میں اس حوالے سے بھی بحران پیدا ہوا۔ پنجاب اور سندھ کو دریائے سندھ اور اُس کے معاون دریا جہلم، چناب، راوی، ستلج اور بیاس سیراب کرتے آ رہے ہیں۔ پنجاب دو حصوں میں منقسم ہوا تو دریاؤں کی بھی تقسیم عمل میں آ گئی۔ راوی، ستلج اور بیاس بھارت کی سرزمین سے گزر کر پاکستان میں داخل ہوتے ہیں۔ بھارت سے انصاف کی توقع نہیں تھی۔ اُس نے اپریل 1948ء میں مغربی پنجاب کو آنے والے پانی کا راستہ روک لیا۔ یہ قدم پنجاب اور سندھ کی معیشت کو تباہ کرنے کے مترادف تھا کیونکہ ان علاقوں میں فصلوں کی آبیاری کا یقینی ذریعہ دریا ہی ہیں۔ بارشیں بہت کم ہوتی ہیں۔ بھارت کی طرف سے پانی کی بندش سوکھے اور قحط کا باعث بن سکتی تھی۔
پاکستان کی زراعت کا دارومدار زیادہ تر دریائی پانی پر ہے۔ ایک بڑی زیادتی ریڈکلف کی سربراہی میں بننے والے حد بندی کمیشن نے کی۔ اُس نے سرحد کا تعین کرتے وقت اکثر ہیڈ ورکس مسلم اکثریتی علاقوں میں ہونے کے باوجود بھارت کے حوالے کر دیئے۔ یہ سازش پاکستانی زراعت اور معیشت کی تباہی کا سبب بن سکتی تھی۔ بھارت نے دریائے ستلج ڈیم بنانے کا فیصلہ کیا تو پاکستان نے سخت احتجاج کیا۔ اگر بند بنتا تو تباہی اور قحط کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس لیے عالمی برادری کو اپنے مسئلہ سے آگاہ کیا گیا۔
عالمی بینک نے صورتِ احوال کا جائزہ لے کر پاکستان کی مدد کا اعلان کیا۔ کثیر رقوم مختص کی گئیں اور کافی غور و فکر کے بعد عالمی بینک کی مدد سے دونوں ممالک میں ایک معاہدہ "سندھ طاس" طے پا گیا۔ تین دریاؤں (راوی، ستلج اور بیاس) پر بھارت کا حق مان لیا گیا اور دوسرے تین دریا (سندھ، جہلم اور چناب) پاکستان کو سونپ دیئے گئے۔ منگلا اور تربیلا دو بڑے ڈیم اور سات لنک کینال بنائے جانے کا منصوبہ بنا۔ سندھ طاس منصوبہ کی بدولت دریائی پانی کا مسئلہ کافی حد تک حل ہو گیا اور حکومتِ پاکستان کی فکر دور ہوئی۔

7-ریاستوں کا تنازعہ

برصغیر کی دیسی ریاستوں (Princely States) کے حکمران نواب یا راجے داخلی طور پر خود مختار تھے۔ ان پر کنٹرول برطانوی حکومت کو حاصل تھا۔ ریاستوں میں برصغیر کی کل آبادی کا ایک چوتھائی رہائش پذیر تھا اور ایک تہائی علاقے پر یہ مشتمل تھیں۔ آزادی کی منزل قریب

آئی تو ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں بھی سوچا جانے لگا۔ کابینہ مشن پلان کے حوالے سے ریاستوں کے حکمرانوں کو کہا گیا کہ وہ مستقبل میں اپنی حیثیت اور مفادات کے تحفظ کے لیے دستور سازی کے عمل میں شریک ہوں۔ حکمرانوں کو کابینہ مشن نے یہ بھی تلقین کی کہ وہ فیصلہ کرتے وقت اپنے عوام کی پسند اور مذہبی رشتوں کا دھیان رکھیں۔

حکومت برطانیہ نے 20 فروری 1947ء کو انڈیا اور انڈین ریاستوں پر اپنا کنٹرول اٹھا لینے کا اعلان کیا۔ اسی اعلان کے تحت ریاستوں نے ہندوستان یا پاکستان سے وابستہ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ صرف درج ذیل ریاستوں کی طرف سے کوئی قدم فوری طور پر نہ اٹھایا گیا۔ ان ریاستوں پر بھارتی افواج نے فوج کشی کر کے قبضہ کر لیا۔

(ا) ریاست حیدر آباد دکن

اس ریاست کا حکمران ''نظام حیدر آباد دکن'' مسلمان تھا جبکہ عوام کی اکثریت کا تعلق ہندو ازم سے تھا۔ نظام عوام میں ہر دلعزیز تھا۔ ریاست کی معاشی حالت بہت اچھی تھی۔ نظام مسلمان ہونے کے ناطے چاہتا تھا کہ پاکستان سے الحاق کرلے لیکن بھارتی حکومت نے سخت دباؤ ڈالا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بھارت کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے نظام کو مجبور کیا کہ وہ اپنی ریاست کی جغرافیائی حیثیت کو دیکھتے ہوئے بھارت سے الحاق کرے۔ نظام اس پر رضامند نہ ہوا۔ وہ آزاد اور خودمختار ریاست کے قیام کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ بھارت سے الحاق کی دستاویز پر دستخط کرنے کو آمادہ نہیں تھا۔ نظام نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کو ایک درخواست بھارتی رویہ کے حوالے سے بھیجی۔ ابھی معاملہ زیر غور ہی تھا کہ 11 ستمبر 1948ء کو بھارتی افواج نے دکن پر حملہ کر دیا۔ 17 ستمبر 1948ء کو نظام کی افواج نے ہتھیار ڈال دیے اور بھارت نے ریاست پر قبضہ کر لیا۔

(ب) جونا گڑھ

جونا گڑھ کا نواب مسلمان تھا لیکن آبادی کی اکثریت غیر مسلم تھی۔ یہ ریاست کراچی سے 480 کلومیٹر دور تھی۔ آبادی سات لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ نواب نے پاکستان سے الحاق کا اعلان کر دیا۔ بھارت کے گورنر جنرل ماؤنٹ بیٹن نے الحاق کو تسلیم نہ کرنے اور جونا گڑھ کو بھارت کا ایک حصہ ثابت کرنے کے حق میں دلائل دیے۔ پاکستان نے نواب جونا گڑھ کے الحاق کے اعلان کو قبول کرتے ہوئے ایک خط جاری کر دیا جس کی نقل گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو بھی بھیجی گئی۔ بھارت نے پاکستان کی توثیق کو اپنے اندرونی معاملات میں مداخلت سے تعبیر کیا۔ جونا گڑھ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا اور خوراک و دیگر ضروریات ریاست کے اندر جانے کی اجازت نہ دی گئی۔ بھارتی افواج نے جونا گڑھ میں داخل ہو کر اس کے دارالحکومت پر قبضہ کر لیا۔ نواب نے یہ صورت دیکھی تو ہجرت کر کے پاکستان آ گیا۔ نواب نے ایک درخواست اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کو بھیجی لیکن کوئی ردعمل نہ ہوا۔ پاکستان بھی اقوام متحدہ میں جونا گڑھ کے تنازعہ کو لے گیا لیکن یہ معاملہ ابھی تک اقوام متحدہ کے پاس بغیر کسی فیصلے کے پڑا ہے۔

(ج) مناوادر

جونا گڑھ کے قریب ایک اور ریاست مناوادر کے مسلمان حکمران نے بھی پاکستان سے الحاق کرنے کا اعلان کیا۔ جونا گڑھ کے ساتھ ساتھ بھارتی افواج نے مناوادر پر بھی حملہ کیا اور اسے زبردستی اپنے قبضے میں لے لیا۔ مناوادر اور جونا گڑھ کی ریاستوں پر فوج کشی کے

احکامات پر گورنر جنرل ماؤنٹ بیٹن نے دستخط کیے تھے۔

(د) ریاست جموں و کشمیر

ریاست جموں و کشمیر پاکستان کے شمال میں برصغیر کی ریاستوں میں علاقے کے اعتبار سے سب سے بڑی ریاست تھی۔ اس ریاست کی سرحدیں چین، تبت، افغانستان اور پاکستان سے ملتی ہیں۔ 1941ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست کی کل آبادی چالیس لاکھ کے قریب تھی۔ آبادی کا بہت بڑا حصہ مسلمانوں پر مشتمل تھا۔ برطانوی حکومت نے اس ریاست کو ایک ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ کے پاس صرف 75 لاکھ میں فروخت کر دیا تھا۔ ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ اور اُس کے جانشینوں نے اپنی مسلم رعایا پر ظلم و جبر کے پہاڑ توڑے۔ معمولی جرائم کی پاداش میں مسلمانوں کو کڑی سزائیں دی جاتیں۔ تنگ آ کر 1930ء میں کشمیری مسلمانوں نے ڈوگرہ راج کے خلاف آزادی کی تحریک شروع کر دی۔ برطانوی حکومت کی مدد کے ساتھ راجہ نے عوامی تحریک کو سختی سے کچل دیا۔

ریاست جموں و کشمیر جغرافیائی، ثقافتی اور مذہبی اعتبار سے پاکستان سے بہت قریب رہی۔ پاکستان کو سیراب کرنے والے اکثر دریا کشمیر سے نکلتے ہیں۔ 1947ء میں کشمیری عوام چاہتے تھے کہ راجہ پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کرے لیکن راجہ اس پر آمادہ نہ ہوا۔ عوام نے محسوس کیا کہ راجہ ان کے جذبوں کے مطابق الحاق نہیں کرنا چاہتا تو انھوں نے ایک بڑی تحریک شروع کر دی۔ راجہ نے سختی سے کام لیا اور لاکھوں افراد ترکِ وطن پر مجبور ہوئے۔ سوا دو لاکھ سے زیادہ مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ تحریک دبائی نہ جا سکی اور راجہ نے بھارتی حکومت سے مدد کی درخواست کی۔ بھارت نے اپنی افواج ریاست میں اتار دیں اور ساتھ ہی دباؤ ڈالا کہ راجہ بھارت سے ریاست کے الحاق کی دستاویز پر دستخط کر دے۔ راجہ ایسا کرنے سے گریز کرتا رہا۔ بھارتی حکومت نے ایک جعلی دستاویز تیار کی اور اعلان کر دیا کہ راجہ نے ریاست کو بھارت میں شامل کرنے کی درخواست کی ہے جسے بھارتی حکومت نے مان لیا ہے۔

کشمیری عوام راجہ کے خلاف تحریک چلا رہے تھے۔ اب انھوں نے باقاعدہ ہتھیار اٹھا لیے۔ سابقہ کشمیری فوجی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی قیادت کرنے لگے۔ رضاکاروں کے جتھے آزادی کے لیے بھارتی افواج اور راجہ کے دستوں کے خلاف جہاد میں شامل ہوئے تو دیکھتے ہی دیکھتے بہت سا علاقہ راجہ کے قبضے سے نکل گیا۔ حکومتِ پاکستان اور پاکستانی عوام کی پوری پوری اخلاقی اور مالی امداد تحریک آزادی کشمیر کو حاصل ہوئی تو آزادی کے لیے لڑنے والوں کا پلہ بھاری ہونے لگا۔ بھارت نے حالات کا رخ دیکھا تو اقوام متحدہ کا دروازہ جا کھٹکھٹایا۔

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے دو قراردادیں منظور کیں اور دونوں ممالک کو جنگ بند کرنے کی تلقین کی۔ حد بندی کیے جانے کا فیصلہ بھی کیا۔ اقوامِ متحدہ نے واضح طور پر کہہ دیا کہ کشمیری عوام کی رائے معلوم کی جائے گی۔ اُن کی مرضی کے مطابق کشمیر کا الحاق بھارت یا پاکستان سے ہو جائے گا۔ پاکستان اور کشمیری مجاہدین نے اپنی برتر فوجی پوزیشن کے باوجود قراردادوں کا احترام کرتے ہوئے جنگ بندی پر آمادگی ظاہر کر دی۔ استصواب رائے کرانے کا اعلان تو اقوام متحدہ نے کر دیا لیکن مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اب تک کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ 1965ء اور 1971ء میں دو جنگیں ہوئیں لیکن کشمیر کا مسئلہ حل نہیں ہو سکا۔ پچھلے پندرہ سالوں سے کشمیری مجاہدین ہتھیار اٹھائے آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں۔ مسئلہ کشمیر اقوامِ متحدہ کے ایجنڈے پر موجود ہے لیکن وہ کوئی موثر قدم اٹھانے سے قاصر ہے۔

قومی استحکام

قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے وجود کا تحفظ بہت بڑا چیلنج تھا۔ کمزور اور مسائل میں گھرا ہوا پاکستان بھارت کی وجہ سے سخت مصیبتوں کا شکار رہا۔ عوام بے خانماں تھے' لاکھوں افراد کیمپوں میں پناہ گزیں تھے۔ انھیں خوراک' لباس اور رہائش کے مسائل درپیش تھے' نیز علاج معالجے کی سہولتیں بھی نہ تھیں۔ مہاجرین ہی نہیں' مقامی آبادی بھی معاشی و معاشرتی اعتبار سے مشکل حالات کا سامنا کر رہی تھی۔ ملک کے حالات خود پاکستان کے وجود کے لیے خطرناک نظر آ رہے تھے۔ ان حالات میں قائداعظم محمد علی جناحؒ کی فہم و فراست' حوصلے' محنت اور بہترین قیادت نے کام کر دکھایا۔ قوم نے نامساعد حالات کا سامنا بڑے اعتماد سے کیا۔ پاکستان کو مضبوط بنانے اور اسے درپیش ابتدائی مشکلات کو دور کرنے میں عوام کا کردار بہت ہی مثبت رہا۔ اپنے عظیم قائد کی سربراہی میں پاکستانی عوام نے جرأت' استقامت اور سخت محنت سے کام لیتے ہوئے اپنے ملک کو اچھی بنیاد مہیا کی۔ وہ بڑے جذباتی انداز میں اور قومی سوچ کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ عوام نے اتنی قربانیاں دیں کہ اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ ان سب کوششوں کی وجہ سے پاکستان کو استحکام حاصل ہوا۔

پاکستان کے متعلق قائداعظمؒ کی سیاسی بصیرت

قائداعظمؒ نے اپنی سیاسی بصیرت اور دور اندیشی و معاملہ فہمی سے قوم کو اپنے قدموں پر کھڑا کر دیا اور مختلف اقدامات اٹھا کر خطرات کو دور کرتے ہوئے پاکستان کو سالمیت اور استحکام دینے میں شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔ قوم کو مایوسیوں سے نکال کر قائداعظمؒ نے پُر اعتماد فضا فراہم کی۔ عظیم قائد کو آزادی کے حصول کے بعد ایک سال اور ایک ماہ کام کرنے کا موقع اللہ پاک نے دیا اور اس مختصر عرصے میں انھوں نے قوم کو ترقی اور خوشحالی کی راہ پر ڈال دیا۔

1- مہاجرین کی آبادکاری

قائداعظمؒ نے جس مسئلے کی طرف فوری توجہ مبذول کرائی وہ مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ تھا۔ انھوں نے اپنا ہیڈ کوارٹر کراچی سے لاہور منتقل کر دیا تاکہ وہ اپنے سامنے مہاجرین کو آباد کرنے کے لیے بنائے گئے منصوبوں پر عمل کرا سکیں۔ حکومت نے مہاجرین کی مدد کے لیے اہلِ ثروت کو دعوت دی۔ قائداعظمؒ ریلیف فنڈ برائے مہاجرین قائم کیا گیا۔ عوام نے بڑے کھلے دل سے ریلیف فنڈ میں رقوم جمع کرائیں۔ سماجی تنظیموں کے کارکنوں نے کیمپوں میں آئے مہاجرین کے مسائل حل کرنے کی کوشش کی۔ خوراک' کپڑا' دوائیں' خیمے' کمبل اور دیگر اشیا بہم پہنچائی گئیں۔

قائداعظمؒ نے عوام کے حوصلوں کو ابھارا۔ انھیں قوتِ ارادی اور ہمت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے کی تلقین کی۔ انھوں نے قوم کو پُر اعتماد رکھنے کے لیے مختلف جلسوں میں تقاریر کیں۔ ایک بار فرمایا:

> ''تاریخ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ نوجوان قوموں نے اپنے کردار کی پختگی اور پکے ارادے کی بدولت اپنے آپ کو مضبوط بنایا۔ ہماری تاریخ بہادری اور عظمت کی داستانوں سے بھری ہوئی ہے۔ ہمیں اپنے آپ میں مجاہدوں کی سی روح پیدا کرنی ہے۔''

بھارت نے لاکھوں افراد کو پاکستان میں دھکیل کر سمجھا تھا کہ معاشی دباؤ اور بحران پاکستان کو لے ڈوبے گا لیکن پاکستانی قوم نے اپنے

قائدؒ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ یکجہتی اور اتحاد کے ساتھ آنے والے طوفان کا سامنا کیا۔ دل گرفتہ مہاجرین کو رفتہ رفتہ گھروں میں بسایا گیا۔ پاکستان سے بھارت چلے جانے والے ہندوؤں اور سکھوں کی متروکہ املاک مہاجرین کو الاٹ کی گئیں۔ ان کے لیے روزگار کے ذرائع پیدا کیے گئے۔ پاکستان کی انتظامی مشینری نے روایتی دفتر شاہی سے دور رہتے ہوئے عوام کے تعاون کے ساتھ مہاجرین کو آباد کیا۔ قائداعظمؒ نے لاہور میں ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''ہم پاکستانی عوام پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اُن مہاجرین کو بسانے کے لیے ہر ممکن امداد مہیا کریں جو پاکستان آ رہے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ مسائل اس لیے درپیش ہیں کہ وہ مسلم قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔''

2- قومی خدمت کے لیے سرکاری ملازمین کو نصیحت

قائداعظمؒ نے 11 اکتوبر 1947ء کو سرکاری ملازمین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''ہمارے لیے یہ ایک چیلنج ہے۔ اگر ہمیں ایک قوم کی حیثیت میں زندہ رہنا ہے تو ہمیں مضبوط ہاتھوں سے ان مشکلات کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ ہمارے عوام غیر منظم اور پریشان ہیں۔ مشکلات نے انھیں الجھایا ہوا ہے۔ ہمیں انھیں مایوسی کے چکر سے باہر نکالنا ہے اور اُن کی حوصلہ افزائی کرنی ہے۔ اس وقت انتظامیہ پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور عوام اُس کی جانب راہنمائی کے لیے دیکھ رہے ہیں۔''

بڑے نامساعد حالات تھے لیکن سرکاری افسروں اور دیگر ملازمین نے قومی جذبے اور اجتماعی سوچ کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرتے ہوئے قوم کی خدمت کی۔ انھوں نے اپنے قائد کے فرمان کے مطابق عمل کیا اور قوم کو مسائل کے گرداب سے نکالا۔

قائداعظمؒ نے سرکاری افسروں کو بار بار تلقین کی کہ وہ اب آزاد قوم کے لیے کام کر رہے ہیں انھیں اپنے روزمرہ رویوں میں مثبت تبدیلی لانا چاہیے اور نئے تقاضوں سے ہم آہنگ رہتے ہوئے قوم کی خدمت کرنی چاہیے۔ قائداعظمؒ نے سرکاری ملازمین کو اُن کے نئے کردار سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ اب حاکم نہیں بلکہ قوم کے خدمت گار ہیں۔

25 مارچ 1948ء کو سرکاری ملازمین سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے یہ الفاظ ادا کیے۔

''آپ اپنے جملہ فرائض قوم کے خادم بن کر ادا کیجیے۔ آپ کا تعلق کسی سیاسی جماعت سے نہیں ہونا چاہیے۔ اقتدار کسی بھی جماعت کو مل سکتا ہے۔ آپ ثابت قدمی، ایمان اور عدل کے ساتھ اپنے فرائض بجا لائیے۔ اگر آپ میری نصیحت پر عمل کریں گے تو عوام کی نظروں میں آپ کے رتبے اور حیثیت میں اضافہ ہوگا۔''

3- صوبائیت اور نسل پرستی سے گریز

قائداعظمؒ جانتے تھے کہ اگر پاکستانی عوام آنے والے سالوں میں صوبائیت پرستی، نسل پرستی، ذات پات اور دیگر تعصبات میں الجھ گئے تو قومی یکجہتی کو بہت نقصان پہنچے گا۔ انھوں نے پاکستانیوں میں قومی یکجہتی کے فروغ اور باہم اتحاد کے قیام پر زور دیا۔ ان کی نصیحت تھی کہ عوام کو علاقائی، نسلی اور لسانی بنیادوں پر سوچنے کی بجائے قومی سوچ اپنانی چاہیے۔ قائداعظمؒ نے ریاستوں اور قبائلی علاقوں کی اہمیت کے پیش نظر

ایک وزیر برائے سٹیٹس وقبائلی امور بنایا۔ مختلف ریاستوں کے حکمرانوں سے رابطے کیے اورانھیں قومی دھارے میں پوری طرح شامل ہونے اور پاکستانی رویہ اپنانے کا مشورہ دیا۔

پاکستان دشمنوں نے ملک خداداد کے قیام سے پہلے اور بعد میں بھی عوام میں گمراہ کن خبریں پھیلائیں۔ انھیں باور کرانے کی کوشش کی کہ پاکستان کمزور ہونے کے سبب زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ سکے گا۔ عوام میں علاقائی' صوبائی اور لسانی تعصبات کو ہوا دی گئی۔ مایوسی اور لاتعلقی کی فضا بنانے کی گمراہ کن کوششیں بالآخر ناکام ہوگئیں۔ قائداعظمؒ کی سربراہی میں پاکستانی عوام نے قومی جذبوں کو ابھارے رکھا اور دیگر تعصبات کو کوئی اہمیت نہ دی کیونکہ عوام کو پاکستان دشمن عناصر کے عزائم سے قائداعظمؒ نے بروقت باخبر کر دیا تھا۔ انھوں نے پاکستانی عوام کو واضح کر دیا کہ اُن کی قوت اتحاد میں ہے۔ وہ جب تک متحد اور یکجا رہیں گے' کوئی قوت انھیں نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ اتحادُ تنظیمُ یقین محکم کا نعرہ اسی حوالے سے قائداعظمؒ نے اپنی قوم کو دیا تھا۔

4- معیشت کے لیے راہنما اصول

لاکھوں افراد کا نقل مکانی کرنا' قتل وغارت' لوٹ مار' کشمیر میں جنگِ آزادی' انتظامی مشینری کے مسائل' 1948ء کے سیلاب اور بھارت کی طرف سے پاکستان کو اثاثوں میں سے جائز حصہ نہ ملنا' بے روزگاری اور غربت، یہ سارے عناصر قوم اور اُس کے قائد کے لیے بہت بڑا چیلنج تھے۔ بھارت جان بوجھ کر پاکستان کی معیشت کو تباہ وبرباد کرنے کے درپے تھا۔ افراتفری اور معاشرتی توڑ پھوڑ پاکستان کے معاشی حالات کو بہتر بنانے کی راہ میں رکاوٹ تھی۔ ایسے حالات میں قائداعظمؒ ملک کی معیشت کو سنبھالا دینے' اسے اپنے قدموں پر کھڑا کرنے اور عوام کی مشکلات کو دور کرنے کے لیے پورے عزم کے ساتھ آگے بڑھے۔

i۔ ریزرو بنک آف انڈیا دونوں ممالک کی بینکنگ کی ضروریات کا ذمہ دار تھا۔ بنک میں ہندوؤں کی اجارہ داری تھی اور ان سے پاکستان کی ترقی کے کردار کی توقع کرنا عبث تھا۔ قائداعظمؒ نے سٹیٹ بنک آف پاکستان کی بنیاد رکھی۔ یہ بنک یکم جولائی 1948ء کو وجود میں آیا۔ قائداعظمؒ نے اس کی افتتاحی تقریب میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

> ''سٹیٹ بنک آف پاکستان معاشی شعبے میں ہمارے عوام کی حاکیت کا نشان ہے۔ مغربی طرزِ معیشت ہمیں فائدہ نہیں دیتا۔ ہمیں انصاف اور مساوات پر مبنی اپنا جداگانہ معاشی نظام لانا ہوگا۔ مغربی معاشی نظام نے تو انسانیت کے لیے کئی دشواریاں پیدا کر دی ہیں۔ اگر ہم ایسا کر پاتے ہیں تو ہم مسلم قوم کی حیثیت میں پورے عالم کو ایسا معاشی نظام دے سکیں گے جو انسانوں کے لیے امن کا پیغام بنے گا۔ امن ہی انسانوں کی بقا اور اچھی معیشت کو قائم کر سکتا ہے۔''

ii۔ مہاجرین کی امداد کے لیے آپ نے عوام کو دل کھول کر چندہ دینے کی تلقین کی اور ایک ریلیف فنڈ ''قائداعظمؒ ریلیف فنڈ برائے مہاجرین'' قائم کیا۔ اس رقم سے انھوں نے مہاجرین کی آبادکاری اور انھیں روزگار مہیا کرنے کا اہتمام کیا۔ یوں ملکی معیشت کو کافی حد تک سہارا ملا۔

5- انتظامیہ میں اصلاحات

پاکستان بننے کے بعد انتظامی مشینری نہ ہونے کے برابر تھی۔ بڑی تعداد میں دفتری عملہ پاکستان سے ہندوستان چلا گیا۔ دفاتر میں کام

کرنے کا تجربہ رکھنے والے مسلمانوں کی تعداد کافی کم تھی۔ وسائل ناپید تھے۔ بھارت نے جان بوجھ کر تاخیری حربے استعمال کیے جو تھوڑے بہت مسلمان بھارت میں انتظامی سوجھ بوجھ رکھتے تھے اور پاکستان آنا چاہتے تھے اُن کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کی گئیں۔

قائداعظمؒ نے انتظامی مشینری کی ضرورت کو سمجھتے ہوئے فوری اقدام کیے۔ کراچی کو دارالحکومت بنایا گیا۔ جو تھوڑی بہت تعداد سرکاری ملازمین کی دفتروں میں پہنچی' قائداعظمؒ نے انھیں قومی جذبے سے کام کرنے کو کہا۔ نئی نئی آزادی ملی تھی، ہر دل میں امنگ تھی' مقصد اور خواہش تھی کہ پاکستان جلد از جلد اپنے قدموں پر کھڑا ہو جائے۔ دفتری ساز و سامان' سٹیشنری وغیرہ ناپید تھی لیکن کام کیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک مربوط نظام ترتیب پا گیا۔ بھارت سے سرکاری ملازمین لانے کے لیے خصوصی بندوبست کیے گئے۔

چودھری محمد علی جو بعد میں پاکستان کے وزیراعظم بنے ایک بیوروکریٹ تھے۔ انھوں نے سول سروس کو نئے سرے سے آراستہ و منظم کیا۔ سول سروس رولز بنے۔ نیوی' ایئر فورس اور بری فوج کے ہیڈ کوارٹرز بنائے گئے۔ فارن سروس' اکاؤنٹ سروس اور دوسری سروسز کا آغاز کیا گیا۔ انتظامی مشینری ترتیب پا گئی تو مختلف منصوبوں پر تیزی سے کام شروع ہو گیا اور ملک میں حالات کافی حد تک معمول پر آ گئے۔ مشینری کو ترتیب دینے میں قائداعظمؒ کا مرکزی رول تھا۔

6- خارجہ پالیسی کے راہنما اصول

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کی تشکیل کرتے ہوئے واضح کہا کہ پاکستان اصولوں اور قومی مفادات کا دھیان رکھتے ہوئے دوسرے ممالک سے اپنے تعلقات کا تعین کرے گا۔ تمام قوموں سے برادرانہ تعلقات قائم کیے جائیں گے۔ خارجہ پالیسی کے خدوخال کے حوالے سے قائداعظم نے قیام پاکستان کے فوراً بعد درج ذیل اقدامات اٹھائے۔

i- سفارت خانوں کا قیام

دنیا کے اکثر ممالک میں پاکستان کے سفارتی خانے اور سفارتی مشن قائم کیے اور تمام ممالک سے تعلقات استوار کرنے کی ابتدا کر دی گئی۔ قائداعظمؒ نے مختصر مدت میں بڑی تیزی سے پاکستان کو خارجی دنیا سے متعارف کرایا۔ سفارت کاروں کو خصوصی ہدایات جاری کی گئیں کہ وہ بھرپور انداز میں اپنے فرائض ادا کریں اور اپنی ذمہ داریاں صحیح معنوں میں مشن سمجھ کر ادا کریں۔ آپ نے انہیں ہدایت کی کہ سیاسی' سفارتی' فوجی' تجارتی اور معاشی شعبوں میں قومی مقاصد کے حصول کے لیے کوشاں ہوں۔

ii- اقوام متحدہ کی رکنیت

پاکستان 30 ستمبر 1947ء کو اقوام متحدہ کا رکن بنا اور عہد کیا گیا کہ پاکستان دنیا میں امن و آشتی کے لیے اپنا مثبت کردار نبھاتا رہے گا۔ پاکستان نے طے کیا کہ وہ عالمی برادری میں اپنا کردار بھرپور طور پر نبھائے گا اور اقوام متحدہ کے فیصلوں پر پوری طرح عمل درآمد کرتا رہے گا۔ اسلامی ممالک نے پاکستان کی تشکیل کا بڑے جوش و خروش سے خیر مقدم کیا اور توقع ظاہر کی پاکستان اسلامی دنیا کی ترقی' خوشحالی اور بہبود کے لیے اپنے فرائض نبھائے گا۔

iii- مسلم ریاستوں سے خصوصی تعلقات

یوں تو پاکستان کی خارجہ پالیسی کا بنیادی اصول قرار پایا کہ تمام ممالک سے پاکستان اچھے تعلقات کے قیام کے لیے کوشاں رہے گا' تاہم مسلم ممالک سے بڑے ہی خصوصی تعلقات قائم کیے جائیں گے۔ پاکستان قائم ہوا تو یہ دنیا میں آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا اسلامی

ملک تھا اور اس کا قیام مسلم ممالک کے لیے حوصلے اور تقویت کا باعث بھی بنا۔ پاکستان نے اسلامی دنیا سے اپنی وابستگی کا کھل کر اظہار کیا۔

iv- بھارت سے تعلقات

پاکستان کا قیام ہندوؤں کی منفی کوششوں کے باوجود ممکن ہو گیا تو بھارت نے پاکستان کو زیر کرنے اور اسے ابتدا میں ہی کمزور اور ناکام بنانے کے لیے اقدامات اٹھانے شروع کر دیے۔ پانی کا مسئلہ، مہاجرین کی آمد، سرحدوں کا تعین اور ایسے ہی کئی اور مسائل نے جنم لیا۔ پاکستان کے حصے کے اثاثے دینے سے بھارت مسلسل گریزاں رہا۔ جوناگڑھ، مناوادر، حیدرآباد دکن اور جموں وکشمیر کی ریاستوں پر بھارت نے فوج کشی کر کے غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ پاکستان کو اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے بہت تگ و دو کرنا پڑی۔ بھارت پاکستان کے وجود کا ہی سرے سے مخالف تھا۔ ایسے میں پاکستان کی خارجہ پالیسی کا بنیادی نقطہ بھارتی عزائم کو ناکام بنانا تھا۔ کشمیری عوام نے اپنی آزادی کے لیے جدوجہد شروع کی تو پاکستان نے اخلاقی، سیاسی، سفارتی اور فوجی حمایت جاری رکھی۔ حتیٰ کہ کشمیری مجاہدین اپنا بہت سا علاقہ آزاد کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ علاقہ اب آزاد کشمیر کہلاتا ہے۔ بھارت کو جب کشمیر جاتا دکھائی دیا تو وہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں اپنا مقدمہ لے گیا۔ پاکستان نے اقوام متحدہ اور دولت مشترکہ میں کشمیریوں کے حق خودارادیت کا مقدمہ بڑی اچھی طرح لڑا۔ بھارت نے وعدہ کیا کہ وہ کشمیر میں رائے شماری کے ذریعے ہونے والے عوامی فیصلے کو تسلیم کرے گا لیکن جونہی ریاست پر اُس کی گرفت مضبوط ہوئی وہ اپنے وعدوں سے منکر گیا۔ وہ اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل کرنے سے مسلسل گریزاں رہا۔

بھارت نے پاکستان کو نقصان پہنچانے کی بہت کوشش کی لیکن پاکستان کی خارجہ پالیسی نے اُس کے تمام عزائم ناکام بنا دیئے۔ خارجہ امور میں پاکستان کی ابتدائی کامیابیاں اور بھارت کی جانب سے جارحانہ اقدامات کا ناکام ہونا بنیادی طور پر قائداعظمؒ کی عمدہ قیادت کی بدولت ہی تھا۔

6- طلبا کو نصیحت

قائداعظمؒ نئی نسل کی افادیت سے آگاہ تھے۔ وہ انھیں پاکستان کے مستقبل کا معمار قرار دیتے رہے۔ نوجوان مسلم طلباء نے اپنے قائد کی آواز پر لبیک کہا اور گاؤں گاؤں، شہر شہر اور قریہ قریہ پھیل گئے۔ جب پاکستان بن گیا تو طلباء کو نصیحت کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے فرمایا کہ اب طلباء تعلیم پر اپنی ساری توجہ مرکوز کر دیں۔ 27 نومبر 1947ء کو آل پاکستان ایجوکیشن کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر ہم فوری اور نتیجہ خیز ترقی چاہتے ہیں، تو ہمیں تعلیمی شعبے پر پوری توجہ مرکوز کرنا ہوگی۔''

قائداعظمؒ نے طلباء پر اپنے گہرے اعتماد کا اظہار کیا اور ہمیشہ انھیں قوم کا قیمتی ترین سرمایہ کہتے رہے۔ ایک دفعہ طلباء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''پاکستان کو اپنے طلباء پر فخر ہے، جو ہمیشہ اگلی صفوں میں رہے اور قوم کی توقعات پر پورے اترے۔ طلباء ہمارا مستقبل ہیں۔ وہ مستقبل کے معمار بھی ہیں۔ اُن سے قوم نظم وضبط چاہتی ہے تاکہ وہ وقت کے چیلنجوں کا مقابلہ کر سکیں۔''

انھوں نے اپنی تقریروں میں ہمیشہ طلباء میں حوصلہ پیدا کرنے والے الفاظ ادا کیے، کیونکہ آنے والے اوقات میں طلباء نے بہت اہم کردار ادا کرنا تھا اور نئی قوم کو مضبوط اور مستحکم بنانا تھا۔ قائداعظمؒ نے طلباء کو سیاست سے دور رہنے کا درس دیا اور کہا کہ وہ اپنی تمام تر قوت اور صلاحیت تعلیمی شعبے میں اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کے لیے استعمال کریں۔ مسلم طلباء نے آزادی کی جدوجہد اور اُس کی کامیابی کے بعد بھی قائداعظمؒ کی نصیحتوں پر عمل کیا۔

مسائل کے حل کے لیے مناسب لائحہ عمل

حکومت کو ایک آزاد اور خود مختار ریاست میں داخلی اور خارجی کئی اقسام کے مسائل اور تنازعات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے تمام امور پُرامن اور عمدہ طریقے سے طے پا جائیں۔ وہ دن گزر گئے کہ تنازعات کو جنگوں اور قوت کے استعمال کے ذریعے طے کیا جاتا تھا۔ موجودہ دور جمہوریت کا دور ہے۔ تنازعات کو اب مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کے منصفانہ طور طریقے اپنائے جاتے ہیں۔ ایک جمہوری ریاست میں معاملات کو سلجھانے کے لیے درج ذیل عناصر سے کام لیا جاتا ہے۔

(i) قائدانہ صلاحیت

ایک اعلیٰ اور مثالی راہنما کی تصویر ہمیں قائداعظم محمد علی جناحؒ میں مکمل طور پر ملتی ہے۔ وہ سچے، ایماندار اور اعلیٰ پائے کے لیڈر تھے۔ انھوں نے اپنی قوم کو روشنی دکھائی، منزل کی نشان دہی کی اور اُسے مطلوبہ مقام لے کر دیا۔ اُن کے بے داغ کردار، بے غرضانہ رویہ اور پُرعزم قیادت نے قوم کو اعلیٰ، آزاد اور باوقار مقام دلایا۔ قائداعظمؒ نے اپنے مخالفوں کا ہر چیلنج قبول کیا اور قوم کی کشتی کو محفوظ اور باعزت مقام پر پہنچا کر دم لیا۔ مسلمان عوام آل انڈیا مسلم لیگ کے سبز جھنڈے تلے جمع ہوئے۔ انھوں نے قائداعظمؒ کو اپنا راہنما تسلیم کیا۔ قائداعظمؒ نے ہندو اور برطانوی سماج کی مشترکہ قوتوں کو شکست دی۔ یہ اللہ ذوالجلال کا احسان ہے کہ اُس نے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے سرسید احمد خاں اور قائداعظم محمد علی جناحؒ جیسے قائدین فراہم کیے۔ اُن کی قائدانہ صلاحیتوں نے مسلمانانِ برصغیر کی آزادی کی راہیں کھول دیں۔ دونوں اپنے اپنے وقتوں کے عظیم مسلم راہنما تھے اور انھوں نے مسلم عوام کو مایوسی اور ناکامی کے غاروں سے نکال کر حوصلہ دیا اور انھیں خود مختار قوم کی شکل میں ڈھال دیا۔

(ii) مذاکرات، بحث و مباحثہ اور تنقید

قائداعظمؒ گفتگو، بحث و مباحثہ اور مذاکرات میں یقین رکھتے تھے۔ انھوں نے ہمیشہ مسائل کو سلجھانے کے لیے فریقین سے بات چیت کی۔ مسلم لیگ کی نمائندگی کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے ہندوؤں اور انگریزوں سے الگ الگ اور مشترکہ طور پر بھی بات چیت میں حصہ لیا۔ متعدد کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ امور کو میرٹ پر پرکھا گیا اور دلائل کی روشنی میں فریقین ایک نتیجہ پر پہنچے۔ گفتگو میں عموماً میرٹ اور برتر دلائل کی بنیاد پر ہی کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ قیامِ پاکستان مسلسل مذاکرات، بحث و مباحثہ اور دلائل کا نتیجہ ہے۔

(iii) اتحاد، یقین اور نظم و ضبط

اگر کوئی قوم دیگر اقوام کی برادری میں باوقار انداز میں رہنا چاہتی ہے، تو اسے اتحاد، یقین اور نظم و ضبط سے کام لینا ہوگا۔ قومی آزادی، اقتدارِ اعلیٰ اور وقار کا انحصار بڑی حد تک عوام کے رویوں پر ہوتا ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کو ایک مضبوط اور پُراعتماد قوم بنانے کے لیے قائداعظمؒ نے اتحاد، یقین اور نظم و ضبط کا نعرہ دیا۔ اس نعرے نے غیر منظم، مایوس اور کمزور قوم کو ایک سیسہ پلائی دیوار بنا دیا۔ وہ مسلم لیگ کے سبز جھنڈے تلے متحد ہوئے اور انھوں نے اپنی آزادی کی جدوجہد میں زبردست اور تاریخی کامیابی حاصل کی۔ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں میں اتحاد اور یکجہتی پیدا ہوئی تو اس کا بنیادی سبب قائداعظمؒ کا تاریخی نعرہ تھا۔ وہ سیاسی، تعلیمی، معاشرتی اور دیگر شعبوں میں منظم ہوئے اور اپنی منزل کو پانے میں انھیں کامیابی حاصل ہوئی۔

سوالات

1- پاکستان کی ابتدائی مشکلات کیا تھیں؟ کوئی سی چھے مشکلات بیان کیجئے۔
2- پاکستان کی ابتدائی مشکلات میں سے ریاستوں کے تنازعوں پر ایک نوٹ لکھیے۔
3- قائداعظمؒ نے قیام پاکستان کے بعد ایک سال اور ایک ماہ کے مختصر عرصے میں مہاجرین کی آبادکاری، انتظامی اصلاحات، خارجہ پالیسی نیز بھارت سے تعلقات کے حوالے سے کون سے ٹھوس اقدامات اٹھائے؟
4- ایک جمہوری ریاست میں معاملات کو سلجھانے کے لیے کن عناصر سے کام لیا جاتا ہے؟

باب 3

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا جغرافیہ

پاکستان کا پورا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے جو 14 اگست 1947ء کو آزاد ہوا۔ اس کا رقبہ 096 ,96 ,7 مربع کلومیٹر ہے۔ پاکستان کی 97% آبادی مسلمان ہے۔ باقی 3 فیصد عیسائی' ہندو' پارسی' قادیانی وغیرہ بھی رہتے ہیں۔ اس ملک میں بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں' جن میں اُردو' پنجابی' سندھی' پشتو' بلوچی' سرائیکی' کشمیری اور فارسی وغیرہ شامل ہیں۔ پاکستان براعظم ایشیا کے جنوب میں واقع ہے جو زرخیز زمین' بلند پہاڑوں' دریاؤں اور خوبصورت وادیوں کا ملک ہے۔ درجہ حرارت کی بنیاد پر یہاں ایسے بھی علاقے ہیں جہاں سارا سال گرمی رہتی ہے اور ایسے بھی علاقے ہیں جہاں سارا سال سردی رہتی ہے۔ یہاں کے میدان زرخیز اور بھرپور پیداوار کے لحاظ سے دنیا میں مشہور ہیں۔ یہاں قریباً ہر قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں جو ذائقے کے لحاظ سے دنیا کے بہترین پھلوں میں شمار ہوتے ہیں۔
پاکستان کی آبادی قریباً 19 کروڑ 91 لاکھ ہے۔

پاکستان کا محل وقوع

پاکستان $23\frac{1}{2}^\circ$ درجے شمال سے 37° درجے عرض بلد شمالی اور 61° درجے مشرق سے 77° درجے طول بلد مشرق کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ اس کی مشرقی سرحد بھارت' شمالی سرحد چین اور مغربی سرحد افغانستان اور ایران سے ملتی ہے۔ پاکستان کے جنوب میں بحیرہ عرب واقع ہے۔

محل وقوع کی اہمیت

پاکستان کو اپنے محل وقوع کے لحاظ سے نہ صرف جنوبی ایشیا بلکہ پوری دنیا میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ درج ذیل نکات پاکستان کے محل وقوع کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔

1- خلیج فارس سے ملحقہ مسلم ممالک

پاکستان کے جنوب مغرب میں خلیج فارس واقع ہے۔ جس کے ساتھ ایران، کویت، عراق، سعودی عرب، قطر، بحرین، اومان اور عرب امارات کی حدود ملتی ہیں۔ یہ ممالک تیل کی پیداوار کے لحاظ سے بہت اہم ہیں اور مسلم برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ پاکستان کے ان ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہیں۔

2- افغانستان اور وسطی ایشیائی ممالک

پاکستان کے شمال مغرب میں افغانستان اور وسطی ایشیائی ممالک قازقستان، ازبکستان، تاجکستان، ترکمانستان اور کرغیزستان ہیں جو سمندر سے بہت دور ہیں اور ان کا اپنا کوئی ساحل نہیں ہے، اس لیے ان کو سمندر تک پہنچنے کے لیے پاکستان کی سرزمین سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ ممالک بھی تیل اور گیس کی پیداوار کے اعتبار سے اہم ہیں اور زرعی لحاظ سے بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کی کل آبادی پاکستان سے بھی کم ہے مگر رقبہ کے لحاظ سے ہم سے چھے گنا بڑے ہیں۔ اگر ان ممالک کو موٹروے کے ذریعے ملا دیا جائے تو پاکستان کو فائدہ ہوگا اور تعلقات میں

مزید اضافہ ہوگا۔

3- چین

شمالی پہاڑوں کے شمال میں چین واقع ہے۔ شاہراہِ ریشم پاکستان اور چین کو ملاتی ہے۔ یہ پاکستان اور چین نے مل کر بنائی ہے اور ان کے مابین بہت اچھے تعلقات ہیں۔ چین نے ہر مشکل وقت میں پاکستان کا ساتھ دیا اور پاکستان بھی چین کی دوستی پر فخر کرتا ہے۔ پاکستان میں کئی ترقیاتی منصوبے چین کی مدد سے چل رہے ہیں۔ دفاعی طور پر بھی چین نے پاکستان کی ہمیشہ حمایت کی ہے۔ چین، پاکستان دوستی بے مثال ہے۔

4- بھارت

ہمارے مشرق میں بھارت کا ملک ہے، جو آبادی میں چین کے بعد دنیا میں دوسرے نمبر پر ہے۔ وہ ایک زرعی اور صنعتی ملک ہونے کے علاوہ ایک بہت بڑی ایٹمی طاقت بھی ہے۔ آزادی کے بعد سے ہمارے تعلقات اس سے اچھے نہیں رہے۔ ان دونوں ممالک کے درمیان اب تک تین جنگیں ہو چکی ہیں جس کی وجہ سے اس خطے میں امن نہ ہونے کے باعث ترقی نہیں ہو سکی۔ دونوں ممالک اپنے دفاع کے لیے اپنی آمدن کا زیادہ سے زیادہ حصہ جنگی ہتھیاروں پر خرچ کر رہے ہیں۔ دونوں ممالک ایٹمی ہتھیاروں اور میزائل کی دوڑ میں بہت آگے نکل چکے ہیں اور اگر اب جنگ ہوتی ہے تو یہ مکمل تباہی ہوگی اور کسی کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ ان کے درمیان دشمنی کی سب سے بڑی خلیج مسئلہ کشمیر ہے۔ اگر دونوں ممالک کشمیر کا مسئلہ باہمی گفت وشنید سے حل کرلیں تو پورے جنوبی ایشیا کے خطے کے لیے امن وخوشحالی کا باعث ہوگا۔

پاکستان کے طبعی خدوخال

پاکستان کی سطح چار اقسام کے طبعی خدوخال پر مشتمل ہے۔

1- پہاڑ 2- سطح مرتفع 3- میدان 4- وادیاں

ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

1- پہاڑ

زمین کے اس بلند قطعے کو پہاڑ کہتے ہیں جس کی سطح پتھریلی، ناہموار، ڈھلوان دار اور سطح سمندر سے بلند ہو۔ پاکستان کے پہاڑی سلسلے مندرجہ ذیل ہیں:

1- شمالی پہاڑی سلسلے 2- وسطی پہاڑی سلسلے 3- مغربی پہاڑی سلسلے

1- شمالی پہاڑی سلسلے

برصغیر پاک وہند کے شمال میں کوہ ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے مغرب سے مشرق کی طرف پھیلے ہوئے ہیں، جن کی لمبائی تقریباً 2430 کلومیٹر ہے۔ یہ چار بڑے پہاڑی سلسلوں پر مشتمل ہے۔ ان کا کچھ حصہ پاکستان اور باقی حصے بھارت، چین اور افغانستان میں آتے ہیں۔

(i) ذیلی ہمالیہ یا شوالک کی پہاڑیاں

یہ پہاڑی سلسلہ دریائے سندھ کے مشرق میں ہے اور کوہستان ہمالیہ کی جنوبی شاخ ہے جو شرقاً غرباً پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی بلندی تقریباً 900 کلومیٹر ہے۔ اس کو شوالک کا پہاڑی سلسلہ بھی کہتے ہیں۔ اس کی مشہور پہاڑیاں پبی ہلز (Pabbi Hills) ہیں جو ہزارہ اور مری کے جنوب میں واقع ہیں۔ ان کا مغربی سلسلہ پاکستان میں جبکہ زیادہ تر حصہ بھارت میں واقع ہے۔

(ii) ہمالیہ صغیر کا پہاڑی سلسلہ

شوالک کی پہاڑیوں کے شمال اور ان کے متوازی یہ پہاڑی سلسلہ مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا ہے۔ پیر پنجال اس سلسلہ کا سب سے بلند پہاڑی سلسلہ ہے۔ اس سلسلے کے مشہور صحت افزا مقام مری، ایوبیہ، نتھیا گلی وغیرہ ہیں۔ اس سلسلے کی بلندی 1800 میٹر سے 4600 میٹر تک ہے۔ ہمالیہ صغیر کا یہ مختصر حصہ پاکستان میں اور باقی بھارت کے شمال میں واقع ہے۔

(iii) ہمالیہ کبیر کا پہاڑی سلسلہ

یہ دنیا کے بلند ترین پہاڑی سلسلوں میں سے ایک ہے۔ اس کی اوسط بلندی تقریباً 6500 میٹر ہے جو برف سے سارا سال ڈھکا رہتا ہے۔ کشمیر کی خوبصورت وادی پیر پنجال، ہمالیہ کبیر کے درمیان واقع ہے۔ اس سلسلے میں بہت سے گلیشیئر پائے جاتے ہیں جن کے پگھلنے سے دریا وجود میں آتے ہیں۔ اس سلسلہ کی مشہور چوٹی نانگا پربت ہے جس کی بلندی تقریباً 8126 میٹر ہے۔

(iv) کوہ قراقرم کا پہاڑی سلسلہ

کوہستان ہمالیہ کے شمال میں سلسلہ کوہ قراقرم چین کی سرحد کے ساتھ ساتھ مغرب سے مشرق کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ اس سلسلہ کی اوسط بلندی تقریباً 7000 میٹر ہے اور دنیا کی دوسری بلند ترین چوٹی جس کو گوڈون آسٹن یا کے۔ ٹو کہتے ہیں، اسی سلسلہ میں واقع ہے، اس کی بلندی تقریباً 8611 میٹر ہے۔ پاکستان کی شاہراہ ریشم یا قراقرم اسی سلسلہ میں سے گزر کر درہ خنجراب کے راستے چین تک جاتی ہے۔

(v) کوہستان ہندوکش

پاکستان کے شمال مغرب میں کوہستان ہندوکش واقع ہے۔ ان پہاڑوں کا بیشتر حصہ افغانستان میں پایا جاتا ہے۔ ان کی بلند ترین چوٹی ترچ میر ہے، جس کی بلندی تقریباً 7690 میٹر ہے۔ شمال مغرب پہاڑوں کے جنوب میں بھی کچھ پہاڑی سلسلے پاکستان میں موجود ہیں جو شمالاً جنوباً پھیلے ہوئے ہیں۔

(vi) سوات اور چترال کے پہاڑ

کوہستان ہندوکش کے جنوب میں چھوٹے چھوٹے پہاڑی سلسلے پھیلے ہوئے ہیں، ان پہاڑوں کی بلندی 3000 سے لے کر 5000 میٹر تک ہے۔ ان پہاڑوں کے درمیان درہ لواری ہے جو چترال اور پشاور کو ملاتا ہے اور سردیوں میں برفباری کے باعث بند رہتا ہے۔ یہاں ایک سرنگ بنائی گئی ہے، جس کی وجہ سے چترال اور ملک کے دوسرے حصوں کے درمیان پشاور سے آمدورفت کا سلسلہ سارا سال جاری رہتا ہے۔ ان پہاڑی سلسلوں کے درمیان دریائے سوات، دریائے چترال اور دریائے پنجکوڑا بہتے ہیں۔

شمالی پہاڑوں کی اہمیت

یہ پہاڑ پاکستان کے شمال میں واقع ہیں جن کے وجود سے پاکستان کی شمالی سرحد محفوظ ہے۔ یہ پہاڑ بحیرہ عرب اور بحیرہ بنگال سے آنے والی ہواؤں کو روکتے ہیں، برف باری اور بارش کا موجب بنتے ہیں۔ ان کی چوٹیاں سارا سال برف سے ڈھکی رہتی ہیں جن سے ہمارے دریاؤں کو سارا سال پانی ملتا ہے۔ ان پہاڑوں سے قیمتی لکڑی حاصل کی جاتی ہے۔ ان پہاڑوں میں بہت سے صحت افزا مقام ہیں، جہاں لوگ سیر وسیاحت کے لیے جاتے رہتے ہیں، جن میں مری، ایوبیہ، نتھیا گلی، کاغان، وادی لیپا، سکردو، وادی سوات، کالام، وادی نیلم، باغ، ہنزا، چترال، چالاس اور گلگت وغیرہ شامل ہیں۔

2- وسطی پہاڑی سلسلے

(i) کوہستان نمک

یہ پہاڑی سلسلے پوٹھوار سطح مرتفع کے جنوب میں دریائے جہلم اور دریائے سندھ کے درمیان واقع ہیں۔ اس پہاڑی سلسلے کی اوسط بلندی تقریباً 700 میٹر ہے۔ سکیسر اس سلسلے کا خوبصورت مقام ہے۔ اس میں نمک، جپسم اور کوئلہ کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔

(ii) کوہ سلیمان

یہ پہاڑی سلسلہ دریائے سندھ کے مغرب میں بلوچستان اور پنجاب کے درمیان واقع ہے۔ اس سلسلے کی سب سے بلند چوٹی تخت سلیمان ہے، جس کی بلندی تقریباً 3487 میٹر ہے۔ اس علاقے کا اہم دریا بولان ہے جو درہ بولان سے بہتا ہوا دریائے سندھ سے جا ملتا ہے۔

(iii) کوہ کیرتھر

کوہ سلیمان کے جنوب اور دریائے سندھ کے مغرب میں کوہ کیرتھر کا پہاڑی سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ یہ دریائے سندھ کے زیریں میدان کے مغرب میں واقع ہے۔ کم بلند اور خشک پہاڑوں پر مشتمل ہے اور اس کے مغرب میں بب اور مکران کے پہاڑی سلسلے واقع ہیں۔ یہ پہاڑ پاکستان کے جنوب میں واقع ہیں۔

3- مغربی پہاڑی سلسلے

(i) کوہ سفید کا پہاڑی سلسلہ

یہ دریائے کابل کے جنوب میں شمالاً جنوباً پاک افغان سرحد کے ساتھ ساتھ دریائے کرم تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا کچھ حصہ افغانستان میں جبکہ بیشتر حصہ پاکستان میں ہے۔ اس کا پھیلاؤ شرقاً غرباً ہے، اس کی اوسط بلندی تقریباً 3600 میٹر ہے۔ اس میں درہ خیبر واقع ہے جو پاکستان اور افغانستان کو پشاور کابل روڈ سے ملاتا ہے۔ اس پہاڑی سلسلے کی بلند ترین چوٹی سیکارام (Sikaram) ہے، جو تقریباً 4761 میٹر بلند ہے۔

(ii) وزیرستان کی پہاڑیاں

یہ پہاڑی سلسلہ دریائے کرم کے جنوب میں پاک افغان سرحد کے ساتھ ساتھ شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔ ان پہاڑیوں میں درہ ٹوچی اور درہ گومل واقع ہیں۔

(iii) ٹوبا کاکڑ پہاڑی سلسلہ

وزیرستان کی پہاڑیوں کے جنوب میں افغانستان سرحد کے ساتھ ٹوبا کاکڑ پہاڑی سلسلہ واقع ہے جو شمال سے جنوب کی طرف چلتا ہوا کوئٹہ کے شمال پر آ کر ختم ہو جاتا ہے۔

(iv) چاغی کی پہاڑیاں

پاکستان کے مغرب میں افغان سرحد کے ساتھ چاغی کی پہاڑیاں واقع ہیں۔ پاکستان نے ان پہاڑیوں میں 28 مئی 1998ء میں ایٹمی دھماکے بھی کیے تھے۔

(v) راس کوہ کی پہاڑیاں

یہ پہاڑی سلسلہ چاغی کی پہاڑیوں کے جنوب میں واقع ہے۔

2- سطح مرتفع

پاکستان میں سطح مرتفع دو ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

1- سطح مرتفع پوٹھوار 2- سطح مرتفع بلوچستان

i- سطح مرتفع پوٹھوار

کوہستان نمک کے شمال میں دریائے جہلم اور دریائے سندھ کے درمیان سطح مرتفع پوٹھوار واقع ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ بلندی قریباً 600 میٹر تک ہے۔ اس میں چونا، کوئلہ اور معدنی تیل کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ پاکستان اپنی معدنی تیل کی ضرورت کا کچھ حصہ یہاں سے پورا کرتا ہے۔ سطح مرتفع پوٹھوار کی سطح بے حد کٹی پھٹی ہے۔ دریائے سواں اس کا مشہور دریا ہے۔

ii- سطح مرتفع بلوچستان

یہ سطح مرتفع کوہ سلیمان اور کیرتھر کے پہاڑی سلسلوں کے مغرب میں واقع ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ بلندی تقریباً 900 میٹر تک ہے۔ اس کے شمال میں ٹوبا کاکڑ اور چاغی کے پہاڑی سلسلے ہیں۔ یہ سارا علاقہ بنجر ہے۔ اس کے مغرب میں ریت کا میدان ہے، جس کو صحرائے بلوچستان بھی کہتے ہیں۔

3- میدان

ایک وسیع کم ڈھلوان دار اور نسبتاً ہموار سطح کو میدان کہتے ہیں۔ پاکستان میں جہاں بہت سے پہاڑی سلسلے ہیں وہاں وسیع اور زرخیز میدان بھی پائے جاتے ہیں، جن کو دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں نے پہاڑوں سے زرخیز مٹی لا کر بنایا ہے۔ یہ ہمالیہ سے لے کر بحیرہ عرب تک پھیلے ہوئے ہیں۔ پاکستان اپنی زرعی ضروریات ان میدانوں سے حاصل کرتا ہے اور فاضل پیداوار برآمد کر کے زرمبادلہ کماتا ہے۔ ان میدانوں کو ہم چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

i- دریائے سندھ کا بالائی میدان ii- دریائے سندھ کا زیریں میدان

iii- ساحلی میدان   iv- ریگستانی یا صحرائی میدان

i- دریائے سندھ کا بالائی میدان

یہ میدان شوالک اور کوہستان نمک کے جنوب اور کوہ سلیمان کے مشرق میں واقع ہے۔ بالائی حصے کو پانچ دریا سیراب کرتے ہیں، جن میں ستلج، راوی، چناب، جہلم اور سندھ شامل ہیں۔ اس لیے اس حصے کو پنجاب بھی کہتے ہیں یعنی پانچ آب یا پانچ دریاؤں کی زمین۔ پنجاب آزادی کے وقت دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ مشرقی پنجاب، بھارت اور مغربی پنجاب، پاکستان میں شامل ہو گیا۔ اوپر بیان کیے گئے پانچوں دریا مٹھن کوٹ کے مقام پر دریائے سندھ میں گرتے ہیں۔ وہاں سے دریائے سندھ کا زیریں حصہ شروع ہوتا ہے۔ بالائی میدان شمال کی طرف اونچا ہے اور جنوب کی طرف ڈھلوان دار ہے، اسی لیے دریا شمال سے جنوب کی طرف بہتے ہیں۔ ان دریاؤں سے بہت سی نہریں نکال کر اس میدان کو سیراب کیا گیا ہے اور پیداوار کے لحاظ سے دنیا کے زرخیز ترین میدانوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہاں چاول، گندم، کپاس، مکئی، گنے وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ دو دریاؤں کی درمیانی جگہ کو دوآبہ کہتے ہیں۔ درج ذیل دوآبے بہت مشہور ہیں۔

1- باری دوآب   2- رچنا دوآب   3- چج دوآب   4- سندھ ساگر دوآب

دریاؤں کے کناروں کے ساتھ ساتھ مٹی کی تہ نشینی سے جو علاقہ بنتا ہے اسے "بار" کہتے ہیں جو زراعت کے لیے بہت موزوں ہے، جیسے کہ نیلی بار، ساندل بار اور کرانا بار وغیرہ۔ اس میدان کے مغرب میں دریائے جہلم اور سندھ کے درمیان "تھل" کا ریگستان ہے۔ سندھ کے مغرب کی طرف کم بلند یا دامنی میدان ہیں جنھیں ڈیرہ جات کہتے ہیں۔ ڈیرہ اسماعیل خاں اور ڈیرہ غازی خاں کے علاقے اس میں شامل ہیں۔ پشاور کا میدان شمال مغرب میں دریائے کابل کے ساتھ واقع ہے اور مغرب سے مشرق کی جانب پھیلا ہوا ہے۔ دریائے کابل، اٹک کے مقام دریائے سندھ سے جا ملتا ہے۔ یہ میدان بھی زرخیز ہے۔ وارسک ڈیم دریائے کابل پر وارسک کے مقام پر بنایا گیا ہے یہاں پر گندم، گنا، مکئی وغیرہ کاشت کی جاتی ہیں۔

ii- دریائے سندھ کا زیریں میدان

مٹھن کوٹ سے نیچے دریائے سندھ ایک بڑے دریا کی مانند اکیلا بہتا ہوا بحیرہ عرب میں جا گرتا ہے۔ اس سارے علاقے کو دریائے سندھ کا زیریں میدان کہتے ہیں۔ یہ بھی زرخیز مٹی کا میدان ہے اور یہاں بارش کم ہوتی ہے۔ بالائی حصے کی طرح بے شمار نہریں نکالی گئیں ہیں جو اس کو سیراب کرتی ہیں۔ اس کے مغرب کی طرف کوہ کیرتھر کا سلسلہ واقع ہے اور مشرق کی طرف تھر کا ریگستانی علاقہ واقع ہے۔ سکھر بیراج، غلام محمد بیراج اور گڈو بیراج سے نکلنے والی نہریں اس علاقے کو سیراب کرتی ہیں۔ سیلاب کے دنوں میں دریا کا پانی وسیع علاقے میں پھیل جاتا ہے۔ سندھ کے زیریں میدان میں کپاس، چاول، گنا، گندم اور مکئی وغیرہ کی کاشت کی جاتی ہے۔

iii- ساحلی میدان

پاکستان کے جنوب میں ساحلی میدان بحیرہ عرب کے ساتھ ساتھ واقع ہے۔ یہ میدان مشرق کی طرف چوڑے اور مغرب کی طرف پہاڑوں کی وجہ سے محدود ہوتے جاتے ہیں۔ پاکستان کے ساحل بہت خوبصورت ہیں۔ کراچی، پورٹ قاسم اور گوادر کی بندرگاہیں انھی ساحلوں پر واقع ہیں۔ اگر حکومت ان ساحلی علاقوں کو سیر و سیاحت کے لیے ترقی دے تو پاکستان کافی زرمبادلہ کما سکتا ہے۔

iv- ریگستانی یا صحرائی میدان

ایسا علاقہ جہاں سالانہ بارش 250 ملی میٹر سے کم ہو صحرائی کہلاتا ہے۔ پاکستان کا بہت بڑا علاقہ بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے ریگستان یا صحرائی ہے۔ دریائے سندھ کے مغرب میں تھل کا ریگستان ہے جس کے بڑے حصے کو نہروں سے سیراب کیا گیا ہے۔ اسی طرح بہاول نگر کے جنوب میں چولستان کا ریگستان شروع ہو کر بھارت کے علاقے راجستھان کے صحرا سے جا ملتا ہے۔ صوبہ سندھ میں یہ تھر کے ریگستان سے مل جاتا ہے۔ جنوبی پنجاب، سندھ، جنوبی سرحد اور بلوچستان کے علاقے صحرائی ہیں اور یہاں سردیوں اور گرمیوں میں سالانہ بارش 250 ملی میٹر سے کم ہوتی ہے۔ بعض علاقوں کو نہروں سے سیراب کیا گیا ہے جو اچھی پیداوار دیتے ہیں۔

مکران پہاڑی سلسلے کے مغرب اور شمال مغرب میں بلوچستان کا صحرائی علاقہ موجود ہے۔ یہاں پر بارش 250 ملی میٹر سالانہ سے کم ہے جو سردیوں کے موسم میں ہوتی ہے اور گرمیوں میں بارش نہیں ہوتی۔ یہاں پر چھوٹے چھوٹے ڈیم بنا کر علاقے کی ضرورت کو پورا کیا جا سکتا ہے جس سے بلوچستان میں زراعت کو فروغ ملے گا۔ بلوچستان کے اس صحرائی علاقے میں بہت کم لوگ آباد ہیں۔ معاشی سرگرمیاں بہت محدود ہیں۔ زمین بنجر ہے، چند خانہ بدوش اس علاقے میں ملتے ہیں۔ اونٹ صحرائی علاقوں میں باربرداری کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں' سہولیات ناپید ہیں اور لوگوں کے حالات قابل رحم ہیں۔ بلوچستان کے ان علاقوں میں کہیں کہیں کاریز سے آبپاشی بھی کی جاتی ہے۔

4- وادیاں

پہاڑوں کے درمیان اور دریاؤں کے ساتھ ساتھ وادیوں کا علاقہ بہت دل کش مناظر پیش کرتا ہے جو دنیا بھر کے سیاحوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ گرمیوں میں جب میدانی علاقوں میں گرمی کی شدت ہوتی ہے تو لوگ گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے کے لیے بھی ان صحت افزاء مقامات پر جاتے ہیں۔ ان وادیوں میں کاغان' سوات' لیپا' چترال' ہنزا' وادی نیلم' مری' ایوبیہ' نتھیا گلی اور زیارت وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ حکومت ان علاقوں کو ترقی دے کر کثیر مقدار میں زرمبادلہ کما سکتی ہے۔ نیز اس طرح ان علاقوں میں روزگار کے مواقع بھی پیدا ہوں گے۔

پاکستان کی آب و ہوا

کسی بھی مقام کا موسم بدلتا رہتا ہے جیسے کہ لاہور کا موسم صبح کے وقت خوشگوار' دوپہر کو گرم اور شام کو بہتر ہو جاتا ہے۔ کسی جگہ کی روزانہ کی موسمی کیفیت کو موسم کہتے ہیں' جبکہ کسی مقام یا ملک کی سالہا سال کی موسمی کیفیت کی اوسط کو آب و ہوا کہتے ہیں مثلاً لاہور کی آب و ہوا موسم گرما میں شدید گرم اور نیم مرطوب اور موسم سرما میں سرد ہے۔

درجہ حرارت اور بارش آب و ہوا کے دو اہم جز ہیں مثلاً کسی ملک میں گرمی اور سردی کے موسموں کا اوسط درجہ حرارت معلوم کیا جاتا ہے اور دونوں مقداروں کو جمع کر کے درجہ حرارت کا سالانہ اوسط نکل سکتا ہے۔ یہی طریقہ کسی مقام کی بارش کا سالانہ اوسط معلوم کرنے کا ہے۔ چنانچہ درجہ حرارت اور بارش کی مقداروں کو پیش نظر رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک شہر یا جگہ کی آب و ہوا گرمیوں میں گرم مرطوب اور سردیوں میں سرد اور خشک ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب ہم پاکستان کی آب و ہوا کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

پاکستان کا زیریں حصہ جس میں سندھ اور جنوبی بلوچستان شامل ہیں' نیم منطقہ حارہ اور بالائی حصہ گرم منطقہ معتدلہ میں شامل ہے۔ اس لیے ہمارے ملک میں گرمیوں کا موسم شدید گرم ہوتا ہے اور اس کا دورانیہ بھی زیادہ ہوتا ہے جبکہ سردی کا موسم تھوڑے عرصے کے لیے آتا ہے اور سردی اتنی شدید قسم کی نہیں پڑتی' ماسوائے پہاڑی علاقوں کے جہاں درجہ حرارت پہاڑوں کی بلندی کی وجہ سے کم رہتا ہے اور زیادہ بلند پہاڑ برف سے ڈھکے رہتے ہیں۔

پاکستان کے موسم

درجہ حرارت کی بنیاد پر ہم پاکستان کو چار موسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔ موسم گرما' موسم سرما' موسم بہار اور موسم خزاں۔

1- موسم گرما

پاکستان میں موسم گرما انتہائی شدید قسم کا ہے' اکثر لوگ دوپہر کے وقت گھروں سے باہر نہیں نکلتے۔ سڑکوں پر آمدورفت کم ہوجاتی ہیں' لو لگنے سے لوگ بیمار ہوجاتے ہیں' بچوں کو سکولوں اور کالجوں سے چھٹیاں دے دی جاتی ہے۔ کئی مقامات پر درجہ حرارت 50° سینٹی گریڈ سے اوپر چلا جاتا ہے۔ ملک کے شمالی میدانوں میں گرمیاں مئی سے ستمبر تک رہتی ہیں' جبکہ جنوبی میدانوں میں گرمی کا موسم مارچ سے ستمبر تک رہتا ہے۔ بعض مقامات مثلاً جیکب آباد' سبی' ملتان' سرگودھا' مظفر گڑھ' لیہ' بھکر وغیرہ میں شدید گرمی پڑتی ہے۔ پہاڑی علاقوں میں موسم خوشگوار ہوتا ہے اور لوگ چھٹیاں گزارنے ان مقامات پر چلے جاتے ہیں۔

2- موسم خزاں

اکتوبر اور نومبر میں موسم میں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ گرمی کی شدت ٹوٹ جاتی ہے' رات کو موسم بہتر ہوجاتا ہے' دن میں پنکھے کے نیچے سکون ملتا ہے۔ درختوں کے پتے جھڑنے لگتے ہیں اور موسم میں خنکی بڑھتی جاتی ہے لیکن جنوبی میدانی علاقوں میں درجہ حرارت 30° سینٹی گریڈ سے اوپر ہی رہتا ہے جبکہ شمالی میدان میں موسم بہتر ہوجاتا ہے۔

3- موسم سرما

دسمبر سے لے کر فروری تک موسم سرما رہتا ہے۔ شمالی میدانی علاقوں میں اوسط درجہ حرارت 10° سینٹی گریڈ کے قریب رہتا ہے جبکہ جنوبی علاقوں میں درجہ حرارت 18° سینٹی گریڈ سے زیادہ ہی رہتا ہے اور ساحلی علاقے میں درجہ حرارت 30° کے قریب رہتا ہے۔ شمالی پہاڑوں پر برف باری ہوتی ہے جو گرمیوں میں پانی مہیا کرتی ہے۔

4- موسم بہار

موسم بہار فروری کے تیسرے ہفتے سے شروع ہوکر اپریل تک رہتا ہے۔ درجہ حرارت بڑھنا شروع ہوجاتا ہے۔ شمالی میدانوں میں دن کا درجہ حرارت 20° سے 25° سینٹی گریڈ کے درمیان رہتا ہے جبکہ جنوبی میدان کا درجہ حرارت 30° سے 35° درجے سینٹی گریڈ کے درمیان رہتا ہے۔ موسم بہار میں شجرکاری کی جاتی ہے اور درختوں پر نئے پتے نکل آتے ہیں۔

آب وہوا کے لحاظ سے پاکستان کے علاقے

آب وہوا کی بنیاد پر ہم پاکستان کو درج ذیل چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

1- پاکستان کے ساحلی علاقے　2- پاکستان کے میدانی علاقے　3- مغربی پہاڑی سلسلے　4- شمالی پہاڑی سلسلے

1- پاکستان کے ساحلی علاقے

پاکستان کے ساحلی علاقوں میں آب وہوا سارا سال گرم مرطوب رہتی ہے۔ یہاں نسیم بری اور نسیم بحری ہوائیں گرمی کی شدت میں کمی

کرتی ہیں۔جس کی وجہ سے یہاں گرمیاں شدید قسم کی نہیں ہوتیں۔درجہ حرارت اوسطاً °32 سینٹی گریڈ کے قریب رہتا ہے اس لیے یہاں سردی نہیں ہوتی۔کبھی کبھار کوئٹہ کی ہوا کراچی کا رُخ کرتی ہے جس سے موسم خوشگوار ہوجاتا ہے۔یہاں بارش بہت کم ہوتی ہے' جو دس انچ سالانہ سے کم ہے لیکن ہوا میں رطوبت زیادہ رہتی ہے۔

2- پاکستان کے میدانی علاقے

اس حصے میں گرمی شدید ہوتی ہیں' درجہ حرارت °50 سینٹی گریڈ سے زیادہ بھی ہوجاتا ہے۔گرمی اپریل سے شروع ہوکر ستمبر تک رہتی ہے اور اوسط درجہ حرارت °35 سینٹی گریڈ سے زیادہ ہی رہتا ہے جبکہ جون اور جولائی کا اوسط درجہ حرارت °40 سینٹی گریڈ ہوجاتا ہے۔جنوبی میدانی علاقے مارچ میں ہی گرمی کی لپیٹ میں چلے جاتے ہیں اور اکتوبر تک شدید گرمی پڑتی ہے۔یہاں اوسط درجہ حرارت °40 سینٹی گریڈ کے قریب رہتا ہے۔جولائی اگست اور ستمبر میں مون سون بارش کی وجہ سے شمالی میدانی علاقوں میں گرمی کا زور کم ہوتا ہے لیکن جنوبی علاقے زیادہ تر بارش سے محروم رہتے ہیں اس لیے یہاں گرمی کا زور برقرار رہتا ہے۔ان علاقوں میں جیکب آباد' سبی اور ملتان شامل ہیں جن کا درجہ حرارت °45 سے لے کر °54 درجے سینٹی گریڈ تک چلا جاتا ہے۔

سردیوں میں درجہ حرارت میں کمی آتی ہے۔شمالی میدانی علاقے کا درجہ حرارت اوسطاً °7 سینٹی گریڈ کے قریب رہتا ہے۔یہاں دسمبر سے لے کر فروری تک موسم سرد رہتا ہے لیکن شدید سردی نہیں ہوتی جبکہ جنوبی میدانی علاقوں میں درجہ حرارت °15 سینٹی گریڈ کے قریب یا اس سے زیادہ رہتا ہے اور جنوری کا موسم خوشگوار رہتا ہے۔

3- مغربی پہاڑی سلسلے

مغربی پہاڑی سلسلوں میں گرمی کا موسم اپریل سے ستمبر تک رہتا ہے جہاں درجہ حرارت °30 سینٹی گریڈ سے کم ہی رہتا ہے اس لیے یہاں گرمی قابل برداشت ہوتی ہے' یہاں موسم سرما میں درجہ حرارت صفر درجے سینٹی گریڈ سے کم ہوجاتا ہے اور مغربی ہواؤں کی وجہ سے دسمبر اور جنوری میں برف باری ہوتی ہے جس سے سردی کی شدت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

4- شمالی پہاڑی علاقے

ان علاقوں میں گرمیوں کا موسم خوشگوار ہوتا ہے۔گرمی کے موسم میں اوسط درجہ حرارت °20 سینٹی گریڈ سے کم ہی رہتا ہے اس لیے یہاں بہت سے تفریحی مقامات ہیں جہاں لوگ تفریح کے لیے چلے جاتے ہیں۔ستمبر میں موسم سرد ہونا شروع ہوجاتا ہے اور اپریل تک سردی پڑتی ہے۔یہاں سردی کا موسم شدید ہوتا ہے۔پہاڑ برف سے ڈھک جاتے ہیں۔دسمبر' جنوری اور فروری میں درجہ حرارت منفی °5 سینٹی گریڈ سے کم ہی رہتا ہے۔شمالی پہاڑوں پر گرمیوں میں بارش ہوتی ہے اور سردیوں میں مغربی ہواؤں کی وجہ سے برف باری ہوتی ہے' یہیں سے دریا نکل کر جنوب کی طرف بہتے ہیں۔

بارش کا موسم

بارش سال میں دو دفعہ ہوتی ہے:

1- مون سون کی بارش
2- موسم سرما کی بارش

1- مون سون کی بارش

گرمیوں میں جولائی سے ستمبر کے درمیان بھارت سے آنے والی مون سون ہواؤں سے شمالی میدانوں اور جنوبی ہمالیہ شوالک پر بارش ہوتی ہے۔ زیادہ تر بارش مری' اسلام آباد' راولپنڈی' جہلم اور سیالکوٹ کے علاقوں میں اوسطاً 50 انچ کے قریب ہوتی ہے اور جنوب کی طرف بتدریج کم ہوتی جاتی ہے۔ جنوبی میدانی علاقے جن میں جنوبی پنجاب' سندھ اور بلوچستان کے علاقے شامل ہیں' یہاں بارش دس انچ سالانہ سے کم ہوتی ہے جس وجہ سے یہاں صحرا پائے جاتے ہیں۔ مغربی پہاڑی علاقوں، سطح مرتفع بلوچستان اور شمال مغربی پہاڑوں پر گرمیوں میں بارش نہیں ہوتی اور یہ خشک پہاڑی سلسلے ہیں۔

2- موسم سرما کی بارش

موسم سرما میں مغربی ہوائیں اپنے ساتھ بارش لاتی ہیں۔ مغربی پہاڑی سلسلوں اور شمالی پہاڑی سلسلوں پر برف باری ہوتی ہے۔ مغربی ہواؤں کی وجہ سے شمالی میدانوں میں بھی بارش ہوتی ہے لیکن یہ بارش اتنی نہیں کہ ہماری ضرورت کو پورا کر سکے۔ جنوبی علاقے میں بارش سردیوں میں بہت کم ہوتی ہے جس سے ان کے مسائل میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ درحقیقت پاکستان میں بارشیں ضرورت سے کہیں کم ہیں اس لیے ضرورت ہے کہ زیادہ سے زیادہ ڈیم اور نہریں بنائی جائیں تاکہ مستقبل کی ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔

آب وہوا کے انسانی زندگی پر اثرات

دنیا میں مختلف علاقوں میں مختلف قسم کی آب وہوا پائی جاتی ہے جو ان علاقوں پر اور اُن کے ماحول پر اپنا ایک خاص اثر رکھتی ہے۔ لوگوں کی سرگرمیاں اس کے تابع ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ مختلف اقسام کی فصلیں' پھل اور پھول بھی آب وہوا کے تعلق کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں۔ آب وہوا اس علاقے کے جانوروں اور پرندوں کی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ پاکستان میں گرمیوں کے موسم میں ہم ہلکے کپڑوں کا استعمال کرتے ہیں' پانی بار بار پیتے ہیں، گرم خوراک میں کمی کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ سکول اور کالجوں میں چھٹیاں ہو جاتی ہیں لیکن اس موسم میں گندم پک کر تیار ہوتی ہے۔ خربوزے اور آم کا موسم آتا ہے اور ہم مشروبات کا استعمال کرتے ہیں۔ چھتری اور ٹوپی کا استعمال بڑھ جاتا ہے۔ لوگ دوپہر کو گھروں سے باہر نہیں نکلتے۔ میدانی علاقے مثلاً راولپنڈی، لاہور، ملتان، کراچی اور پشاور وغیرہ میں شدید گرمی پڑتی ہے جس کے باعث ہر قسم کی سرگرمیاں متاثر ہوتی ہیں۔ امیر لوگ گرمیوں سے تنگ آکر مری، ایوبیہ، اور نتھیا گلی جیسے پُرفضا مقامات پر چلے جاتے ہیں۔

صحرائی علاقے گرمی اور پانی کی کمی کی وجہ سے ناقابل برداشت ہو جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں لوگ نقل مکانی شروع کر دیتے ہیں۔ اسی طرح جب سردیوں کا موسم آتا ہے تو ہماری سرگرمیاں دوبارہ تبدیل ہو جاتی ہیں۔ سردیوں میں گوشت اور مچھلی کا استعمال بڑھ جاتا ہے۔ لوگ دھوپ میں بیٹھنا اور آگ تاپنا پسند کرتے ہیں۔ گہرے رنگ اور اونی کپڑوں کا استعمال ہوتا ہے۔ دن چھوٹے او رراتیں لمبی ہو جاتی ہیں۔ بلند پہاڑ شدید سردی کی لپیٹ میں چلے جاتے ہیں۔ راستے برفباری سے بند ہو جاتے ہیں۔ زندگی مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے، پہاڑی علاقوں میں بچوں کو چھٹیاں دے دی جاتی ہیں اور لوگ میدانی علاقوں کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ کاروبار بھی آب وہوا کی تبدیلی سے متاثر ہوتے ہیں۔

سیاحت کی کشش

پاکستان بلند پہاڑوں، خوبصورت وادیوں اور سبز لہلہاتے میدانوں کی سرزمین ہے۔ یہ ملک سیر و سیاحت کے لحاظ سے دنیا کے بہترین ممالک میں سے ایک ہے۔ جہاں خوبصورت وادیاں، حسین مناظر پیش کرتی ہیں، جن میں قابل ذکر وادی نیلم، وادی کاغان، وادی سوات، وادی ہنزا، مری، ایوبیہ، نتھیا گلی، سکردو اور زیارت وغیرہ شامل ہیں۔ سردیوں میں یہ علاقے برف سے ڈھک جاتے ہیں اور گرمیوں میں موسم خوشگوار ہوتا ہے۔ انتہائی دلکش نظارے مثلاً آبشاریں، جھیلیں، بل کھاتی ہوئی سڑکیں اور بلند چوٹیاں، غرض یہ کہ پاکستان میں بہت کچھ ملے گا۔ اسی طرح وسیع ہرے بھرے لہلہاتے میدان، دریاؤں اور نہروں کی سرزمین، خوبصورت پھول اور بہترین پھل بھی یہاں توجہ کا مرکز بنتے ہیں۔ یہ وہ سب چیزیں ہیں جو سیر و سیاحت کو فروغ دیتی ہیں اور خدا کی مہربانی سے پاکستان ان حسین مناظر کا مرکز ہے۔ پاکستان میں اگر سیاحت کی صنعت کو فروغ دیا جائے تو سالانہ اربوں روپے کمایا جاسکتا ہے۔ اس طرح لوگوں کو کاروبار ملے گا اور ملک میں معاشی استحکام آئے گا۔

پاکستان بحیثیت گزرگاہ برائے چین، افغانستان اور وسطی ایشیا

پاکستان کے مغرب اور شمال مغرب میں افغانستان اور وسطی ایشیا کے ممالک قازقستان، کرغیزستان، تاجکستان، ترکمانستان اور ازبکستان واقع ہیں۔ ان ممالک کے ساتھ سمندر واقع نہیں اس لیے ان ممالک کو سمندر کا راستہ پاکستان سے ہو کر جاتا ہے۔ ان ممالک میں صنعتی و معدنی ترقی کے روشن امکانات ہیں لیکن ان کا بیرونی دنیا کے ساتھ سمندری رابطہ نہیں۔ اگر پاکستان، افغانستان کی طرح ان ممالک کو بھی راہ داری فراہم کر دے تو پورے خطے میں ترقی ہو سکے گی اور پاکستان کے زرمبادلہ میں اضافہ ہوگا۔ پاکستان دنیا میں برآمدی منڈی کے طور پر سامنے آئے گا اور اس کے کاروبار میں اضافہ ہوگا۔ زرعی، صنعتی اور معدنی ترقی ہوگی اور سیر و سیاحت کو ترقی ملے گی۔ ان ممالک کو ایک ریجن کی طرح آزادانہ کام کرنا چاہیے جیسا کہ یورپی یونین کام کرتی ہے۔ پاک چین راہداری منصوبے سے گوادر سے چین تک گزرگاہ کو بہتر کر کے تجارت کو فروغ دیا جارہا ہے۔

معاشی عدم توازن

معاشی عدم توازن سے مراد یہ ہے کہ ہمارے اخراجات زیادہ اور آمدن کم ہو یا ہماری ضروریات زندگی کا حصول آمدن میں ممکن نہ ہو۔ پاکستان اپنے قیام سے ہی معاشی عدم توازن کا شکار رہا ہے جہاں آمدن کم اور اخراجات زیادہ رہے ہیں، جس کی اصل وجہ ہمارے بجٹ میں غیر ترقیاتی اخراجات زیادہ اور ترقیاتی اخراجات کم ہیں۔ ہماری برآمدات کم اور درآمدات زیادہ ہیں، اس لیے بجٹ میں خسارہ معاشی عدم توازن کا شکار رہا ہے۔ ہمارے بجٹ کا سب سے بڑا حصہ قرضوں پر سود کی شکل میں ادا کرنا پڑتا ہے یا پھر فوجی اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ یہ دونوں اخراجات بجٹ کا 60 فیصد بن جاتے ہیں اور ترقیاتی اخراجات 40 فیصد سے بھی کم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ترقی نہ کر سکے اور عدم استحکام کا شکار رہے۔

معاشی عدم توازن کے اسباب

1- قیام پاکستان کے وقت آبادی زیادہ تھی اور وسائل موجود نہ تھے، پاکستان ابھی ان غیر موزوں حالات سے دوچار ہی تھا کہ

1948ء کی پاک بھارت جنگ نے اسے کافی نقصان پہنچایا۔حکومت پاکستان نے ملکی ترقی کے لیے پانچ سالہ پروگرام شروع کیے جس میں صنعتوں کوفروغ دیا گیا۔

2- زراعت میں ترقی کی غرض سے ڈیم اور نہریں بنائی گئیں، معاشی حالت کو بہتر کرنے کے لیے عالمی برادری سے امداد لی جس سے صنعت وزراعت میں ترقی ہوئی۔لیکن 1965ء اور 1971ء کی جنگوں نے ہماری معیشت کو تباہ کردیا جس سے ہم پر قرضہ اور سود بڑھتا گیا۔

3- ہماری حکومتوں نے آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے فوجی قوت بڑھانے پر زیادہ توجہ دی۔ سیاسی عمل تھوڑے تھوڑے وقفوں سے ٹوٹتا رہا جس سے ملک میں استحکام نہ آسکا اور لوگوں میں اعتماد کی فضا پیدا نہ ہوسکی۔ سیاسی جماعتوں کی پالیسیاں بھی بدلتی رہیں۔ نیشنلائزیشن کی پالیسی نے صنعتی ترقی کو روک دیا۔

4- ملک میں پانی کی کمی کا مسئلہ سنگین ہوتا گیا۔بجلی کا بحران بھی رہا، جس سے صنعت کاروں کا اعتماد ٹوٹ گیا۔صوبوں میں ترقی کے یکساں مواقع نہ پیدا ہوسکے۔ پھر جنگ کے سائے بھی ہماری سرزمین پر چھائے رہے۔

5- پاک بھارت تعلقات کشمیر کے مسئلے پر ہمیشہ خراب رہے۔ اب جبکہ یہ دونوں ممالک ایٹمی قوت بن چکے ہیں لیکن ان کے درمیان مسائل جوں کے توں کھڑے ہیں۔اقوام متحدہ اور عالمی برادری بھی کشمیر جیسے مسئلے پر ثالثی سے پرہیز کرتی ہے۔اس صورت حال میں نئی صنعتیں لگانے اور نئی سرمایہ کاری کے امکانات کم ہوتے چلے گئے۔

6- افغانستان کے بدترین حالات بھی ہماری معیشت پر منفی طور پر اثر انداز ہوتے رہے۔ سمگلنگ اور منشیات نے ہماری معیشت کو تباہ کیا، ہم ترقی کی بجائے قرضوں میں دبتے چلے گئے۔ آج بھی پاکستان کئی ارب ڈالر کا مقروض ہے۔

7- آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے، جس سے معاشی حالت کا سنبھلنا مشکل ہوگیا ہے۔ پاکستان کے مختلف اضلاع پسماندہ رہے، جس سے لوگ بڑے شہروں کی طرف نقل مکانی پر مجبور ہوئے۔ ہم زرعی ملک ہونے کے باوجود زراعت میں خود کفیل نہ ہوسکے۔

8- سیاحت کے بہتر مواقع ہونے کے باوجود ہم ساحلوں اور شمالی علاقہ جات کو ترقی نہ دے سکے۔ ہم تیل، گیس، پن بجلی اور آبی ذخائر سے بھی بہتر طور پر مستفید نہ ہوسکے۔ ان حالات میں موجودہ حکومت نے معاشی ترقی کو مثبت رخ پر ڈھالنے کی کوشش شروع کردی ہیں۔ پاکستان کے نسبتاً پسماندہ علاقوں سندھ، بلوچستان، سرحد (خیبر پختونخوا) اور جنوبی پنجاب پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔ پانی کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے نئے ڈیم بنانے کی منصوبہ بندی کی جارہی ہے۔

نقشہ فہمی

دنیا کو سمجھنے اور اس کے مطالعہ کے لیے نقشہ جات بنائے جاتے ہیں۔ ہماری زمین گلوب کی طرح گول ہے لیکن گلوب پر زیادہ معلومات ظاہر کرنا ناممکن ہے اس لیے نقشوں کو بنایا جاتا ہے تاکہ ان کو تفصیل سے بیان کرنا آسان ہوجائے۔ نقشے چھوٹے اور بڑے پیمانوں پر بنائے جاتے ہیں جو مختلف مقاصد کے لیے استعمال میں آتے ہیں۔ ان کو پڑھنے اور سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں درج ذیل معلومات ہوں:

نقشہ کی تعریف

زمین یا اس کے کسی حصے کو جب کاغذ پر منتقل کیا جاتا ہے تو اسے نقشہ کہتے ہیں۔ نقشہ بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں درج ذیل

معلومات حاصل ہوں۔

i- پیانہ کی تعریف

پیانہ سے مراد وہ نسبت ہے جو نقشی فاصلوں اور زمینی فاصلوں کے مابین ہے مثلاً ایک انچ برائے 10 میل۔ اس پیانے کو یوں پڑھا جائے گا کہ ایک انچ نقشی فاصلہ برائے 10 میل زمینی فاصلہ۔ پیانہ ایک خط کی مدد سے بھی ظاہر کیا جاتا ہے جس کو نقشے کے زیریں حصے میں کھینچا جاتا ہے۔ نقشے پر کسی دو نقاط کے درمیان فاصلہ پیانے کی مدد سے ناپنے میں مدد ملتی ہے۔

ii- میپ پروجیکشن

خطوط طول بلد اور خطوط عرض بلد کو گلوب سے سادہ کاغذ پر منتقل کرنے کے طریقے کو میپ پروجیکشن کہتے ہیں۔ کسی بھی ملک یا علاقہ خطوط طول بلد اور خطوط عرض بلد سے ظاہر کیا جاتا ہے جو اس کے محل وقوع کو بیان کرتا ہے۔

iii- علامات اور سمت

نقشے پر پہاڑ، دریا، سڑکیں اور شہر اصل حالت میں ظاہر نہیں کیے جا سکتے۔ اس طرح اور بھی بے شمار معلومات ہیں جن کو علامات کے ذریعے ظاہر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ کاغذ پر پہاڑ، سڑکیں نہیں بنائی جا سکتیں اس لیے ان سب کو مختلف قسم کی علامات سے ظاہر کیا جاتا ہے، جیسا کہ شہر ایک نقطے سے، سڑک سرخ خط سے، دریا، پانی نیلے رنگ سے اور پہاڑ بھورے خطوط کے ساتھ ظاہر کیے جاتے ہیں۔ نقشوں کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں مندرجہ بالا چیزوں کا علم ہونا چاہیے، جس سے نقشے کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اسی طرح سمت کا علم ہونا چاہیے، نقشوں میں شمال اوپر اور جنوب نیچے ہوگا، آپ کے دائیں ہاتھ پر مشرق اور بائیں ہاتھ مغرب ہوگا۔ سمتوں کی بنیاد پر ہم زمین کو شمالی اور جنوبی کروں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس طرح ممالک کو بھی تقسیم کرتے ہیں۔ مثلاً شمالی پاکستان اور جنوبی پاکستان وغیرہ وغیرہ۔

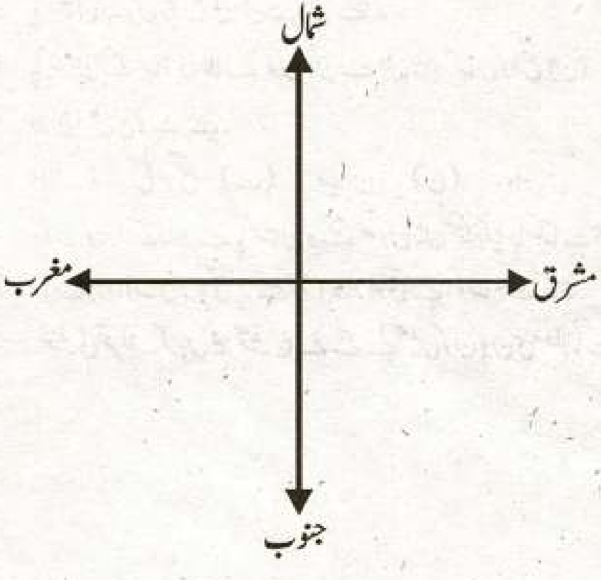

iv- خطوط طول بلد

خطوط طول بلد وہ خطوط ہیں جو خط استوا کو کاٹتے ہوئے قطب شمالی اور قطب جنوبی پر جا ملتے ہیں۔ خط نصف النہار جو لندن کے قریب گرین وچ کے مقام پر سے گزرتا ہے ان خطوط طول بلد کے مرکز میں واقع ہے۔ اس کا درجہ 0° ہے۔ 180° طول بلد اس کے مشرق اور 180° مغرب میں واقع ہیں۔ چنانچہ کل خطوط طول بلد کی تعداد 360° ہے۔

v- خطوط عرض بلد

خطوط عرض بلد وہ خطوط ہیں جو خط استوا کے متوازی شمالاً جنوباً پھیلے ہوتے ہیں۔ 90° خطوط شمال اور 90° جنوب میں واقع ہیں۔

vi- خط استوا

قطب شمالی اور قطب جنوبی کے وسط میں ایسا فرضی خط جو زمین کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرے اس کو خط استوا کہتے ہیں۔ خطوط عرض بلد اور طول بلد اور سمتوں کی بنیاد پر کسی ملک کے محل وقوع کو بیان کیا جاتا ہے یعنی کون سے ممالک دنیا کے کس حصے میں واقع ہیں۔ اسی طرح علامات کی بنیاد پر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ دنیا میں پہاڑ کہاں ہیں' دریا کس علاقے کو سیراب کرتے ہیں اور کہاں کہاں شہر واقع ہیں۔ پیمانہ کی مدد سے کسی دو مقامات کے درمیان فاصلے کو ماپنے میں آسانی ہوتی ہے۔ نقشے پر نیچے کی طرف پیمانہ دیا ہوتا ہے مثلاً ایک انچ برائے 10 میل یا ایک سینٹی میٹر برائے 5 کلومیٹر۔ اسی طرح پیمانہ خط کی شکل میں بھی ظاہر کیا جاتا ہے اور کسر اعتباری سے بھی ظاہر کیا جاتا ہے جن کی مدد سے نقشوں پر دیے گئے مقامات کے درمیان اصل فاصلوں کو ماپنے میں آسانی ہوتی ہے۔ نقشے چھوٹے اور بڑے پیمانے پر بنائے جاتے ہیں، چھوٹی سکیل پر مختصر معلومات اور بڑی سکیل پر تفصیلی معلومات ظاہر کی جاتی ہیں۔ نقشے آبادی، درجہ حرارت، سطح، زراعت، صنعت اور دیگر مختلف قسم کی سرگرمیوں کی تقسیم کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

سوالات

1- پاکستان کے محل وقوع کی اہمیت بیان کیجئے۔

2- پاکستان کے پہاڑی علاقے کون کون سے ہیں؟ اور کہاں واقع ہیں؟

3- درج ذیل پر نوٹ لکھیے۔

(الف) سطح مرتفع (ب) میدان (ج) وادیاں

4- آب و ہوا کے لحاظ سے پاکستان کو کتنے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے؟ ہر حصے کی تفصیل بیان کیجئے۔

5- آب و ہوا انسانی زندگی پر کیسے اثر انداز ہوتی ہے؟ وضاحت کیجئے۔

6- نقشہ کی تعریف کریں نیز نقشہ بنانے کے لیے ہمیں کون کون سی معلومات درکار ہوتی ہیں؟

باب 4
پاکستان کو اسلامی جمہوریہ بنانے کے اقدامات

جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی ایک طویل جدوجہد کے نتیجے میں پاکستان 14 اگست 1947ء کو ایک نئے اسلامی ملک کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر ابھرا۔ تحریک پاکستان دوقومی نظریہ کی مرہون منت تھی اور دوقومی نظریہ، نظریہ اسلام کی بنیاد پر قائم ہوا تھا۔ لہٰذا نظریہ اسلام اور پاکستان کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ضرورت اس امر کی تھی کہ پاکستان کو اسلامی جمہوریہ بنایا جائے۔ اس ضمن میں مارچ 1949ء میں پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے پہلا قدم اٹھایا'' جسے قرارداد مقاصد'' کا نام دیا گیا جس کا مقصد ملکی آئین کے بنیادی اصولوں کی وضاحت کرنا تھی۔ قرارداد مقاصد کے بعد پاکستان کو اسلامی جمہوریہ بنانے کے لیے بعد میں آنے والی حکومتوں نے کئی اقدام کیے جن کا ذکر تفصیل سے آئے گا۔

قرارداد مقاصد

پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خاں نے پہلی دستور ساز اسمبلی میں قرارداد مقاصد پیش کی جو 12 مارچ 1949ء کو منظور ہوئی۔ اس کی منظوری سے پاکستان کو اسلامی جمہوریہ بنانے کے لیے ایک راستہ متعین ہوگیا۔ قرارداد مقاصد کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

1-اللہ تعالیٰ کی حاکمیت

تمام کائنات پر اقتدار اعلیٰ (حاکمیت) کا مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ یہ اختیار پاکستان کے مسلمانوں کو تفویض کرتا ہے جو اسے مقدس امانت کے طور پر اللہ کی مقرر کردہ حدود کے مطابق استعمال کریں گے۔

2-اسلامی اصولوں کی پابندی

ریاست اپنے اختیارات کا استعمال عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے کرے گی۔ جمہوریت ، آزادی، مساوات، رواداری اور معاشرتی انصاف کے اسلامی اصولوں کو ملک میں نافذ کیا جائے گا۔

3-اسلامی طرز حیات

مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی شعبوں میں اپنی زندگیاں قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں گزارنے کے قابل بنایا جائے گا۔

4-اقلیتوں کے حقوق

غیر مسلم اقلیتوں کو اپنے مذہب اور عقائد پر عمل کرنے اور اپنی ثقافت اور روایات کو ترقی دینے کی مکمل آزادی ہوگی۔ اقلیتوں اور دیگر پسماندہ طبقوں کے جائز حقوق کی حفاظت کا انتظام کیا جائے گا۔

5-وفاقی نظام

ملک میں وفاقی نظام حکومت قائم کیا جائے گا جس میں صوبوں کو مقررہ آئینی حدود میں خودمختاری حاصل ہوگی۔

6- بنیادی حقوق

عوام کو تمام بنیادی حقوق حاصل ہوں گے۔ مزید برآں فکر و اظہار اور عقیدے و عبادات کے علاوہ تنظیم سازی کی بھی آزادی ہوگی۔

7- آزاد عدلیہ

عدلیہ اپنے کاموں میں بالکل آزاد ہوگی اور بغیر کسی دباؤ کے کام کرے گی۔

قراردادِ مقاصد کی اہمیت

(i) قرارداد مقاصد کا منظور ہونا آزادی کے بعد پہلا بڑا قدم تھا جس کو پہلی دستور ساز اسمبلی نے سرانجام دیا۔ اس کی منظوری سے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو قیام پاکستان کا مقصد حاصل ہوگیا۔

(ii) قرارداد مقاصد کو پاکستان کی دستور سازی کی تاریخ میں میگنا کارٹا کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اس کو پاکستان کے تینوں دساتیر میں دیباچہ کے طور پر شامل کیا گیا اور اسی کے متعین کیے ہوئے اسلامی اصولوں کو تمام دساتیر میں اپنایا گیا۔

(iii) قرارداد مقاصد کی منظوری سے مسلمانوں کے نمائندوں نے جمہوریت کے سنہری اصولوں کو اپنالیا۔ اسلامی ریاست کو جغرافیائی، نسلی اور قومی حدود سے بلند کرتے ہوئے انسانی بنیادوں پر تعمیر کرنے کا عزم کیا۔

بنیادی اصولوں کی کمیٹی

قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد دستور ساز اسمبلی نے متعدد کمیٹیاں قائم کیں جن میں "بنیادی اصولوں کی کمیٹی" بھی شامل تھی جس کے سربراہ وزیر اعظم لیاقت علی خاں خود تھے۔ اس کمیٹی نے عبوری رپورٹ 28 ستمبر 1950ء کو لیاقت علی خاں کی سربراہی میں پیش کی۔ نامکمل ہونے کی وجہ سے اس پر شدید ردعمل ہوا اور نظر ثانی کے لیے کہا گیا۔ چنانچہ دوسری رپورٹ 22 ستمبر 1952ء کو خواجہ ناظم الدین کی سربراہی میں پیش ہوئی۔ اس رپورٹ میں ایک حصہ اسلامی اصولوں کے لیے مخصوص کیا گیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ:-

(i) قرارداد مقاصد کو آئین کے ابتدائیہ میں شامل کیا جائے۔

(ii) مسلمانوں کو انفرادی یا اجتماعی طور پر قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق زندگیاں گزارنے کے مواقع دیے جائیں۔

(iii) شراب، جوئے اور سود کو غیر قانونی قرار دیا جائے۔

(iv) موجودہ قوانین کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے۔

(v) ملکی معاشی پالیسی ایسی بنائی جائے جس میں چند ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز کو روکا جائے اور ملک کو خوشحالی کی راہ پر گامزن کیا جائے۔

(vi) کسانوں اور مزدوروں کو مناسب حقوق دیے جائیں۔

(vii) قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہ بنایا جائے اور صرف سپریم کورٹ کو یہ اختیار دیا جائے وہ فیصلہ کرے کہ کون سا قانون قرآن وسنت کے خلاف ہے۔

(viii) نیکی کا حکم دینے اور بدی کو روکنے کے لیے ایک ادارہ قائم کیا جائے۔

پاکستان کے دساتیر میں اسلامی دفعات

1- دستور پاکستان 1956ء

دوسری دستور ساز اسمبلی کا انتخاب 23 جون 1955ء کو ہوا۔ 80 ارکان پر مشتمل اسمبلی معرض وجود میں آئی۔ چوہدری محمد علی ملک کے وزیراعظم بنے۔ وزیراعظم بنتے ہی انھوں نے دستور سازی کا کام شروع کر دیا۔ آئین کا مسودہ 9 جنوری 1956ء کو دستور ساز اسمبلی میں پیش کیا گیا جسے 29 فروری 1956ء کو منظور کیا گیا۔ گورنر جنرل کی منظوری کے بعد یہ 23 مارچ 1956ء کو نافذ ہوا۔ اس آئین کی اسلامی دفعات مندرجہ ذیل ہیں۔

i- ملک کا نام

اس دستور کے مطابق ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔

ii- اللہ تعالیٰ کی حاکمیت

قرارداد مقاصد کو دستور کے ابتدائیہ میں شامل کیا گیا جس کے مطابق پوری کائنات پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت ہے۔

iii- مسلمان صدر

دستور کے مطابق ملک کا صدر مسلمان ہوگا۔

iv- اسلامی قانون

ایسا کوئی قانون نافذ نہیں کیا جائے گا جو قرآن وسنت کی تعلیمات کے خلاف ہو اور موجودہ قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھالا جائے گا۔

v- ادارہ تحقیقات اسلامی

دستور کے مطابق ادارہ تحقیقات اسلامی قائم کیا جائے گا جو اسلامی احکام کی تدوین ونفاذ کے بارے میں تحقیق کرے گا۔

vi- سود کا خاتمہ

ملک میں سود کا جلد از جلد خاتمہ کیا جائے گا۔

vii- اتحاد عالم اسلام

پالیسی کے رہنما اصولوں میں کہا گیا کہ پاکستان کے دیگر اسلامی ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کیے جائیں گے۔

2- دستور پاکستان 1962ء

ملک میں سیاسی انتشار کے باعث جنرل ایوب خاں نے 1956ء کا آئین منسوخ کر کے اکتوبر 1958ء کو ملک میں مارشل لاء لگا دیا اور نئے آئین کی تیاری کے لیے ایک کمیشن مقرر کر دیا۔ کمیشن نے ایک مسودہ تیار کیا جس میں تمام اختیارات کا سرچشمہ صدر کو بنا دیا

گیا۔8 جون 1962ء کو نئے دستور کو لاگو کیا گیا جس کی اسلامی دفعات مندرجہ ذیل ہیں۔

i-اللہ تعالیٰ کی حاکمیت

قرارداد مقاصد کو بھی 1962ء کے دستور کے ابتدائیہ میں شامل کیا گیا جس کے مطابق تمام اختیارات کی مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہ یہ اختیارات مسلمانوں کو تفویض کرتا ہے جو اس کو مقدس امانت سمجھ کر استعمال کریں گے۔

ii-ملک کا نام

دستور میں ملک کا نام جمہوریہ پاکستان تجویز کیا گیا بعد میں ایک ترمیم کے ذریعے ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔

iii-اسلامی قوانین

کوئی ایسا قانون لاگو نہیں کیا جائے گا جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہو اور تمام موجودہ قوانین کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالا جائے گا۔

iv-صدر مملکت

ملک کا سربراہ صدر مسلمان ہوگا۔

v-قرآن واسلامیات کی تعلیم

قرآن واسلامیات کی تعلیم مسلمانوں کے لیے لازمی قرار دی جائے گی۔

vi-اسلامی ادارے

حکومت زکوٰۃ، اوقاف اور مساجد کی تنظیم کے لیے ادارے قائم کرے گی۔

vii-اسلامی مشاورتی کونسل

اسلامی مشاورتی کونسل قائم کی جائے گی جو مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو مسلمانان پاکستان کی زندگیوں کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کے سلسلے میں اقدامات تجویز کرے گی۔

viii-ادارہ تحقیقات اسلامیہ

حکومت ادارہ تحقیقات اسلامیہ قائم کرے گی جو اسلامی احکام کے بارے میں اپنی رائے دے گا۔

3-دستور پاکستان 1973ء

صدر ایوب خاں اپنے خلاف عوامی تحریک کے نتیجے میں 25 مارچ 1969ء کو مستعفی ہو گئے۔ جنرل محمد یحییٰ خاں نے ملک میں مارشل لاء لگا کر آئین کو منسوخ کر دیا۔ جنرل یحییٰ خاں نے دسمبر 1970ء میں اسمبلیوں کے انتخابات کروائے۔ انتخابات کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمن کو اور مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کو اکثریت حاصل ہوگئی۔ بدقسمتی سے اقتدار کی منتقلی کا کوئی سمجھوتہ طے نہ پاسکا اور ہندوستان کی مداخلت کی وجہ سے 16 دسمبر 1971 کو مشرقی پاکستان الگ ہو کر بنگلہ دیش بن گیا۔

20 دسمبر 1971ء کو فوجی حکومت نے اقتدار ذوالفقار علی بھٹو کے حوالے کر دیا جس نے 12 اپریل 1972ء کو ملک میں ایک عبوری

آئین لاگو کیا۔ اس دوران مستقل آئین کا مسودہ اسمبلی میں پیش ہوا جو اپریل 1973ء کو منظور ہوا اور جسے 14 اگست 1973ء کو نافذ کر دیا گیا۔

دستور 1973ء میں وہ تمام اسلامی دفعات شامل کی گئیں جو پہلے دساتیر میں موجود تھیں بلکہ ان میں اضافہ بھی کیا گیا۔ نمایاں اسلامی دفعات مندرجہ ذیل ہیں۔

i- اللہ تعالیٰ کی حاکمیت

1973ء کے آئین میں قراردادِ مقاصد کو ابتدائیہ میں شامل کیا گیا جس کے مطابق کل کائنات کا حاکم مطلق اللہ تعالیٰ ہے اور اقتدارِ اعلیٰ اسی کی ذات کو حاصل ہے۔ پاکستان کے عوام اقتدارِ اعلیٰ کو اللہ تعالیٰ کی مقدس امانت سمجھتے ہوئے اور اُس کی مقرر کردہ حدود میں رہتے ہوئے استعمال کریں گے۔

ii- ملک کا نام

ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہوگا۔

iii- سرکاری مذہب

ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔

iv- صدر اور وزیرِ اعظم

صدر اور وزیرِ اعظم دونوں مسلمان ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کو واحد اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری رسولؐ مانتے ہوں۔

v- مسلمان کی تعریف

1973ء کے آئین میں پہلی دفعہ مسلمان کی تعریف شامل کی گئی۔ جس کی رو سے توحید، رسالت، قیامت، اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لانے کے علاوہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو آخری نبیؐ تسلیم کرنا لازمی ہے۔

vi- اسلامی قوانین کا نفاذ

موجودہ قوانین کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے گا اور کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو اسلام کی تعلیمات کے متصادم ہو۔

vii- لازمی اسلامی تعلیمات

قرآن اور اسلامیات کی تعلیم سکولوں اور کالجوں میں لازمی ہوگی۔

viii- عربی کی تعلیم اور قرآن پاک کی طباعت

سکولوں میں چھٹی سے آٹھویں تک عربی کی تعلیم لازمی ہوگی اور قرآن پاک کی طباعت غلطیوں سے پاک کی جائے گی۔

ix- اسلامی اقدار

اسلامی اقدار یعنی جمہوریت، انصاف، رواداری، آزادی اور مساوات آئین کا حصہ ہوں گے۔

x- مسلمان کی طرزِ زندگی

ایسے حالات مہیا کیے جائیں گے کہ مسلمان انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر اپنی زندگیاں اسلام کے مطابق ڈھال سکیں گے۔

xi-زکوۃ وعشر

1973ء کے آئین کے مطابق حکومت زکوۃ وعشر کا نظام قائم کرے گی اور زکوۃ کونسلیں بھی قائم کی جائیں گی۔

xii-سود کا خاتمہ

حکومت سود کے نظام کو ختم کرے گی اور ملکی معیشت کو سود سے پاک کیا جائے گا۔

xiii-اسلامی نظریاتی کونسل

اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی جائے گی جو قوانین کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنانے میں قانون ساز اداروں کی راہنمائی کرے گی اور موجودہ قوانین کو بھی اسلام کے مطابق ڈھالے گی۔

پاکستان میں نفاذِ اسلام کے لیے اقدامات

قرارداد مقاصد نے مستقبل کے تمام آئین سازوں کو اس امر کا پابند کر دیا تھا کہ وہ اسلامی نظریے کی بالادستی کو تسلیم کریں۔ یہی وجہ تھی کہ 1956ء، 1962ء، اور 1973ء کے دساتیر میں اسلامی رنگ نمایاں تھا۔ ان میں بہت سی اسلامی دفعات شامل کر لی گئی تھیں' مثلاً اللہ تعالیٰ کی تمام کائنات پر حاکمیت تسلیم کرنا اسلام کو سرکاری مذہب قرار دینا اور آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کرنے جیسے اقدامات کیے گئے۔ اسی طرح آنے والے ادوار میں بھی یہ کوشش جاری رہی۔

1-زکوۃ وعشر کا نظام

20 جون 1980ء کو زکوۃ وعشر کا نظام جاری کیا گیا۔ اس نظام کے مطابق صاحب نصاب مسلمانوں سے ہر سال بینکوں میں جمع شدہ اثاثوں کی بنیاد پر یکم رمضان کو اڑھائی فیصد زکوۃ وصول کی جاتی ہے۔ زکوۃ کی یہ رقم زکوۃ کونسلوں کے ذریعے مستحقین میں تقسیم کی جاتی ہے۔ عشر کی وصولی کا کام عملی طور پر 1983ء میں شروع ہوا۔ جس کے مطابق سالانہ پیداوار کی مخصوص حد کا 10 فیصد عشر وصول کیا جاتا ہے۔

2-شرعی حدود کا نفاذ

10 فروری 1979ء کو شرعی حدود کا آرڈیننس نافذ کیا گیا جس کے مطابق چوری' شراب نوشی اور زنا کے جرائم پر شرعی سزائیں دینے کے احکامات جاری کیے گئے۔

3-سود کا خاتمہ

سود سے نجات حاصل کرنے کے لیے یکم جنوری 1981ء سے نفع ونقصان کی بنیاد پر کھاتے کھولے گئے۔ اور یکم جولائی 1984ء سے تمام سیونگ اکاؤنٹس کو پی۔ ایل۔ ایس کھاتوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ علاوہ ازیں سرکاری تحویل میں کام کرنے والے مالیاتی اداروں نے بھی شراکت کی بنیاد پر قرضے جاری کرنے شروع کر دیئے۔

4-شرعی عدالتوں کا قیام

10 فروری 1979ء کو ایک آرڈیننس کے ذریعے تمام ہائیکورٹس میں شریعت بنچ قائم کر دیئے گئے۔ جن میں علماء کو بطور جج شامل کر دیا گیا۔ مئی 1980ء میں شریعت بنچوں کی بجائے وفاقی شرعی عدالت قائم کی گئی جو ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیل سنتی تھی اور اسلام

کی تشریح کرتی تھی۔ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلوں کے خلاف اپیل کی سماعت سپریم کورٹ کا بنچ کرتا ہے۔ یہ عدالت اسلام سے متصادم قوانین اور اقدامات کو کالعدم قرار دے سکتی ہے۔

5-اسلامیات کی لازمی تعلیم

تعلیمی نظام کو اسلام سے ہم آہنگ کرنے کے لیے تمام کلاسوں میں اسلامیات کی تعلیم لازمی قرار دے دی گئی۔

6-احترام رمضان آرڈی نینس

ماہ رمضان کے احترام کے لیے ایک آرڈی نینس جاری کیا گیا اور احترام رمضان نہ کرنے والے کو تین ماہ قید اور 500 روپے جرمانہ کی سزا دی جاسکتی ہے۔

7-اہتمام نماز

سرکاری دفاتر، سکولوں اور کالجوں میں ظہر کی نماز کا اہتمام کیا گیا۔ لوگوں کو نماز پر راغب کرنے کے لیے نماز کمیٹیاں قائم کی گئیں۔

8-عربی کی لازمی تعلیم

سکولوں میں جماعت ششم سے جماعت ہشتم تک عربی زبان کی تعلیم لازمی قرار دے دی گئی۔

9-بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کا قیام

2 جنوری 1981ء سے اسلام آباد میں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی نے کام کرنا شروع کر دیا جو اسلامی قانون کے ہر پہلو پر تحقیق کرتی ہے۔

10-دینی مدارس کی سرپرستی

اس دور میں دینی مدارس کی سرپرستی کی گئی اور ان کو سالانہ امداد دی گئی، اور ان کی اسناد کو ایم۔ اے کے برابر درجہ دے دیا گیا۔

اسلامی قانون کے نفاذ میں مشکلات

عملی طور پاکستان کا آئین اسلامی اصولوں پر استوار ہے۔ قرار داد مقاصد کے تحت وقتاً فوقتاً جو اقدامات تجویز کیے گئے ان پر خلوصِ دل سے عمل درآمد نہ ہو سکا۔ اس کی بنیادی وجہ وہ چند با اختیار لوگ ہیں جو انگریز کے بنائے ہوئے قوانین کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ہمارے ملک کا ایک طبقہ ملک کو سیکولر ریاست بنانے کے لیے کوشاں ہے۔ ان افراد کی ریشہ دوانیوں کی بدولت اسلامی قوانین کا نفاذ نہ ہو سکا۔ اس کے علاوہ علماء کے مختلف طبقوں نے اسلامی قوانین کی تشریح اپنے اپنے نقطہ نظر سے کی۔ اسلامی قوانین کو نافذ کرنے میں اسلام کے متعلق مختلف نعرے لگائے اور اسلامی قوانین کے سلسلے میں ابہام پیدا کیا۔ عوام الناس کی ناخواندگی اور ملکی معاشی حالات بھی اسلامی قوانین کو نافذ کرنے میں رکاوٹ ہیں۔

شہریوں کے حقوق و فرائض

شہریوں کے حقوق

وہ مطالبات جو شہری اپنی بھلائی کے لیے کرتے ہیں، جن کو حکومت تسلیم کر لیتی ہے اور ان کو پورا کرتی ہے، شہریوں کے حقوق

کہلاتے ہیں۔ حقوق دو طرح کے ہوتے ہیں۔

1- اخلاقی حقوق

اخلاقی حقوق کی اساس کسی معاشرہ میں رائج اخلاقی اقدار پر ہوتی ہے۔ جس قسم کے اخلاقی اقدار کسی معاشرے میں رائج ہوں گے اس نوعیت کے اخلاقی حقوق اس معاشرہ کے افراد کو حاصل ہوں گے مثلاً والدین کی خدمت ان کا حق ہے اور شوہر کا حق ہے کہ بیوی اس کی فرماں بردار بنے۔ ان حقوق کے ادا نہ کرنے پر قانون متحرک نہیں ہوسکتا۔

2- قانونی حقوق

وہ حقوق جنہیں ریاست تسلیم کرتی ہے اگر کوئی ان حقوق کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کو سزا دی جاتی ہے یعنی حقوق کے پیچھے ریاست کی طاقت ہوتی ہے۔ قانونی حقوق کی درج ذیل دو اقسام ہیں۔

(الف) معاشرتی حقوق (ب) سیاسی حقوق

(الف) معاشرتی حقوق

یہ وہ حقوق ہیں جن کے بغیر مہذب زندگی ناممکن ہوتی ہے اور ان کی عدم موجودگی میں کسی مہذب معاشرہ کا قیام ناممکن ہے۔ یہ حقوق مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) حق زندگی

ہر شہری کو زندہ رہنے کا بنیادی حق حاصل ہوتا ہے۔

(ii) رہائش کا حق

ریاست کا شہری ریاست کے جس حصہ میں رہائش رکھنا چاہے اس کو حق حاصل ہے۔

(iii) حق جائیداد

ہر شہری کو جائیداد رکھنے کا حق حاصل ہے۔

(iv) حق خاندان

ہر شہری کو اپنی مرضی سے شادی کرنے اور خاندان رکھنے کا حق حاصل ہے۔

(v) حق ملازمت و کاروبار

ہر شہری کو اپنی مرضی کی ملازمت، پیشہ یا کاروبار کرنے کا حق حاصل ہے۔

(vi) حق عقیدہ و مذہب

ہر شخص کو اپنی مرضی کا مذہب اختیار کرنے اور عقائد کے مطابق عبادات کرنے کا حق ہے۔

(vii) حق تحریر و تقریر

ہر شہری کو تحریر و تقریر کی آزادی کا حق حاصل ہے۔

(viii) حقِ انجمن سازی

ہر شخص کو انجمن سازی یا پہلے سے موجود انجمن میں شامل ہونے کا حق حاصل ہے۔

(ix) حقِ زبان وثقافت

ہر شخص کو اپنی زبان اور ثقافت کی ترقی اور حفاظت کے لیے مناسب اقدامات کرنے کا حق حاصل ہے۔

(x) حقِ تعلیم

ہر شہری کو حصولِ تعلیم کی سہولتیں حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔

(xi) حقِ معاہدہ

ہر فرد کو دوسرے کے ساتھ کاروبار کے لیے معاہدہ کرنے کا حق حاصل ہے۔

(xii) آزادیٔ نقل وحرکت

شہریوں کو ریاست کے اندر نقل وحرکت کی پوری آزادی ہوتی ہے۔

(xiii) حقِ مساوات

ہر شہری قانون کی نظر میں برابر ہے اور وہ مساوی سماجی حیثیت کا مالک ہے۔

(ب) سیاسی حقوق

جمہوریت کی بقاء اور شہری کی سیاسی نشوونما کے لیے سیاسی حقوق ضروری ہیں۔ ہر شہری کو مندرجہ ذیل سیاسی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

(i) حقِ رائے دہی

ہر شہری اپنی مرضی سے اپنی پسند کے امیدوار کو ووٹ دے سکتا ہے۔

(ii) حقِ نمائندگی

ہر فرد کو الیکشن میں امیدوار بننے کا بھی حق حاصل ہے۔

(iii) حقِ منصب وعہدہ

منتخب ہونے کے بعد ہر شہری کو سرکاری عہدہ حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔

(iv) حقِ تنقید

ہر فرد کو حکومت پر تنقید کرنے کا یا اپنی رائے پیش کرنے کا حق حاصل ہے۔

(v) حقِ جماعت

ہر شخص کو کسی سیاسی جماعت میں شامل ہونے یا اپنی جماعت بنانے کا حق حاصل ہے۔

(vi) حقِ عرضداشت

ہر شہری کو حکومت کے نام شکایتی عرضی بھیجنے کا حق حاصل ہے۔

1973ء کے آئین میں شہریوں کے حقوق

پاکستان کے آئین 1973ء میں بھی شہریوں کو بے شمار بنیادی حقوق دیئے گئے ہیں۔ مزید یہ پابندی بھی عائد کی گئی ہے کہ حکومت بنیادی حقوق کو سلب کرنے کے لیے کوئی قانون نہیں بنا سکتی پاکستان میں شہریوں کو ملنے والے حقوق مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) کسی شہری کو زندگی سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔

(ii) کسی شہری کو وجوہات بتائے بغیر گرفتار نہیں کیا جاسکتا یا گرفتاری کے بعد 24 گھنٹے کے اندر کسی مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا جاتا ہے۔

(iii) کسی شہری کو سابقہ جرم کی سزا نہیں دی جاسکتی۔

(iv) کسی فرد کو ایک ہی جرم پر دوہری سزا نہیں دی جاسکتی۔

(v) ہر شہری کو پاکستان میں نقل وحرکت پر مکمل آزادی ہے۔

(vi) ہر شہری کو پرامن طور پر اکٹھے ہونے کی اجازت ہے۔

(vii) ہر شہری کو انجمن یا یونین بنانے کا حق حاصل ہے۔

(viii) ہر فرد کو تجارت، کاروبار یا کوئی پیشہ اپنانے کی مکمل اجازت ہے۔

(ix) ہر شہری کو تقریر کی آزادی حاصل ہے۔

(x) ہر شہری کو کسی مخصوص مذہب کے پرچار کا حق ہے۔

(xi) ہر شخص کو جائیداد خریدنے کی مکمل آزادی ہے۔

(xii) کسی شہری کو جائیدار رکھنے کے حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔

(xiii) تمام شہری بلا امتیاز مذہب، رنگ، نسل اور جنس کے قانون کی نظر میں برابر ہیں اور معاشرتی طور پر ایک جیسا مقام رکھتے ہیں۔

(xiv) ہر شہری کو ملازمت میں امتیاز نہ برتنے کی آزادی حاصل ہے۔

(xv) ہر شہری کو اس کی زبان وثقافت کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔

شہریوں کے فرائض

شہریوں کو جو حقوق دیئے جاتے ہیں ان کے بدلے ان پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں جن کو فرائض کہتے ہیں۔
شہریوں کے اہم فرائض درج ذیل ہیں۔

1-وفاداری

ہر شہری اپنے ملک کا وفادار ہو اور اس کی حفاظت کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہو۔

2- قوانین کی پابندی

تمام شہری ریاست کے قوانین کی پابندی کرتے ہیں اور قانون شکنی سے باز رہتے ہیں۔

3- ٹیکسوں کی ادائیگی

ہر شہری وقت پر اپنے ملک کے ٹیکسوں کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے۔

4- ووٹ کا صحیح استعمال

ووٹ کا صحیح استعمال بھی ہر شہری کی اہم ذمہ داری ہے۔

5- خدمت خلق

ہر شہری کا یہ فرض ہے کہ وہ عوام کی خدمت کے کاموں میں حصہ لے۔

6- تعلیم کا حصول

ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ خود بھی تعلیم حاصل کرے اور اپنے بچوں کو بھی تعلیم دلانے کا بندوبست کرے۔

7- قومی مفاد

ہر شہری کی ذمہ داری ہے کہ وہ ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دے۔

1973ء کے آئین میں شہریوں کے فرائض

پاکستان کے موجودہ 1973ء کے آئین میں بھی شہریوں کو چند ایک فرائض سونپے گئے ہیں جنہیں وہ ہر صورت میں پورا کرنے کے پابند ہیں۔

یہ کم وبیش وہی فرائض ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ یعنی ملک کا وفادار ہونا' قوانین کی پابندی' ٹیکسوں کی وقت پر ادائیگی' ووٹ کا صحیح استعمال اور قومی مفاد کا تحفظ وغیرہ۔ اگر پاکستان کا کوئی شہری ان فرائض کو پورا نہیں کرتا تو وہ ملک وقوم دونوں کا مجرم ہے اور اسے معاشرے میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاسکتا۔ ان فرائض کو پورا کرنا ہر شہری کا اخلاقی وقانونی فرض ہے کیونکہ ایک شہری کا حق دوسرے شہری کا فرض ہوتا ہے اور اسی طرح دوسرے کا حق پہلے کا فرض ہے۔ ہر معاشرہ میں حقوق وفرائض میں توازن قائم رکھنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ حقوق وفرائض لازم و ملزوم ہیں۔ جس معاشرہ میں توازن قائم نہیں رہتا اس میں ظلم وناانصافی کا دوردورہ ہوتا ہے۔ اس لیے ہر شہری کو چاہیے کہ وہ جہاں اپنے حقوق سے فائدہ حاصل کرتا ہے وہاں اپنے فرائض کو بھی خوش اسلوبی سے نبھائے۔

انسانی حقوق

انسانی حقوق کا تصور سب سے پہلے ہمارے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے دے دیا تھا۔ یہ باقاعدہ انسانی حقوق کا چارٹر تھا۔ جس نے انسانی بنیادی حقوق کی بنیاد رکھی۔ جدید دور میں بھی انسانی حقوق کو کافی اہمیت دی گئی۔ ہر ملک جمہوریت کی طرف رواں دواں ہوا اور دساتیر کو اپنانا شروع کردیا۔ فرانس کی تقلید کرتے ہوئے ہر ملک کے دستور میں بنیادی حقوق کا ایک باب شامل کیا

جانے لگا۔ اسی طرح پاکستان نے جب 1956ء میں پہلا دستور لاگو کیا تو بنیادی حقوق کا ایک باب اس کا ضروری حصہ بنا۔ اس دستور کی منسوخی کے بعد جب 1962ء میں دوسرا دستور بنایا گیا تو بنیادی حقوق کا باب اس میں شامل نہ تھا۔ عوام کے مطالبہ کے پیش نظر دستور میں دوسری ترمیم کے ذریعے اس باب کو شامل کیا گیا۔ دستور 1973ء قومی اسمبلی میں متفقہ طور پر منظور ہوا جس میں بھی بنیادی حقوق کا باب شامل کیا گیا۔ لہٰذا انسانی بنیادی حقوق عموماً ملکی دساتیر کے عطا کردہ ہوتے ہیں۔

انسانی حقوق کی خصوصیات

انسانی بنیادی حقوق کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں۔

(i) انسانی بنیادی حقوق کسی کی بخشش نہیں ہوتے بلکہ ہر انسان پیدا ہوتے ہی ان حقوق کا دعویدار بن جاتا ہے۔

(ii) انسانی بنیادی حقوق کی حیثیت ہمہ گیر ہوتی ہے۔

(iii) انسانی بنیادی حقوق کو حکومت غصب نہیں کر سکتی۔

(iv) انسانی بنیادی حقوق کا محافظ ملکی دستور ہوتا ہے۔

(v) انسانی بنیادی حقوق کو قانونی حقوق سے بڑھ کر حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

(vi) بنیادی حقوق کا تحفظ ملکی عدالتیں کرتی ہیں۔

خطبہ حجتہ الوداع اور انسانی حقوق

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے دسویں سال حج کا ارادہ فرمایا اور عرب کے تمام علاقوں میں اپنا پیغام بھجوایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سال حج کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے اس لیے تمام مسلمانوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریکِ حج ہوں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 25 ذی القعدہ 10 ہجری کو ایک لاکھ چالیس ہزار جانثاروں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ 4 ذوالحج 10 ہجری کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ پہنچ گئے اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج ادا فرمایا۔

آخری خطبہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان عرفات میں جبل الرحمت کے قریب کھڑے ہو کر آخری خطبہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اے لوگو! میرے الفاظ غور سے سنو کیونکہ یہ میں نہیں جانتا کہ اگلے سال بھی میں آپ کے درمیان ہوں گا۔ یاد رکھیے آپ نے اپنے خدا کے سامنے پیش ہونا ہے جو آپ سے آپ کے کاموں کا حساب لے گا۔"

"اے لوگو! آپ کو اپنی بیویوں پر حق حاصل ہے ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔ یقیناً وہ اللہ کے حکم سے آپ کی حفاظت میں ہیں اور اللہ کے حکم سے آپ پر حلال ہیں۔"

"اپنے غلاموں کو وہی کھلاؤ اور وہی پہناؤ جو تم خود اپنے لیے کھانا اور پہننا پسند کرتے ہو۔ اگر وہ کوئی غلطی کر بیٹھیں اور آپ انھیں معاف کرنے کے لیے تیار نہ ہوں تو تب انھیں آزاد کر دیں اور ان کے ساتھ سختی سے مت پیش آئیں۔"

''اے لوگو! میرے الفاظ سن لو اور یاد رکھو کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ جب تم آپس میں بھائی بھائی ہو تو اپنے بھائی کا مال مت لو جس کو وہ خوشی سے دینا نہ چاہے۔ ناانصافی کرنے سے اپنے آپ کو روکو۔''

''اللہ کی دن میں پانچ بار عبادت کرو۔ ماہ رمضان میں روزے رکھو۔ اپنے مال پر زکوٰۃ دو اور اللہ کے گھر کا حج ادا کرو۔''

''وہ لوگ جو آج موجود ہیں ان کو بتائیں جو آج موجود نہیں ہیں۔''

خلاصہ

خطبہ حجۃ الوداع انسانی حقوق کا ایک مسلمہ بین الاقوامی چارٹر ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

(i) تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

(ii) تمام لوگ حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔ تمام انسان برابر اور ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔

(iii) ہر فرد کی زندگی، جائیداد اور عزت دوسرے کے لیے مقدس ہے۔

(iv) عورتوں کے حقوق مسلمہ ہیں۔ ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے۔ عرب معاشرہ میں عورت کو پہلی دفعہ حقوق دیئے گئے اور بلند درجہ عطا فرمایا گیا۔

(v) خطبہ میں غلاموں کے حقوق کو بھی محفوظ کیا گیا اور لوگوں کو کہا گیا کہ ان کے لیے وہی پسند کرو جو تم اپنے ساتھ پسند کرو گے۔

(vi) گورے کو کالے پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں یعنی گورا، کالا، عربی اور عجمی آپس میں برابر ہیں۔

ان تمام حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خطبہ حجۃ الوداع عالمی انسانی حقوق کا ایک مکمل اور جامع چارٹر ہے جس میں تمام انسانوں کو برابر کر دیا گیا ہے۔ ہر قسم کی اونچ نیچ ختم کر دی گئی ہے اور غلام کو مالک کے برابر حقوق دیے گئے ہیں۔

انسانی حقوق کا عالمی منشور (1948ء)

اقوام متحدہ کی کوششوں سے فروری 1946ء میں انسانی حقوق کا کمیشن بنا جس کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ انسانی حقوق کا مسودہ تیار کر کے 1948ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے سامنے پیش کرے۔ کمیشن کے سامنے ایک بہت ہی کٹھن کام تھا کیونکہ اقوام متحدہ کے اُس وقت کے 58 رکن ممالک میں مذہبی روایات، سیاسی نظریات، قانونی نظاموں، اقتصادی، سماجی اور ثقافتی طریقوں میں بڑے اختلافات موجود تھے۔ ایسے مسودہ کی تیاری جو سب کے لیے قابل قبول ہو واقعی مشکل کام تھا۔

انسانی حقوق کے کمیشن نے مسودہ تیار کر کے جنرل اسمبلی کے سامنے منظوری کے لیے پیش کر دیا۔ جنرل اسمبلی نے 10 دسمبر 1948ء کو اسے منظور کیا۔ مسودہ کی منظوری سے انسان کی عزت و وقار میں بے حد اضافہ ہوا۔

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی اہم باتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

1- سب انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور حقوق و عزت کے لحاظ سے برابر ہیں اس لیے انھیں ایک دوسرے سے بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

2- ہر شخص بلا امتیاز رنگ، نسل، زبان، مذہب، عقیدہ اور ملک کے برابر ہیں اور ان کو برابر کی آزادیاں اور حقوق حاصل ہیں۔ نیز ان کے ساتھ بین الاقوامی حیثیت کی بنیاد پر برابری کا سلوک کیا جائے گا۔

3- ہر شخص کو اپنی جان، آزادی اور ذاتی دفاع کا حق حاصل ہے۔

4- کسی بھی شخص کو غلام بنا کر نہیں رکھا جاسکتا۔ غلاموں کا بیوپار ہر شکل وصورت میں ممنوع ہے۔

5- کسی بھی فرد سے نہ ظالمانہ، انسانیت سوز اور ذلت آمیز برتاؤ کیا جائے گا اور نہ ہی جسمانی ایذا کی سزا دی جائے گی۔

6- ہر فرد کو ہر جگہ اس کی شخصیت کو قانوناً تسلیم کیے جانے کا حق حاصل ہے۔

7- تمام افراد قانون کی رو سے برابر ہیں اور ہر ایک کو یکساں قانونی دفاع کا حق حاصل ہے۔

8- ہر فرد کو دستور یا قانون میں حاصل بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کے خلاف با اختیار قومی عدالتوں سے موثر انصاف حاصل کرنے کا حق ہے۔

9- کسی بھی فرد کو آمرانہ طریقے سے گرفتار، نظر بند یا جلاوطن نہیں کیا جاسکتا۔

10- ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ اس پر عائد الزام کے بارے میں مقدمے کی سماعت آزاد اور غیر جانبدار عدالت کے کھلے اجلاس میں ہو۔

11- ہر فرد کو اس کی نجی زندگی، خاندان، گھر بار اور خط و کتابت میں عدم مداخلت کا حق حاصل ہے اسی طرح اس کی عزت اور نیک نامی پر حملہ بھی ممنوع ہے۔ اس صورت میں اسے قانون کے ذریعے دفاع کا حق حاصل ہے۔

12- ہر فرد کو اس کے ملک میں یا بیرون ملک آمد و رفت یا سکونت اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔

13- ہر فرد اس وقت تک بے قصور سمجھا جائے گا جب تک عدالت سے مجرم ثابت نہیں ہوتا۔

14- ہر فرد کو اذیت سے بچنے کے لیے دوسرے ملک میں پناہ کا حق ہے۔ پناہ ملنے کی صورت میں اس ملک کی تمام سہولتوں کا بھی حقدار ہوتا ہے۔

15- ہر فرد کو قومیت کا حق حاصل ہے۔

16- بالغ مرد اور عورت کو نسل، قومیت یا مذہب کی پابندی کے بغیر شادی کرنے اور گھر آباد کرنے کا حق ہے۔

17- ہر فرد کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد بنانے اور رکھنے کا حق حاصل ہے۔

18- ہر فرد کو فکر، ضمیر اور مذہب کی آزادی کا پورا حق حاصل ہے۔

19- ہر فرد کو رائے رکھنا اور اس کے اظہار کی آزادی کا پورا حق حاصل ہے۔

20- ہر فرد کو جماعت بنانے یا جماعت میں شامل ہونے کا آزادانہ حق حاصل ہے۔

21- ہر فرد کو اپنی حکومت میں بلاواسطہ یا بالواسطہ آزادانہ حصہ لینے کا حق حاصل ہے۔

22- ہر فرد کو روزگار یا آزادانہ کاروبار کرنے اور اس کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔

23- ہر فرد کو اپنے بیوی بچوں کی تندرستی، فلاح اور ترقی کے لیے زندگی کے مناسب معیار کا حق حاصل ہے۔

24- ہر فرد کو تعلیم حاصل کرنے کا حق ہے۔

25- ہر فرد کو قوم کی ثقافتی زندگی میں حصہ لینے نیز ادب اور سائنس کی ترقی سے مستفید ہونے کا حق حاصل ہے۔

سوالات

1- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ حجۃ الوداع انسانی حقوق کا ایک مسلمہ بین الاقوامی چارٹر ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع کی اہم باتوں کی روشنی میں اس کا جائزہ لیجیے۔

2- قراردادِ مقاصد کے کوئی پانچ نکات بیان کیجیے؟

3- 1973ء کے دستور کی اسلامی دفعات کا جائزہ لیجیے۔

4- پاکستان میں نفاذِ اسلام کے لیے کی گئی کوششوں کا ذکر کیجیے۔

5- شہریوں کے کوئی سے دس معاشرتی حقوق بیان کیجیے۔

6- شہریوں کے کوئی سے پانچ سیاسی حقوق بیان کیجیے۔

7- شہریوں کے کوئی سے سات فرائض بیان کیجیے۔

8- انسانی حقوق کے عالمی منشور (1948ء) کے کوئی سے دس نکات بیان کیجیے۔

باب 5

پاکستان کا حکومتی ڈھانچہ اور اچھا نظامِ حکومت

پاکستان کا موجودہ وفاقی وصوبائی حکومتوں کا انتظامی ڈھانچہ 1973ء کے دستور کے تحت کام کر رہا ہے۔ جس میں آزادی ایکٹ 1947 کی بعض دفعات، پاکستان کا پہلا دستور 1956ء پاکستان کا دوسرا دستور 1962ء اور پاکستان کا عبوری دستور 1972ء بھی شامل ہیں۔

وفاقی نظام میں وفاق اور صوبوں کو دستور کے مطابق ایک دوسرے پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کے معاملات اور وفاق اور صوبوں کے تعلقات دستور میں طے شدہ ہیں۔ قومی اہمیت کے امور مثلاً دفاع، بین الاقوامی تعلقات، کسٹم اور خزانہ وغیرہ وفاق کے سپرد ہیں جبکہ مقامی اور صوبائی امور مثلاً تعلیم، صحت، مقامی حکومتیں، زراعت وصنعت وغیرہ صوبائی حکومتوں کے پاس ہیں۔ 14 اگست 2001ء کو ضلعی حکومتوں کو اہم کردار سونپا گیا یعنی حکومت نے ضلعی حکومتیں قائم کیں اور مقامی امور ان کے حوالے کیے۔ یہ حکومتیں ضلعی سطح پر عوام کے تمام مسائل کو حل کر رہی ہیں۔

وفاقی حکومت اور دیگر ادارے

وفاقی حکومت کا نظم ونسق چلانے کے لیے حکومت کو تین شعبوں یعنی مقننہ انتظامیہ اور عدلیہ میں تقسیم کیا گیا ہے ہر شعبے کو اپنا اپنا کام سونپا گیا ہے۔ یعنی مقننہ قانون سازی کا کام کرتی ہے۔ انتظامیہ مقننہ کے بنائے ہوئے قوانین کو لاگو کرتی ہے جبکہ عدلیہ ان قوانین کی توضیح وتشریح کرتی ہے۔ پاکستان میں مقننہ کو مجلس شوریٰ کا نام دیا گیا جو دو ایوانوں پر مشتمل ہے۔ حکومت کو وفاقی حکومت کہتے ہیں جو پارلیمانی اصولوں پر منظم کی گئی ہے۔ ملک کی سب سے بڑی عدالت سپریم کورٹ آف پاکستان ہے جس کا صدر مقام اسلام آباد ہے۔ یہ عدالت آئین کی محافظ ہے۔

وفاقی حکومت کے اداروں کی مختصراً تفصیل حسب ذیل ہے۔

1- مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ)

پاکستان کی مقننہ کو مجلس شوریٰ کہتے ہیں جو دو ایوانوں پر مشتمل ہے یعنی ایوان زیریں یا قومی اسمبلی اور ایوانِ بالا یا سینٹ۔

i- قومی اسمبلی

ایوان زیریں یعنی قومی اسمبلی کے ارکان کی تعداد 342 ہے۔ عام نشستوں کو اس طرح تقسیم کیا گیا ہے پنجاب 148، سندھ 61، خیبر پختونخوا 35، بلوچستان 14، اسلام آباد 2، قبائلی علاقے 12، خواتین 60 (جن کی تقسیم کچھ اس طرح ہے پنجاب 35، سندھ 14، خیبر پختونخوا 8 اور بلوچستان 3) اور اقلیتیں 10۔ قومی اسمبلی کے ممبران کا انتخاب 5 سال کے لیے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

ii- سینٹ

ایوان بالا یعنی سینٹ کے کل ارکان کی تعداد 104 ہے۔ سینٹ میں صوبوں کو برابر نمائندگی دی جاتی ہے۔ یعنی ہر صوبہ سے 22 بشمول

ٹیکنو کریٹ وخواتین، اسلام آباد سے 4 بشمول ایک عالم دین اور ایک عورت، قبائلی علاقے سے 8 اور 4 اقلیتی ارکان کا انتخاب ہوتا ہے۔ ان ارکان کا انتخاب 6 سال کے لیے متعلقہ صوبائی اسمبلیاں متناسب نمائندگی کی بنیاد پر کرتی ہیں۔ ان میں 1/2 ارکان ہر تین سال کے بعد ریٹائر ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے ارکان کا انتخاب ہوتا ہے۔ اسلام آباد اور قبائلی علاقہ کے ارکان کا انتخاب قومی اسمبلی کے ذریعے ہوتا ہے۔

مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے فرائض

مجلس شوریٰ کے دونوں ایوانوں کو قانون سازی میں برابر کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں لیکن مالی امور میں قومی اسمبلی زیادہ با اختیار ہے یعنی بجٹ کی منظوری صرف قومی اسمبلی کا کام ہے۔ اس کے فرائض درج ذیل ہیں۔

1- قانون سازی

مجلس شوریٰ ملک کے لیے قوانین بناتی ہے۔ دونوں ایوانوں کو اس ضمن میں برابر کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی ایک بل ایک ایوان سے پاس ہونے کے بعد دوسرے ایوان کے پاس جاتا ہے یا اگر دوسرا ایوان مخصوصہ بل کو پہلے پاس کرتا ہے تو وہ پہلے ایوان کے پاس منظوری کے لیے جاتا ہے۔ وفاقی امور کی لسٹ میں مجلس شوریٰ کو قانون سازی کا پورا اختیار حاصل ہے۔ مشترکہ امور کی لسٹ میں سے بھی وفاقی پارلیمنٹ قانون بنا سکتی ہے۔

2- انتظامیہ کی نگرانی

مجلس شوریٰ انتظامیہ پر کنٹرول کی مجاز ہوتی ہے۔ وزیر اعظم اور اس کی کابینہ پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔ وقفہ سوالات کے دوران وزراء انفرادی یا اجتماعی طور پر سوالات کے جوابات دیتے ہیں۔ وزیر اعظم اور اس کی کابینہ اس وقت تک اپنے فرائض سرانجام دے سکتے ہیں جب تک انہیں مقننہ کا اعتماد حاصل ہوتا ہے۔

3- مالیاتی اختیارات

پارلیمنٹ کا ایوان زیریں یعنی قومی اسمبلی ہر سال بجٹ پاس کرتی ہے۔ پارلیمنٹ کی منظوری کے بعد حکومت قومی خزانے سے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کر سکتی۔ اس طرح حکومت کو نئے ٹیکس لگانے یا ٹیکس کو ختم کرنے کے لیے پارلیمنٹ سے منظوری لینی پڑتی ہے۔

4- عدالتی اختیارات

پارلیمنٹ کے دونوں ایوان سپریم کورٹ کے ججوں کی تعداد مقرر کرتے ہیں اس کے علاوہ ان کی سروس کے متعلقہ امور کی بھی منظوری دیتے ہیں۔

5- انتخابی اختیارات

مجلس شوریٰ کے دونوں ایوان مل کر صدر کا انتخاب کرتے ہیں۔ وزیر اعظم کا انتخاب قومی اسمبلی کرتی ہے اس کے علاوہ سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کا انتخاب قومی اسمبلی اور سینٹ بالترتیب کرتے ہیں۔

6- آئین میں ترمیم

مجلس شوریٰ کے دونوں ایوان آئین میں ترمیم کر سکتے ہیں۔ لیکن ترمیم کرتے وقت ہر ایوان کے کل ارکان کی تعداد کی 2/3 اکثریت کی منظوری لازمی ہوتی ہے۔ دونوں ایوان مشترکہ اجلاس میں بھی آئین میں ترمیم کر سکتے ہیں۔

وفاقی انتظامیہ

i- صدر کا سیکرٹریٹ

صدر کا سیکرٹریٹ اسلام آباد میں ہے اور صدر پاکستان کے زیر انتظام کام کر رہا ہے جو وزیر اعظم کے سیکرٹریٹ اور مرکزی سیکرٹریٹ سے رابطہ رکھتا ہے۔ ان سے اطلاعات وصول کرتا ہے اور ان کو ہدایات جاری کرتا ہے۔

ii- وزیر اعظم کا سیکرٹریٹ

وفاقی حکومت میں انتظامیہ کا سب سے بڑا دفتر وزیر اعظم کا سیکرٹریٹ ہوتا ہے جو تمام انتظامی دفاتر کی نگرانی کرتا ہے اور وفاقی حکومت کے انتظامی امور کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس کا سربراہ وزیر اعظم ہوتا ہے۔ وزیر اعظم انتظامیہ کی کارکردگی کے لیے پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے۔

iii- مرکزی سیکرٹریٹ

مرکزی سیکرٹریٹ تمام وزارتوں اور ڈویژنوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

iv- وزارت

وزارت ایک یا ایک سے زیادہ ڈویژنوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ وزارت کا اہم کام پالیسیاں بنانا اور ان کو لاگو کرنا ہوتا ہے۔ وزارت کا سیاسی سربراہ وفاقی وزیر ہوتا ہے جبکہ انتظامی سربراہ سیکرٹری ہوتا ہے جو 22 گریڈ کا آفیسر ہوتا ہے۔ وفاقی وزیر وزارت اور وزیر اعظم کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے یعنی وہ وزارت کی کارکردگی سے وزیر اعظم کو وقتاً فوقتاً آگاہ کرتا رہتا ہے۔

v- ڈویژن

ڈویژن وزارت کی طرح ایک مکمل انتظامی اکائی ہوتی ہے اور وزارت ہی کی طرح اپنے فرائض سرانجام دیتی ہے۔ اس کا سیاسی سربراہ وزیر مملکت ہوتا ہے جبکہ انتظامی سربراہ ایڈیشنل سیکرٹری ہوتا ہے جو 21 ویں گریڈ کا آفیسر ہوتا ہے۔ وزیر مملکت بھی وزیر اعظم اور ڈویژن کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے۔

vi- منسلکہ محکمہ

ہر وزارت یا ڈویژن میں ایک یا ایک سے زیادہ منسلکہ محکمے ہوتے ہیں۔ منسلکہ محکمہ کا براہ راست تعلق ڈویژن یا وزارت سے ہوتا ہے اور پالیسیاں بنانے میں ان کی مدد کرتا ہے۔ ان پالیسیوں کے لاگو کرنے کا اختیار بھی انہی کے پاس ہوتا ہے۔

vii- ماتحت دفتر

ہر مسلکہ محکمہ کے ساتھ کئی ماتحت دفاتر بھی ہوتے ہیں جو ذیلی دفاتر کہلاتے ہیں۔ یہ ذیلی دفاتر خاص فرائض سرانجام دیتے ہیں اور تمام سرگرمیاں انجام دینے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ماتحت دفتر کا سربراہ ڈائریکٹر یا ایڈمنسٹریٹر کہلاتا ہے۔

viii- خودمختار اور نیم خودمختار ادارے

ہر وزارت یا ڈویژن کے زیر نگرانی بے شمار خودمختار اور نیم خودمختار ادارے ہوتے ہیں۔ یہ ادارے جلد فیصلے کرتے ہیں اور قومی ترقی میں مفید کردار سرانجام دیتے ہیں۔ آج کل پاکستان میں ان اداروں کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔

اہم عہدیدار

i- صدر پاکستان

ملک کا سربراہ صدر پاکستان ہوتا ہے جس کا انتخاب دونوں ایوانوں کے ارکان اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان پانچ سال کے لیے کرتے ہیں۔ صدر پاکستان، وزیراعظم کے مشورے پر عمل کرتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ پارلیمنٹ کے پاس شدہ بلوں کو منظور کرتا ہے یا واپس بھجواتا ہے اور آرڈی نینس جاری کرسکتا ہے۔ صدر پاکستانی سفیروں کی تقرری کرتا ہے اور غیر ممالک کے سفیروں کے کاغذات نامزدگی وصول کرتا ہے۔ ملک کو اندرونی یا بیرونی کوئی خطرہ ہو تو ہنگامی حالات کا اعلان بھی کرسکتا ہے۔

ii- وزیراعظم

وزیراعظم وفاقی حکومت کا سربراہ ہوتا ہے۔ اس کا انتخاب قومی اسمبلی پانچ سال کے لیے کرتی ہے۔ اس کی مدد کے لیے وفاقی کابینہ ہوتی ہے۔ جس کے ارکان کا انتخاب وزیراعظم، پارلیمنٹ کے ارکان میں سے کرتا ہے۔ وزیراعظم اور ان کی کابینہ اپنی تمام کارکردگی کے لیے پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔ وزیراعظم کو تمام انتظامی اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ اسے قانون سازی، بجٹ سازی اور امور دفاع میں اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔

iii- وفاقی کابینہ

وفاقی کابینہ وزیراعظم اور وزراء پر مشتمل ہوتی ہے جو کہ وفاقی حکومت کے تمام امور چلاتی ہے۔ وفاقی کابینہ میں دو قسم کے وزراء ہوتے ہیں یعنی وفاقی وزراء اور وزراء مملکت، جو وزیراعظم کی خوشنودی تک یا پارلیمنٹ کے اعتماد تک اپنے عہدے پر برقرار رہتے ہیں۔

(ا) وفاقی وزیر

وفاقی وزیر وزارت کا سیاسی سربراہ ہوتا ہے جو وزارت اور وزیراعظم کے درمیان ایک رابطہ کی حیثیت رکھتا ہے اور ایوان میں اپنی وزارت کی نمائندگی کرتا ہے نیز اپنی وزارت پر کیے گئے سوالات کے جواب دیتا ہے۔

(ب) وزیر مملکت

وزیر مملکت ڈویژن کا سیاسی سربراہ ہوتا ہے جو اپنی ڈویژن اور وزیراعظم کے درمیان رابطہ کے طور پر کام کرتا ہے۔ پارلیمنٹ میں اپنی

ڈویژن کی نمائندگی کرتا ہے اور اس پر اٹھائے گئے ہر سوال کا جواب دیتا ہے۔

iv- سیکرٹری

وزارت کا انتظامی سربراہ سیکرٹری ہوتا ہے جو کہ وفاقی حکومت کا گریڈ 22 کا ملازم ہوتا ہے۔ وہ وفاقی وزیر کو پالیسی بنانے و دیگر کاروبارِ حکومت چلانے میں مدد دیتا ہے۔ وہ اپنے وزیر کے ذریعے وزیر اعظم تک اپنی تجاویز بھیجتا ہے جن کو منظوری کے بعد شائع کرتا ہے۔ سیکرٹری صرف پالیسی نہیں بناتا بلکہ اس کو لاگو بھی کرتا ہے۔ وہ ڈویژن، منسلکہ محکمہ جات، ماتحت دفاتر اور خود مختار اور نیم خود مختار اداروں کی نگرانی بھی کرتا ہے۔

v- ایڈیشنل سیکرٹری

ڈویژن کا انتظامی سربراہ ایڈیشنل سیکرٹری ہوتا ہے جو کہ گریڈ 21 کا وفاقی حکومت کا ملازم ہوتا ہے۔ وہ وزیر مملکت کو پالیسی بنانے اور دیگر فیصلے کرنے میں مدد کرتا ہے۔ وہ اپنے وزیر مملکت اور متعلقہ وزیر کے ذریعے اپنی تجاویز وزیر اعظم کو بھجواتا ہے جن کو منظوری کے بعد شائع کرتا ہے۔ یہ اپنی ڈویژن میں وہی فرائض سرانجام دیتا ہے جو سیکرٹری اپنی وزارت میں دیتا ہے۔ جب ایڈیشنل سیکرٹری، سیکرٹری کے ماتحت کے طور پر کام کرتا ہے تو وہ وہی کام کرتا ہے جس کا سیکرٹری حکم دیتا ہے اور اپنی تجاویز سیکرٹری کے ذریعے وزیر تک بھجواتا ہے۔

vi- جوائنٹ سیکرٹری

جوائنٹ سیکرٹری وفاقی حکومت کا گریڈ 20 کا آفیسر ہوتا ہے اور ایڈیشنل سیکرٹری سے جونیئر ہوتا ہے۔ وزارت میں تیسرے نمبر پر اور ڈویژن میں دوسرے نمبر پر آتا ہے۔ یہ ایڈیشنل سیکرٹری کی مدد کرتا ہے، اور اس کے احکام وصول کر کے نیچے بھیجتا ہے۔ اس طرح نیچے سے رپورٹ وصول کر کے اوپر بھیجتا ہے۔ یہ اپنے ونگ کا انچارج ہوتا ہے اور اس کے تمام کاموں کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

vii- ڈپٹی سیکرٹری

ڈپٹی سیکرٹری وفاقی حکومت کا گریڈ 19 کا آفیسر ہوتا ہے، عام طور پر اپنی برانچ کا انچارج ہوتا ہے۔ یہ اوپر سے احکام وصول کرتا ہے اور سیکشن آفیسر کو بھیج دیتا ہے اور سیکشن آفیسر سے رپورٹ وصول کر کے اوپر بھیج دیتا ہے۔ یہ نہ فیصلے کرتا ہے نہ فیصلوں کو لاگو کرنے میں مدد دیتا ہے بلکہ اپنی برانچ کے دوسرے ملازمین کی نگرانی کرتا ہے۔

viii- سیکشن آفیسر

سیکشن آفیسر گریڈ 17 یا 18 کا وفاقی حکومت کا آفیسر ہوتا ہے اور اپنے سیکشن کا انچارج ہوتا ہے۔ وہ اپنے سیکشن کے روزانہ کے کاموں کو نمٹاتا ہے، حکام بالا کے احکامات کو عملی جامہ پہناتا ہے اور اپنے سیکشن کے دیگر ملازمین کی نگرانی کرتا ہے۔

سپریم کورٹ

وفاق کی سب سے بڑی عدالت سپریم کورٹ ہے جس کا صدر دفتر اسلام آباد میں ہے اس کی برانچیں لاہور، کراچی، کوئٹہ اور پشاور میں بھی ہیں۔ سپریم کورٹ چیف جسٹس اور دیگر ججوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ چیف جسٹس کا انتخاب صدر پاکستان کرتا ہے جبکہ دوسرے ججوں کا تقرر جوڈیشنل کونسل اور پارلیمانی کمیٹی کی سفارشات پر صدر پاکستان کرتا ہے جو 65 سال کی عمر تک اپنے عہدے پر برقرار رہتے ہیں۔

سپریم کورٹ کے اختیارات

i- بنیادی سماعت کا اختیار

سپریم کورٹ آف پاکستان کو ان امور میں بنیادی سماعت کا حق حاصل ہے جو مرکز اور صوبوں کے درمیان ہوں یا ایک صوبے کے دوسرے صوبے کے ساتھ ہوں۔

ii- اپیلوں کی سماعت کا اختیار

تمام ہائی کورٹوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں سننے کا اختیار سپریم کورٹ کو ہوتا ہے۔

iii- مشاورتی اختیارات

قومی اہمیت کے کسی مسئلہ پر صدر پاکستان، سپریم کورٹ سے مشورہ طلب کرسکتا ہے۔ مشورہ دینے کی صورت میں صدر اس کا پابند نہیں ہوتا۔

iv- نگرانی کا اختیار

سپریم کورٹ کو تمام ہائی کورٹوں کی نگرانی کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ سپریم کورٹ کا چیف جسٹس تمام ہائی کورٹوں کے چیف جسٹس کے تقرر کے لیے صدر کو مشورہ دیتا ہے جو اس پر لازم ہوتا ہے۔

صوبائی حکومت کی تنظیم

صوبائی حکومت کی تنظیم اور اس کا طریقہ کار وفاقی حکومت سے ملتا جلتا ہے۔ صوبائی سطح پر صوبائی سیکرٹریٹ، منسلکہ دفاتر، ماتحت دفاتر و دیگر خود مختار و نیم خود مختار ادارے موجود ہیں۔ ان کے کام کرنے کا طریقہ کار تقریباً وفاقی حکومت جیسا ہے۔ صوبائی حکومتوں کو تعلیم، صحت، زراعت، صنعت، صوبائی ٹیکس، ذرائع آمدورفت اور دیگر بہت سے محکموں پر اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔

صوبائی حکومت کی تنظیم کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

1- صوبائی گورنر

گورنر صوبائی حکومت کا سربراہ ہوتا ہے جس کو صدر نامزد کرتا ہے۔ جب تک صدر چاہے گورنر اپنے عہدے پر برقرار رہ سکتا ہے۔ گورنر صوبائی اسمبلی کا اجلاس طلب کرسکتا ہے، اسے خطاب کرسکتا ہے اور وزیر اعلیٰ کے مشورے پر توڑ سکتا ہے۔ گورنر وزیر اعلیٰ کے مشورے پر تمام نظم ونسق چلاتا ہے۔ حالات کے فوری تقاضے کے پیش نظر آرڈی نینس جاری کرسکتا ہے۔

2- وزیر اعلیٰ

صوبے کی انتظامیہ کا سربراہ وزیر اعلیٰ ہوتا ہے جس کا انتخاب متعلقہ صوبائی اسمبلی پانچ سال کے لیے کرتی ہے۔ یہ صوبے کی انتظامیہ کا سیاسی سربراہ ہوتا ہے اور اس کا معاون چیف سیکرٹری ہوتا ہے۔ وزیر اعلیٰ چیف سیکرٹری کے ذریعے صوبے کی انتظامیہ کو کنٹرول کرتا ہے اور اس کی کارکردگی کو بہتر بناتا ہے۔ وہ اپنی کابینہ کا بھی سربراہ ہوتا ہے جس کی تشکیل اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ صوبے کے امن وامان کا ذمہ دار

ہوتا ہے۔قائدِ ایوان ہونے کی وجہ سے اسمبلی پر پوری گرفت رکھتا ہے اور آسانی سے قانون سازی کروا سکتا ہے۔

3- کابینہ

ہر صوبہ میں صوبائی کابینہ ہوتی ہے جس کے ارکان کا انتخاب وزیر اعلیٰ کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ ہر وزیر اپنے اپنے محکمہ کا سربراہ ہوتا ہے۔ وزیر اعلیٰ کو محکمہ کی پالیسیوں اور کارکردگی کے متعلق آگاہ کرتا ہے۔ محکمہ کا سیاسی سربراہ ہونے کی وجہ سے وہ وزیر اعلیٰ کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے۔

4- چیف سیکرٹری

چیف سیکرٹری انتظامی امور کے لیے صوبے کا سربراہ ہوتا ہے۔ وہ صوبے میں افسر شاہی کا سینئر ترین فرد ہوتا ہے۔ وہ صوبائی کابینہ کا سیکرٹری ہوتا ہے اور اس کے فیصلوں پر عمل درآمد کے لیے ذمہ دار ہوتا ہے۔ چیف سیکرٹری تمام سیکرٹریوں کی کمیٹی کا چیئرمین بھی ہوتا ہے جو تمام سیکرٹریوں کی کارکردگی کا جائزہ لیتا ہے اور ان کو وقتاً فوقتاً ہدایات جاری کرتا ہے۔ چیف سیکرٹری تمام محکموں کی سرگرمیوں سے باخبر رہتا ہے اور کسی محکمہ سے کسی قسم کی اطلاعات وصول کرنے اور کسی خاص امر میں کارروائی کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ ہر محکمہ کا سیکرٹری براہ راست چیف سیکرٹری کے ماتحت ہوتا ہے اور اپنے اپنے محکمہ کی کارکردگی کا جوابدہ ہوتا ہے۔

5- سیکرٹری

ہر محکمہ کا انتظامی سربراہ سیکرٹری ہوتا ہے جو کہ عموماً 20 گریڈ کا آفیسر ہوتا ہے۔ سیکرٹری اپنے محکمے کے وزیر کے معاون خاص کے طور پر کام کرتا ہے اور اس کو پالیسی بنانے کے لیے مشورہ دیتا ہے اور اس کو محکمہ کی کارکردگی کے متعلق اطلاعات فراہم کرتا ہے۔ سیکرٹری اپنے محکمہ کی نگرانی کرتا ہے اور حکومت کی پالیسیوں و پروگراموں کو لاگو کرنا یقینی بناتا ہے۔ سیکرٹری کے پاس اپنے فرائض کی سرانجام دہی کے لیے مددگار موجود ہوتے ہیں مثلاً ایڈیشنل سیکرٹری، ڈپٹی سیکرٹری اور سیکشن آفیسر وغیرہ جن کی تعداد کا تعین محکمہ کے حجم کے مطابق کیا جاتا ہے۔ سیکرٹری کے فرائض میں اپنے ماتحت عملہ کی نگرانی دوسرے محکموں سے مشورہ اور وزیر اعلیٰ کے لیے سمریاں تیار کرنا شامل ہوتا ہے۔

6- ایڈیشنل سیکرٹری

ایڈیشنل سیکرٹری، سیکرٹری کا مددگار ہوتا ہے اور اپنے ونگ کی کارکردگی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ یہ 19 گریڈ کا افسر ہوتا ہے یہ عموماً سیکرٹری سے احکام وصول کرتا ہے اور ان کو نیچے بھیج دیتا ہے اسی طرح نیچے سے رپورٹیں وصول کر کے سیکرٹری کو پیش کرتا ہے۔ یہ اپنے ونگ کے ملازمین کی نگرانی کرتا ہے اور ہر وہ کام سرانجام دیتا ہے جس کا سیکرٹری حکم دیتا ہے یہ عام طور پر فیصلے سازی کے عمل میں شامل نہیں ہوتا۔

7- ڈپٹی سیکرٹری

ڈپٹی سیکرٹری اپنی برانچ کا سربراہ ہوتا ہے۔ یہ 18 یا 19 گریڈ کا آفیسر ہوتا ہے جس کا تعلق وفاقی حکومت یا صوبائی حکومت کے ملازمین سے ہوتا ہے۔ محکمہ کے متعلقہ فیصلوں میں عمل دخل نہیں کرتا بلکہ صرف اوپر سے احکام وصول کرتا ہے اور سیکشن آفیسر کو عمل درآمد کے لیے بھیج دیتا ہے۔

8- سیکشن آفیسر

سیکشن آفیسر 17 یا 18 گریڈ کا وفاقی یا صوبائی حکومتوں کا ملازم ہوتا ہے اور اپنے سیکشن کا سربراہ ہوتا ہے۔ یہ سیکرٹری یا ایڈیشنل سیکرٹری کے احکام کو عملی جامہ پہناتا ہے۔ یہ سیکشن کے تمام معاملات میں اپنے ڈپٹی سیکرٹری کو رپورٹ کرتا ہے۔

صوبائی مقننہ

پاکستان میں آئین کی رو سے چار صوبائی اسمبلیاں ہیں صوبائی اسمبلیوں میں ارکان کی تعداد کا تعین صوبے کی آبادی کے لحاظ سے کیا جاتا ہے۔ نئی ترمیم کے مطابق پنجاب کے ارکانِ اسمبلی کی 371 (297+66+8)، سندھ کی 168 (130+29+9)، خیبر پختونخوا کی 124 (99+22+3) اور بلوچستان کی 65 (51+11+3) کی تعداد ہے۔ عام ارکان کا انتخاب عوام براہ راست کرتے ہیں جبکہ خواتین اور اقلیتوں کی نشستیں پارٹیوں کو اپنے حاصل کردہ ووٹوں کے مطابق ملتی ہیں۔

اختیارات

1- قانون بنانے کا اختیار

صوبائی اسمبلی صوبے کے لیے قانون بناتی ہے۔ صوبائی اسمبلی ان امور کے لیے قانون سازی کر سکتی ہے جو صوبائی دائرہ کار میں آتے ہیں۔ یہ ان امور میں بھی قانون بنا سکتی ہے جو مشترکہ فہرست میں درج ہیں۔ تصادم کی صورت میں مرکزی قانون کو بالادستی حاصل ہوتی ہے۔

2- مالیاتی اختیارات

صوبائی اسمبلی ہر سال بجٹ کی منظوری دیتی ہے۔ صوبائی حکومت اسمبلی کی منظوری کے بعد صوبے میں کوئی ٹیکس نہیں لگا سکتی اور نہ ہی کسی ٹیکس کو واپس لے سکتی ہے۔

3- انتظامی اختیارات

صوبائی اسمبلی انتظامیہ سے اس کی کارکردگی کے بارے میں باز پرس کر سکتی ہے۔ وہ حکومت سے ان کی حکمت عملی اور پالیسیوں کے متعلق وضاحت طلب کر سکتی ہے۔ اگر صوبائی اسمبلی صوبائی کابینہ پر عدم اعتماد کا اظہار کر دے تو اس کو مستعفی ہونا پڑتا ہے۔

4- متفرق اختیارات

ان اختیارات کے علاوہ صوبائی اسمبلی مختلف فرائض سرانجام دیتی ہے یعنی حکومت کے جاری کردہ آرڈی نینس کو منظور کر سکتی ہے یا کالعدم قرار دے سکتی ہے۔

صوبائی عدلیہ

1973ء کے آئین کے مطابق ہر صوبے میں ہائی کورٹ ہوتی ہے جو صوبائی سطح پر ہونے والے معاملات کے بارے میں عدل و انصاف سے فیصلے کرتی ہے۔ ہائی کورٹ، چیف جسٹس اور دیگر ججوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ چیف جسٹس کو صدر متعلقہ صوبہ کے گورنر کے مشورہ کے بعد مقرر کرتا ہے اور دیگر ججوں کا تقرر چیف جسٹس کی سفارش پر کرتا ہے ہائی کورٹ کا جج 62 سال کی عمر تک اپنے عہدے پر فائز رہ سکتا ہے۔

ہائی کورٹ کے اختیارات

(i) ہائی کورٹ عوام کے بنیادی حقوق اور آئین کا تحفظ کرتی ہے۔

(ii) ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سماعت کرتی ہے۔
(iii) ہائی کورٹ بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے پانچ رٹیں سننے کا اختیار رکھتی ہے۔
(iv) ماتحت عدالتوں کی نگرانی کرتی ہے۔

مقامی حکومت

تعریف

مقامی حکومت سے مراد ایسی حکومت ہے جس کی باگ دوڑ مقامی لوگوں کے ہاتھ ہوتی ہیں وہی مقامی سطح کی پالیسیاں مرتب کرتے، منصوبے بناتے اور ان کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔

تاریخی پس منظر

پاکستان کے قیام سے قبل جنوبی ایشیا میں مقامی حکومتوں کا نظام وائسرائے لارڈ رپن نے 1884ء میں ایک ایکٹ کے ذریعے نافذ کیا اور اس نے ضلع اور تحصیل کی سطح پر مقامی بورڈ قائم کیے جن کے ذمے مقامی لوگوں کے مسائل حل کرنا تھے لیکن یہ ادارے لوگوں کے مسائل حل کرنے میں ناکام رہے کیونکہ ان کے پاس نہ تو اختیارات تھے اور نہ وسائل تھے۔

پاکستان کے قیام کے بعد لارڈ رپن کے نظام کو اپنایا گیا لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا کیونکہ اس نظام کو سیاسی ہتھکنڈے کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ 1958ء تک یہ نظام مکمل طور پر معطل ہو چکا تھا اور مارشل لاء کے نفاذ کے بعد اس کو منسوخ کر دیا گیا۔

صدر ایوب خاں نے بنیادی جمہوریتوں کا حکم نامہ 27 اکتوبر 1959ء کو جاری کیا جس کے مطابق پاکستان میں مقامی حکومتوں کا ایک نظام لاگو کیا گیا جسے ''بنیادی جمہوریت'' کا نام دیا گیا۔ جس کا اہم مقصد یہ تھا کہ اختیارات کی نچلی سطح تک منتقلی اور عوام کے مسائل کا حل بنیادی سطح پر ان کے اپنے نمائندوں کے ذریعے کیا جائے۔ یہ نظام کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہ لا سکا اور نہ ہی لوگوں کے مسائل کو حل کر سکا کیونکہ اس کو انتخابی ادارہ کے طور پر استعمال کیا گیا لہٰذا حکومت کی تبدیلی کے ساتھ ہی یہ نظام ختم ہو گیا۔

1970ء کے انتخابات کے نتیجے میں ذوالفقار علی بھٹو کو مغربی پاکستان اور شیخ مجیب الرحمن کو مشرقی پاکستان میں اکثریت حاصل ہوئی۔ اقتدار عوامی نمائندوں کے حوالے نہ کیا گیا جس کے نتیجہ میں مشرقی پاکستان الگ ہو گیا اور مغربی پاکستان میں حکومت ذوالفقار علی بھٹو کے حوالے کر دی گئی۔ بھٹو سیاسی عمل کے ذریعے مقامی حکومتوں کو قائم کرنے میں ناکام رہا۔

ضیاء الحق کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد مقامی حکومتوں کے نظام کو دوبارہ نافذ کیا گیا اور مقامی حکومتوں کے انتخابات دو دفعہ کروائے گئے۔ یہ نظام مضبوط بنیادوں پر قائم کیا گیا اور مرحلہ وار ترقی کرتا رہا۔

اس طرح مقامی حکومت کا یہ نظام سال ہا سال چلتا رہا مگر عوام کی اکثریت کو کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہو سکا۔ موجودہ نظام کی خامیاں دور کرنے کے لیے جنرل پرویز مشرف نے 12 اکتوبر 1999ء کو حکومت سنبھالنے کے بعد مقامی حکومتوں کے نظام میں واضح تبدیلیاں لانے کا وعدہ کیا تاکہ اقتدار عوام کی نچلی سطح تک منتقل ہو سکے۔ صدر پاکستان نے نئے نظام کے تحت مرحلہ وار انتخابات دسمبر 2000ء اور اگست 2001ء کے درمیان کروائے اور اس کا اجرا 14 اگست 2001ء کو کیا۔ یہ نظام 2008ء تک کام کرتا رہا۔ 2010ء میں آئین میں اٹھارویں ترمیم منظور ہوئی جس میں آرٹیکل 140(A) کا اضافہ کیا گیا جس کے مطابق صوبائی حکومتوں پر لازم قرار پایا کہ وہ مقامی حکومتیں قائم کریں اور ان کو

انتظامیہ اور مالیاتی اختیارات دیں۔ 2013ء میں تمام صوبائی حکومتوں نے مقامی حکومتوں کے قیام کے لیے ایکٹ پاس کیے جن کے مطابق دیہی علاقے میں نظام دو درجاتی ہے جبکہ خیبر پختونخوا میں تین درجاتی ہے۔ جس میں ضلعی حکومتیں اور یونین کی حکومتیں شامل ہیں جبکہ شہری علاقے میں تین درجاتی نظام ہے جس میں میٹروپولیٹن کارپوریشن، میونسپل کارپوریشن اور میونسپل کمیٹیاں شامل ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

دیہی علاقے

1- **ضلعی حکومت:** ضلعی حکومت چیئرمین، وائس چیئرمین، ضلع کونسل کے ارکان، چیف آفیسر اور تعلیم وصحت کی اتھارٹیز پر مشتمل ہوتی ہے۔

چیئرمین ووائس چیئرمین: ضلع کونسل کے پہلے اجلاس میں چیئرمین اور وائس چیئرمین کا انتخاب مشترکہ پینل میں، ضلع کونسل کے موجودہ ارکان میں سے، اکثریت سے کیا جاتا ہے۔ چیئرمین ضلع کونسل کا انتظامی سربراہ ہوتا ہے اور وائس چیئرمین، چیئرمین کی عدم موجودگی میں فرائض سرانجام دیتا ہے۔

ضلع کونسل: ضلع کی تمام یونین کونسلوں کے براہِ راست منتخب کردہ چیئرمین بلحاظ عہدہ ضلع کونسل کے ممبر ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ 15 یا 15 سے کم نشستیں عورتوں کے لیے۔ تین یا تین سے کم نشستیں کسانوں کے لیے، پانچ یا پانچ سے کم نشستیں غیر مسلموں کے لیے مخصوص ہوتی ہیں یا جو حکومت مقرر کرتی ہے۔ مزید ایک نشست ٹیکنوکریٹ اور ایک نوجوانوں کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔

چیف آفیسر: سرکاری ملازم ہوتا ہے۔ ضلع کے تمام محکموں کی نگرانی کرتا ہے اور ان میں رابطہ قائم رکھتا ہے اور ترقیاتی منصوبوں کی نگرانی بھی کرتا ہے۔

ضلع میں تعلیم وصحت کی اتھارٹیز: تعلیم وصحت کے لیے الگ الگ اتھارٹیز قائم کی جائیں گی جن کے ارکان بالواسطہ منتخب کردہ اور حکومت کے نامزد کردہ ہوں گے۔ انتظامی سربراہ چیف انتظامی آفیسر ہوگا۔ چیف انتظامی آفیسر اتھارٹی کا بڑا اکاؤنٹ آفیسر ہوگا اور تمام فرائض سرانجام دے گا جن کا ذکر ایکٹ میں کیا گیا ہو۔

ڈسٹرکٹ ایجوکیشن اتھارٹی: پرائمری، ایلیمنٹری، سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری سکولوں کا انتظام کرے گی۔ حکومتی تعلیمی پالیسیوں کو لاگو کرے گی اور تعلیمی معیار کو بلند کرے گی۔

ڈسٹرکٹ ہیلتھ اتھارٹی: پرائمری اور سیکنڈری صحت کی سہولیات کا انتظام کرے گی۔ اتھارٹی کا بجٹ منظور کرے گی اور اداروں کے لیے فنڈ منظور کرے گی اور ضلعی سطح پر صحت کی سہولیات مہیا کرے گی۔

2- **یونین کونسل:** یونین کونسل، چیئرمین، وائس چیئرمین اور چھ جنرل کونسلر پر مشتمل ہوتی ہے جن کا انتخاب مذکورہ یونین کونسل کے عوام براہِ راست پنجاب، بلوچستان اور سندھ میں چار سال کے لیے اور خیبر پختونخواہ میں تین سال کے لیے کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ دو عورتوں کے لیے ایک ایک کسانوں، نوجوانوں اور غیر مسلموں کے نشستیں مخصوص ہوتی ہیں۔ چیئرمین یونین کونسل کا سربراہ ہوتا ہے اور اس کی غیر موجودگی میں وائس چیئرمین فرائض سرانجام دیتا ہے۔

شہری علاقے

1- **میٹروپولیٹن کارپوریشن:** میٹروپولیٹن کارپوریشن میئر، ڈپٹی میئر کارپوریشن کے ارکان اور چیف آفیسر پر مشتمل ہوتی ہے۔

میئر و ڈپٹی میئر: میٹروپولیٹن کے پہلے اجلاس میں میئر اور ڈپٹی میئر کا انتخاب مشترکہ پینل میں، کارپوریشن کے موجودہ ارکان میں سے اکثریت سے کیا جاتا ہے۔ میئر میٹروپولیٹن کا انتظامی سربراہ ہوتا ہے اور اس کی عدم موجودگی میں ڈپٹی میئر فرائض سرانجام دیتا ہے۔ کارپوریشن میں واقع تمام یونین کونسلوں کے براہِ راست منتخب کردہ چیئرمین بلحاظ عہدہ کارپوریشن کے ممبر ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ 45 مخصوص نشستیں ہیں جن میں 25 عورتوں کے لیے 5 ورکروں کے لیے، 2 نوجوانوں اور 10 غیر مسلموں کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔

چیف آفیسر: سرکاری ملازم ہوتا ہے جو تمام محکموں کی نگرانی کرتا ہے اور تمام محکموں میں رابطہ قائم رکھتا ہے۔

2- میونسپل کارپوریشن: میونسپل کارپوریشن میئر، ڈپٹی میئر، کارپوریشن کے ارکان اور چیف آفیسر پر مشتمل ہوتی ہے۔

میئر و ڈپٹی میئر: کارپوریشن کے پہلے اجلاس میں میئر اور ڈپٹی میئر کا انتخاب مشترکہ پینل میں، کارپوریشن کے موجودہ ارکان میں سے، اکثریت سے کیا جاتا ہے۔ میئر میونسپل کارپوریشن کا انتظامی سربراہ ہوتا ہے اور اس کی عدم موجودگی ڈپٹی میئر فرائض سرانجام دیتا ہے۔

کارپوریشن میں واقع تمام یونین کونسلوں کے براہِ راست منتخب کردہ چیئرمین بلحاظ عہدہ میونسپل کارپوریشن کے ممبر ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ مخصوص نشستیں 15 یا 15 سے کم عورتوں کے لیے اور 5 یا 5 سے کم غیر مسلموں کے لیے نمائندے حکومت مقرر کرتی ہے۔ مزید 2،2 نشستیں ورکر اور ٹیکنوکریٹ اور ایک نوجوانوں کے مخصوص ہیں۔

چیف آفیسر: سرکاری ملازم ہوتا ہے جو تمام محکموں کی نگرانی اور ان میں رابطہ قائم رکھتا ہے اور ترقیاتی منصوبوں کی بھی نگرانی کرتا ہے۔

3- میونسپل کمیٹی

میونسپل کمیٹی، چیئرمین، وائس چیئرمین، کمیٹی کے ارکان اور چیف آفیسر پر مشتمل ہوتی ہے۔

چیئرمین اور وائس چیئرمین: میونسپل کمیٹی کے پہلے اجلاس میں چیئرمین اور وائس چیئرمین کا انتخاب مشترکہ پینل میں، کمیٹی کے موجودہ ارکان میں سے، اکثریت سے کیا جاتا ہے۔ میونسپل کمیٹی کا انتظامی سربراہ ہوتا ہے اور اس کی عدم موجودگی میں وائس چیئرمین فرائض سرانجام دیتا ہے۔

میونسپل کمیٹی میں واقع تمام وارڈوں سے براہِ راست عوام سے منتخب کردہ کونسلر بلحاظ عہدہ کمیٹی کے ممبر ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ 5 یا 5 سے کم عورتوں کے لیے 3 یا 3 سے کم غیر مسلموں کے لیے، 2 یا 2 سے کم ورکر کے لیے نمائندے حکومت مقرر کرتی ہے۔ مزید ایک نوجوان کا نمائندہ بھی شامل ہوتا ہے۔

چیف آفیسر: چھوٹے درجے کا سرکاری ملازم ہوتا ہے جو تمام امور کی نگرانی کرتا ہے اور تمام محکموں میں رابطہ قائم رکھتا ہے۔

مقامی حکومتوں کے فرائض و اختیارات

الف۔ ضلع کونسل کے فرائض

1- بائی لاز اور ٹیکسوں کی منظوری دینا اور ضلع کونسل کے سالانہ بجٹ کی منظوری دینا اور ان کو لاگو کرنا

2- ضلع کے افسران کی کارکردگی کا جائزہ لینا اور شہریوں میں فلاحی کاموں اور معاشرتی اصلاح کا جذبہ پیدا کرنا
3- عوامی سڑکوں اور راستوں سے تجاوزات ہٹانا اور مویشی منڈیاں اور عوامی میلے منعقد کروانا اور کھیلوں کا بندوبست کرنا
4- طوفان، سیلاب، زلزلہ اور دیگر آسمانی آفات کی صورت میں لوگوں کی مدد کرنا اور یتیموں، بیواؤں اور معذور لوگوں کی مدد کرنا
5- دیہی علاقوں میں پینے کے پانی، کھیتوں میں پانی مہیا کرنے کے لیے یونین کونسلوں کی مدد کرنا اور پل ودیگر عوامی عمارتوں کی تعمیر کرنا
6- انڈسٹری، زراعت اور کمرشل مارکیٹوں کے لیے زمین مہیا کرنا
7- ضلع کی ترقی کے لیے دیگر سرگرمیاں سرانجام دینا

ب۔ یونین کونسل کے فرائض

1- یونین کونسل کا بجٹ منظور کرنا اور ٹیکس یا فیس کی منظوری دینا
2- پنچایت کے ممبر مقرر کرنا اور ان کی کارکردگی کی نگرانی کرنا
3- عوامی راستے، گلیاں، قبرستان، باغ اور کھیلوں کے میدان کو بحال رکھنا اور روشنی کا بندوبست کرنا
4- پینے کے پانی کے ذرائع یعنی کنویں، ٹیوب ویل، پانی کے ٹینک اور نالے وغیرہ قائم کرنا اور اُن کو بحال رکھنا
5- مویشیوں کے لیے پینے کے پانی اور اُن کے چرانے کے لیے چراگاہوں کا بندوبست کرنا
6- یونین کونسل کے رہائشیوں کی صحت اور اُن کے تحفظ کا بندوبست کرنا
7- ضلع کونسل کی منظوری سے انڈسٹری، زراعت اور کمرشل مارکیٹوں کا بندوبست کرنا اور میونسپل قوانین اور بائی لاز لاگو کرنا

ج۔ میٹروپولیٹن/ میونسپل کارپوریشن کے فرائض

1- منصوبے، زمین کے استعمال کے منصوبے، ماحولیات کے منصوبے اور شہری منصوبوں کی منظوری دینا
2- قوانین اور بائی لاز کی منظوری اور اُن کو لاگو کرنا۔ گھروں کی کالونیاں، مارکیٹیں، سڑکیں، عوامی مفادات کے منصوبے بنانا اور لاگو کرنا
3- عوامی ٹریفک کے نظام کو درست رکھنا، پل، فلائی اوور، انڈر پاس اور سڑکیں بنانا اور ان کو بحال رکھنا۔ علاقے کو خوبصورت بنانا اور بحال رکھنا
4- پینے کے پانی کے ذخائر و وسائل کو بنانا اور ان کو بحال رکھنا۔ گندے پانی کے اخراج کا بندوبست کرنا اور دیگر شہری سہولیات کا بندوبست کرنا
5- انڈسٹری، زراعت، مارکیٹوں کے لیے جگہ مہیا کرنا۔ رہائشی سکیمیں بنانا۔ پارک بنانا اور بحال رکھنا اور ٹرانسپورٹ کا بندوبست کرنا
6- قوانین، میونسپل قوانین اور بائی لاز بنانا اور اُن کو لاگو کرنا
7- شہری علاقوں میں اشتہارات کے لیے جگہ مخصوص کرنا، سڑکوں اور راستوں سے تجاوزات ہٹانا اور ماحولیات کو بحال رکھنا
8- لائبریریاں، عجائب گھر اور مصوری کے مراکز قائم کرنا اور بحال رکھنا
9- بجٹ بنانا اور ترقیاتی منصوبے بنانا اور اُن کے لیے رقوم فراہم کرنا اور ٹیکسوں اور فیسوں کی منظوری دینا اور ان کو وصول کرنا

10- کھیلوں کا بندوبست کرنا اور ثقافتی میلوں اور مویشی منڈیوں کو منعقد کروانا اور ان کا بندوبست کرنا

11- ہر قسم کے لائسنس، پرمٹ اور اجازت نامے جاری کرنا

12- بیواؤں، یتیموں، معذوروں اور آسمانی آفات کے متاثرین کی مدد کرنا

13- میونسپل قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دلوانا وغیرہ

د- میونسپل کمیٹی کے فرائض

1- مقامی حکومتوں کے لیے منصوبے بنانا، ان کی منظوری دینا اور ان کے لیے مالیات کا بندوبست کرنا

2- مقامی زمینوں کی تقسیم اور ان کے استعمال کا بندوبست کرنا، انڈسٹری، زراعت اور کمرشل مارکیٹوں کے لیے زمین مہیا کرنا اور ان کا بندوبست کرنا

3- پارک بنانا، کھیلوں کے لیے میدان اور قبرستانوں کے لیے جگہ مخصوص کرنا اور سڑکیں، گلیوں کا بندوبست کرنا اور ان کو بحال رکھنا

4- پینے کے پانی کا بندوبست کرنا اور گندے پانی کے نکاس کا انتظام کرنا

5- ٹیکس اور فیسوں کی منظوری دینا اور اُن کو وصول کرنا

6- مویشی منڈیاں قائم کرنا اور مویشی میلے منعقد کرنا اور کھیلوں کے میدان کا بندوبست کرنا اور ثقافتی میلے منعقد کرنا

7- میونسپل قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دلوانا

8- میونسپل کمیٹی کے لیے قوانین اور بائی لاز بنانا اور ان کو لاگو کرنا

اچھا نظام حکومت اور اسلام

اچھا نظام حکومت سے مراد حکومت کرنے کا ایسا فن ہے جس میں تمام عوامی فیصلے و دیگر حکومتی معاملات صاف شفاف طریقے سے سرانجام دیئے جائیں۔ حکومتی عہدیداروں کو اپنے اپنے عہدوں کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔ حکومت اور عوام کے درمیان قریبی تعلق قائم کیا جائے۔ اس نظام حکومت میں تمام معاشرتی و سیاسی گروہوں کو حکومت کے کاروبار میں برابر کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے۔ پبلک اور پرائیوٹ سیکٹر مل کر فلاحی کام کرتے ہیں۔

اچھے نظام حکومت میں مندرجہ ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

1- عدل و انصاف کا قیام

یہ نظام عدل و انصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ کسی فرد یا طبقہ سے کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جاتی اور ہر ایک کے ساتھ انصاف کا سلوک ہوتا ہے۔

2- جمہوری اقدار کا فروغ

اس نظام میں جمہوری اقدار مثلاً مساوات، انصاف، برداشت اور آزادی وغیرہ کو فروغ دیا جاتا ہے۔ ظلم و تشدد کو ختم کر کے تمام لوگوں کو برابر کے انسانی حقوق دیئے جاتے ہیں۔

3- بدعنوانی کا خاتمہ

اس نظام حکومت میں بدعنوانی کا مکمل خاتمہ کیا جاتا ہے۔ انتظامیہ ایمان دار ہوتی ہے اور ہر کام شفاف طریقے سے کرتی ہے۔ اگر انتظامیہ میں کوئی بدعنوان عنصر موجود ہو تو اسے نکال دیا جاتا ہے۔

4- خوشحال معاشرہ کا قیام

اچھی انتظامیہ معاشرہ کو خوش حال اور ملک کو معاشی طور پر ترقی دیتی ہے۔ ملک و معاشرہ کو پسماندہ رکھنا اچھی انتظامیہ کے اصولوں کے خلاف ہے۔

5- مکمل مذہبی آزادی

اچھی انتظامیہ ملک میں مکمل آزادی کو فروغ دیتی ہے اور تمام مذہبی اقلیتوں کو ان کے مذاہب کے مطابق عبادات کی مکمل آزادی ہوتی ہے۔

6- استحصال سے پاک معاشرہ

اچھی حکومت استحصال سے پاک معاشرہ قائم کرتی ہے یعنی کوئی طبقہ کسی دوسرے کا استحصال نہیں کرسکتا اور نہ ہی کسی طبقہ کو حق سے محروم رکھا جاسکتا ہے۔

7- ذمہ دار حکومت کا اصول

اچھی حکومت ذمہ دار حکومت کا اصول اپناتی ہے اور خود کو عوام اور متعلقہ اداروں کے سامنے جوابدہ بناتی ہے، اسی طرح حکومت کا ہر کارندہ بھی اپنے فرائض کے لیے عوام کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے۔

8- احتساب کا اصول

حکومت کے ہر کارندے کو احتساب کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ ہر ایک کی نااہلی اور لاپرواہی پر سزا دی جاتی ہے اور اس اصول کو اپنانے سے ایک صاف ستھری انتظامیہ معرض وجود میں آتی ہے۔

9- مناسب منصوبہ بندی

اچھی انتظامیہ ملک و قوم کی ترقی کے لیے مناسب منصوبہ بندی کرتی ہے اور اس کو عملی جامہ پہناتی ہے۔

10- حکومت اور عوام میں رابطہ

اچھی انتظامیہ حکومت اور عوام میں قریبی رابطہ پیدا کرتی ہے تاکہ حکومت عوام کے مسائل معلوم کرسکے اور ان کے لیے مناسب اقدام اٹھاسکے۔ جس سے عوام کا حکومت پر اعتماد بڑھتا ہے۔

11- مہارت کا اصول

اچھی حکومت مہارت کے اصول پر کام کرتی ہے یعنی جو فرد جس کام کا ماہر ہے اس کو وہی کام سونپا جاتا ہے جس سے حکومت کی کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے۔

جب ہم اچھے نظام حکومت کو اسلامی حکومت کے اصولوں کے مطابق ناپتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت وہی فرائض سرانجام دے رہی ہے جو ایک اچھی انتظامیہ سرانجام دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی حکومت ایک اچھی انتظامیہ ہوتی ہے جس میں عدل و انصاف کا قیام، جمہوری قدروں کا فروغ، بدعنوانی کا خاتمہ، خوشحال معاشرہ کا قیام، ذمہ دار حکومت کی تشکیل، سرکاری عہدیداروں کا احتساب، عوام کی بھلائی کے لیے مناسب منصوبہ بندی اور عوام اور حکومت میں قریبی رابطے وغیرہ کے اصولوں کو اپنایا جاتا ہے یعنی اسلامی حکومت، اچھی حکومت کا نعم البدل ہے۔

حضرت عمرؓ کا نظام حکومت

حضرت عمرؓ اسلامی انتظامیہ اور اسلامی ریاست کے حقیقی بانی تھے۔ آپؓ نے انتظامیہ میں نئی اصلاحات نافذ کیں اور انتظامی نظریہ و عمل کا صحیح تصور پیش کیا۔ آپؓ نے انتظامیہ کو عوام کی خدمت کا لبادہ پہنایا۔ آپؓ نے جب بھی کوئی گورنر یا سرکاری اہلکار مقرر کیا تو اس کو عوام کی خدمت کا درس دیا۔

حضرت عمرؓ نے حکومت پر جمہوریت کا صحیح رنگ چڑھایا کیونکہ تمام حکومتی معاملات مجلس شوریٰ میں زیر بحث آتے تھے اور متفقہ فیصلہ ہوتا تھا۔ آپؓ ہمیشہ نیک، قابل اعتماد افراد کو مجلس شوریٰ کے مشورہ کے بعد عارضی طور پر انتظامی عہدوں پر مقرر فرماتے تھے۔ اگر وہ اپنی اہلیت ثابت کرتا تو مستقل کر دیا جاتا ورنہ گھر بھیج دیا جاتا۔

حضرت عمرؓ حکام کا سخت احتساب کرتے تھے۔ آپؓ کا احتساب کا طریقہ بڑا انوکھا تھا۔ حج کے موقعہ پر تمام حکام کی حاضری ضروری ہوتی تھی۔ اگر عوام کو کسی کے خلاف کوئی شکایت ہوتی تو موقع پر ہی شکایت کا ازالہ کیا جاتا تھا۔ آپؓ کے دورِ حکومت میں تمام شہریوں کو برابر کے حقوق حاصل تھے۔ اس لیے حضرت عمرؓ کا دورِ حکومت سنہری دور کہلاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے دور کی انتظامیہ کی خصوصیات

1- مجلس شوریٰ کا قیام

آپؓ اپنے دورِ حکومت میں مجلس شوریٰ کا قیام عمل میں لائے۔ مجلس شوریٰ کے دو حصے تھے۔ مجلس شوریٰ خاص اور مجلس شوریٰ عام۔ مجلس شوریٰ خاص، کابینہ کے ارکان پر مشتمل تھی۔ مجلس شوریٰ عام، قبائل کے لیڈروں اور عام آدمیوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ تمام فیصلے مشاورت سے کیے جاتے تھے۔

2- ریاست کی انتظامیہ ڈویژن میں تقسیم

آپؓ نے تمام سلطنت اسلامیہ کو چودہ صوبوں میں تقسیم کیا تھا اور صوبوں کو مزید ضلعوں میں تقسیم کیا یعنی تمام ملک کو مختلف انتظامی اکائیوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ آپؓ نے ہر صوبہ میں بہت سے سرکاری ملازمین مثلاً ولی، کاتب، کاتب الخراج، صاحب الاحادیث، صاحب البیت المال، قاضی اور عادل مقرر کر رکھے تھے۔

3- مرکزی حکومت

آپ ؓ کے دور حکومت میں مرکزی حکومت بہت مضبوط تھی جس میں بے شمار محکمے تھے۔ ان میں قابل الذکر دیوان الجند، دیوان الانشاء، دیوان الخراج، وقف کا محکمہ اور شکایتی مرکز وغیرہ شامل تھے۔ مرکزی حکومت کے تمام محکمے عوام کی خدمت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔

4- انتظامیہ پالیسی

حضرت عمرؓ نے اپنے دور حکومت میں بہت سی انتظامی پالیسیاں بنائیں جن کا مختصر اًذکر حسب ذیل ہے۔

i- دروازہ کھلا رکھنے کی پالیسی

حضرت عمرؓ نے عوام کے لیے دروازہ کھلا رکھنے کی پالیسی اپنائی ہوئی تھی۔ اپنے گورنر و دیگر اہل کاروں کو ہدایت دے رکھی تھی کہ عوام پر اپنے دروازے ہمیشہ کھلے رکھیں اور مظلوموں کی دادرسی کریں۔

ii- احتساب پالیسی

آپ ؓ کے دور میں کڑے احتساب کا بندوبست تھا۔ آپ ؓ جب بھی کسی کو حکومتی کارندہ مقرر کرتے تو لکھ کر تقرر نامہ و دیگر ہدایات و ذمہ داریاں دیتے۔ سرکاری افسر اپنے علاقہ میں جا کر لوگوں کو اکٹھا کرتا اور اپنا حکم نامہ پڑھ کر سناتا تا کہ لوگوں کو اس کی ذمہ داریاں معلوم ہو جائیں۔ تقرر کے وقت اس کی جائیداد وغیرہ کا ریکارڈ بھی رکھا جاتا تھا۔ اس میں اضافہ کی شکل میں مذکورہ عہدیدار کو اپنے عہدے سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا اور تمام جائیداد بحق سرکار ضبط بھی کی جاتی تھی۔ ہر کارندے کو ہدایت تھی کہ نہ تو وہ گھوڑے پر سوار ہو گا، نہ عمدہ کپڑا پہنے گا اور نہ ہی دروازے پر دربان بٹھائے گا۔

iii- زمین کے متعلق پالیسی

آپ ؓ نے جاگیردارانہ نظام کو ختم کر کے تمام زمین مزارعوں میں تقسیم کر دی۔ اس کے علاوہ نہریں کھدوائیں، زمین کا سروے کروایا اور سروے کے مطابق ٹیکس کی رقم متعین کی۔

iv- میرٹ پالیسی

آپ ؓ نے نظام حکومت میں میرٹ کی پالیسی کو اپنایا اور قابل رشک اہلیت کے حامل افراد کو حکومت کے مختلف عہدوں پر مقرر کیا۔ جید علماء کو جج مقرر کیا۔ تمام تقرریاں کرنے سے پہلے مجلس شوریٰ سے رائے لی جاتی تھی۔

v- مالی پالیسی

آپ ؓ نے سلطنت اسلامیہ کے لیے مالی پالیسی تین اصولوں کی بنیاد پر بنائی تھی یعنی صحیح اکٹھا کرو، صحیح خرچ کرو اور غلط خرچ کرنے سے روکو۔ آپ ؓ بیت المال کو عوام کی امانت سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر خلیفہ امیر ہے تو اُسے بیت المال سے کچھ نہیں لینا چاہیے۔ اگر وہ غریب ہے تو گزارے کے مطابق لینا چاہیے۔ ملک کے تمام لوگوں کو روٹی، کپڑا مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری تھی اس لیے آپ ؓ نے درجوں کے مطابق مستحقین کے وظائف مقرر کر رکھے تھے۔ آپ ؓ نے تمام لوگوں کو ہدایت دے رکھی تھی کہ اپنی بچت کو کسی نہ کسی کاروبار میں لگائیں تا کہ دولت چند ہاتھوں میں مرکوز نہ ہو جائے۔ اسی طرح آپ ؓ نے چند ایک نئے ٹیکس امیروں پر عائد کیے تھے تا کہ امیر و غریب کا فرق کم ہو سکے۔

پاکستان بھی ایک اسلامی فلاحی ریاست بننے کی راہ پر گامزن ہے اور اچھے نظام حکومت کے لیے کوشاں ہے اس لیے یہاں بھی ضرورت ہے کہ حضرت عمرؓ کی انتظامی پالیسی ایمانداری، لگن، کارکردگی' احتساب' دروازہ کھلا رکھنے کی پالیسی' میرٹ پالیسی اور مالی پالیسی کو اپنایا جائے۔ پاکستان کی افسر شاہی (بیوروکریسی) کو چاہیے کہ وہ حضرت عمرؓ کی انتظامی فلاسفی کو سمجھیں اور عوام کی خدمت کا تہیہ کریں تو ان میں اچھی انتظامیہ کے اوصاف پیدا ہو سکتے ہیں۔

اختیارات کی تقسیم اور اچھا نظام حکومت

اختیارات کی تقسیم سے مراد مرکز کے اختیارات کو چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کرنا ہے یعنی وفاقی یا صوبائی حکومتوں کے اختیارات کو ضلعی حکومتوں میں تقسیم کرنا۔

اچھے نظام حکومت سے مراد ایسا حکومت کا نظام ہے۔ جس میں تمام عوامی و حکومتی فیصلے صاف و شفاف طریقے سے سرانجام پائیں اور تمام سرکاری ملازم اپنے اپنے عہدوں کے لیے ذمہ دار ہوں۔

پاکستان میں 14 اگست 2001ء کو اختیارات کی تقسیم کے اصول کے تحت مقامی حکومتوں کا نظام قائم کیا گیا ہے جسے اچھے نظام حکومت کے صاف شفاف اصولوں پر چلانا مقصود ہے۔ مقامی حکومتوں کے نئے نظام کے تحت مندرجہ ذیل مقاصد مقرر کیے گئے ہیں۔

(i) نچلی سطح تک اختیارات کی تقسیم یعنی صوبائی حکومتوں کے اختیارات کو یونین، تحصیل یا ٹاؤن اور ضلع کی حکومتوں میں تقسیم کرنا ہے۔ پہلے جو فیصلے صوبائی حکومتیں کیا کرتی تھیں اب وہ فیصلے مقامی حکومتیں کرتی ہیں۔

(ii) تمام فیصلے اور معاملات بڑے صاف شفاف طریقے سے سرانجام دینا ہیں یعنی فیصلے یا معاملے بدعنوان طریقوں سے سرانجام نہ پاسکیں۔

(iii) اختیارات کو مقامی سطح پر تقسیم کر کے نظام حکومت کو بہتر بنانا یا عوامی خدمت کے معاملات کو جلد نبٹانا۔

(iv) تمام فیصلے کرتے وقت یا تمام عوامی معاملات نبٹاتے وقت عوام کی شمولیت کو یقینی بنانا یعنی عوام کی قسمت کے فیصلے عوام خود کریں۔

(v) اختیارات کی تقسیم سے عوام کے مسائل وفاقی یا صوبائی حکومتوں کی بجائے مقامی حکومتوں کے ذریعے جلد حل کرانا۔

مقامی حکومتوں سے توقعات

i- معاشرہ میں انصاف کا قیام

مقامی حکومتوں کے قیام و استحکام کے بعد ہم اس نظام سے توقع کر سکتے ہیں کہ ملک میں انصاف و مساوات قائم ہو۔ ایک طبقہ دوسرے طبقہ کا استحصال نہ کرے۔

ii- معاشرے سے بدعنوانی کا خاتمہ

اس نظام کے ذریعے ہر سطح پر عوامی نمائندے حکومتی کارندوں کے کام کی نگرانی کرتے ہیں۔ اس طرح سے معاشرہ سے بدعنوانی کا خاتمہ ممکن ہے۔

iii- میرٹ پالیسی کا اپنانا

اختیارات جب نچلی سطح تک آتے ہیں تو ہم توقع رکھتے ہیں کہ ہر جگہ میرٹ پالیسی کو اپنایا جائے گا۔

iv- یکساں احتساب

اس نظام میں ہر سرکاری عہدیدار کے احتساب کے لیے عوامی نمائندے ہوتے ہیں جو ان کا احتساب کرتے رہتے ہیں۔

اچھے نظام حکومت میں رکاوٹیں اور ان کا حل

اچھے نظام حکومت (Good Governance) کو لاگو کرنے میں رکاوٹوں اور ان کے حل کی وضاحت درج ذیل نکات کریں گے۔

1- افسر شاہی کا رویہ

پاکستان کے قیام سے لے کر آج تک افسر شاہی انتہائی طاقتور رہی ہے۔ افسر شاہی نہ کسی کو اختیارات دینے کے حق میں ہے اور نہ کسی کے سامنے جوابدہ ہونے کے لیے تیار ہے۔ افسر شاہی کے اس رویہ کی وجہ سے اچھے نظام حکومت کو لاگو کرنے میں بڑی رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے۔ جب تک افسر شاہی کا رویہ بدلا نہ جائے اس وقت تک اچھے نظام حکومت کا قیام ناممکن ہے۔

2- جاگیردارانہ نظام

جاگیردار اور زمیندار طبقہ بھی اچھی حکومت کے قیام کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ جاگیردارانہ نظام بھی پاکستان کو ورثہ میں ملا تھا۔ ابھی تک اسی طرح قائم ہے۔ ابتداء سے لے کر آج تک حکومتوں میں اس طبقہ کا کردار موثر رہا ہے اس لیے انہوں نے کوئی ایسی پالیسی نہیں بننے دی جو ان کے مفاد کے خلاف تھی یا اچھی حکومت کے لیے ضروری تھی۔

3- انتظامیہ کا سیاست میں ملوث ہونا

پاکستان کی یہ بدقسمتی رہی ہے کہ انتظامیہ کے لوگ ہمیشہ کسی نہ کسی طرح سیاست میں ملوث رہے ہیں اور کوئی ایسا منتظم نہ تھا جو غیر جانبدار رہ کر نظام حکومت چلاتا۔ بہت سے افسر شاہی کے لوگ مخصوص سیاسی جماعتوں کی حمایت میں ملک کے قیمتی وسائل خرچ کرتے رہے ہیں۔

4- وسائل کی کمی

اچھا نظام حکومت قائم کرنے کے لیے جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہے یعنی اس کے لیے وسائل کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ پاکستان کے پاس وسائل کی کمی ہے۔ جس وجہ سے ہم اچھے نظام حکومت کی شرائط پر پورا نہیں اتر سکتے۔

5- آئینی تحفظات کا نہ ہونا

پاکستان کے آئین میں بھی ایسے کوئی تحفظات نہیں ہیں جو اچھے نظام حکومت کے قیام میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اگر کوئی سول انتظامیہ کا فرد اچھے نظام حکومت کی طرف قدم بڑھاتا ہے تو اس کو کئی قسم کی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آئینی تحفظات نہ ہونے کی وجہ سے وہ قدم آگے بڑھانے کی بجائے پیچھے چلا جاتا ہے۔

6- احتسابی عمل کا نہ ہونا

پاکستان میں احتساب کا نظام ابھی تک قائم نہیں ہو سکا حالانکہ ہر آنے والی حکومت احتساب کا نعرہ لگاتی ہے۔ اگر کوئی حکومت احتساب کا کوئی نظام قائم بھی کرتی ہے تو بڑا پیچیدہ ہوتا ہے جس سے اس حکومت کے اہلکار بڑی مہارت سے بچ جاتے ہیں یا یہ حکومت صرف اپنے مخالفین کا احتساب کرتی ہے۔

7- ملازمین کی قلیل تنخواہیں

پاکستان کے سرکاری ملازمین کی تنخواہیں بہت قلیل ہیں۔ وہ اپنی تنخواہوں میں اپنا اور اپنے خاندان کا گزر بسر نہیں کر سکتے۔ دوسری طرف ان کے پاس بے شمار اختیارات ہوتے ہیں۔ ایک دستخط کرنے سے کسی کو لاکھوں کا فائدہ ہو سکتا ہے لہٰذا وہ بھی اس فائدہ میں سرکاری ملازم کو حصہ دار بناتا ہے جو اچھے نظام حکومت کے قیام کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

اچھے نظام حکومت کے لیے اقدامات

(i) افسر شاہی کے رویے کو بدلا جائے اور ان کو بتایا جائے کہ آپ کو عوام کی خدمت کے لیے بھرتی کیا گیا ہے لہٰذا صرف عوام کی خدمت کا کام کریں۔

(ii) جاگیردارانہ نظام کو ختم کیا جائے۔ یہ کام ہمیں پاکستان کے بننے کے فوراً بعد کر لینا چاہیے تھا لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہوا۔ دیر آید درست آید کے مترادف اب بھی یہ کام ہمیں فوری طور پر کر لینا چاہیے۔

(iii) سول انتظامیہ کا سیاست سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہوتا ان کو باور کرایا جائے کہ آپ غیر سیاسی، غیر جماعتی اور غیر جانبدار ہیں لہٰذا غیر جانبداری سے حکومت کے نظام کو چلایا جائے۔

(iv) پاکستان میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بے شمار وسائل ہیں۔ ہمیں ایماندارانہ طور پر ان وسائل کو استعمال میں لانا چاہیے۔

(v) پاکستان میں احتسابی نظام غیر جانبدار اور پائیدار ہونا چاہیے۔ ہر با اقتدار فرد کو اپنے اقتدار کا حساب دینا چاہیے۔ حضرت عمرؓ جیسا احتسابی نظام قائم کر کے اچھا نظام حکومت قائم کیا جا سکتا ہے۔

(vi) سرکاری ملازمین کی تنخواہیں مہنگائی کے حساب سے بڑھائی جائیں اور ساتھ ہی سادگی اور اسلام کی روح ان کے اندر پیدا کی جائے۔

سوالات

-1 مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے پانچ فرائض بیان کیجئے۔
-2 وفاقی انتظامیہ کے ڈھانچے کی وضاحت کیجئے۔
-3 2001ء کے مقامی حکومت کے نظام کا پس منظر کیا ہے؟ اس نظام میں اختیارات کی تقسیم نچلی سطح تک کیسے کی گئی ہے؟
-4 اچھے نظام حکومت کی دس خصوصیات بیان کیجئے۔
-5 حضرت عمرؓ کے دور کی انتظامیہ کی خصوصیات بیان کیجئے۔
-6 اچھے نظام حکومت میں کون کون سی رکاوٹیں حائل ہیں؟ نیز ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے کس قسم کے اقدامات کرنے چاہییں؟
-7 صوبائی انتظامیہ کا ڈھانچہ کیا ہے؟ اس میں شامل مختلف اہم عہدیدار کیا فرائض سرانجام دیتے ہیں؟

باب 6

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ثقافت

ثقافت (کلچر) کا مفہوم اور اہمیت

کسی قوم کی شناخت اُس کی ثقافت سے کی جاتی ہے۔ کسی قوم کے افراد جب مدتوں سے ایک سرزمین پر مل جل کر رہ رہے ہوں تو اُن کے ہاں مشترکہ قدریں، رسم ورواج' اندازِ زندگی' عائلی قوانین' تفریحات' کھیل' فنون اور مجلسی زندگی کے اصول دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہی خصوصیات اُس قوم کو دوسری اقوام سے مختلف اور ممتاز بناتی ہیں۔ اس قوم کے افراد اپنی ان خصوصیات سے لگاؤ رکھتے ہیں۔ زندگی کے مختلف پہلوؤں میں وہ اپنی پسند کے مطابق رویوں کو مستحکم کرتے ہیں اور فنونِ لطیفہ یعنی شاعری' مصوری' فنِ تعمیر' موسیقی' خطاطی اور زبان کو پروان چڑھاتے ہیں۔ پھر وہ بتدریج اپنے رہن سہن' رسومات اور لباس وغیرہ کو ارادی اور غیر ارادی طور پر اپنی زندگی کا حصہ بنالیتے ہیں۔ یہ تمام عناصر مجموعی طور پر ایک ثقافت کی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ تہذیب وثقافت کی صورت ان ہی عناصر پر بنیاد رکھتے ہوئے ابھرتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ دنیا کی مختلف قومیں بڑی حد تک اپنی اپنی جداگانہ ثقافتی خصوصیات رکھتی ہیں۔ کوئی قوم جتنی پُرانی تاریخ کی حامل ہوتی ہے' اُس کی ثقافت اتنی ہی مضبوط اور ہمہ گیر ہوتی ہے۔

ثقافت کا مسلسل ارتقاء ہوتا رہتا ہے۔ اس میں تبدیلیاں رونما ہوتے رہنا فطری امر ہے۔ ایک علاقے یا قوم کی ثقافت پر دوسرے علاقوں اور قوموں کی ثقافت کا اثر بھی نمایاں طور پر پڑتا ہے۔ ثقافت کے لغوی معنی ہی کسی شے یا ذات کی ذہنی وجسمانی نشوونما اور اصلاح کے ہیں۔ فرد کسی قوم کی ثقافت کی بنیادی اکائی ہے۔ افراد مل کر اپنے مقاصد' قدروں اور اصولوں کا تعین کرتے ہیں۔ ایک وسیع علاقے یا ایک بڑی قوم میں چھوٹی چھوٹی ذیلی علاقائی ثقافتیں بھی موجود ہوتی ہیں جو مل جل کر ایک بڑی اور مرکزی ثقافت کو ترتیب دینے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔

ایڈورڈ ٹائلر نے ثقافت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''ثقافت کا تعلق ہر قسم کے علوم وفنون' عقائد وقوانین اور رسم ورواج سے ہوتا ہے' یہ انسانوں کے افکار واعمال سے بھی متعلق ہوتی ہے۔''

ثقافت کی ایک اور تعریف کچھ اس طرح کی جاتی ہے۔ ''ثقافت ماحول کا وہ حصہ ہے جو انسان نے تشکیل دیا ہو''

ثقافت ایک کل ہوتی ہے اور کسی علاقے میں رہنے والے انسانوں کے ارادی وغیر ارادی افعال کی بدولت پروان چڑھتی ہے اور یوں اُن لوگوں کے عقائد' رسم ورواج' علوم وفنون' قوانین اور معاشرتی رویے اس میں شامل ہوتے جاتے ہیں۔

پاکستانی حوالے سے پرانی تہذیب

انسانی ثقافت (کلچر) کی ابتدا

آج کل انسان گاؤں، قصبے، شہر اور ملک بنا کر مشترکہ زندگی گزار رہے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کے ساتھ اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ ثقافت اور تہذیب جو آج دکھائی دیتی ہے، ہمیشہ سے ایسی نہیں تھی۔ ہزاروں سال پہلے انسان جنگلوں اور پہاڑوں میں رہتے تھے۔ زندگی، مال اور عزت کے تحفظ کا کوئی باقاعدہ نظام نہیں تھا۔ رفتہ رفتہ شعور بیدار ہوا۔ انسان نے دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہنا شروع کیا۔ وہ منظم ہوئے اور انھوں نے کچھ قواعد وضوابط کو اپنانا شروع کر دیا۔ یوں تہذیب اور ثقافت کا آغاز ہوا۔ یہ عمل دریاؤں کے قریب بسنے والے انسانوں میں زیادہ تیزی سے ابھرا۔ بتدریج کھیتی باڑی کا تصور پروان چڑھا اور انسانوں نے مستقل بستیاں بنا کر رہنے کا انداز اپنا لیا۔ ایسی ثقافتیں دریائے سندھ، دریائے نیل اور دریائے دجلہ وفرات کے کنارے پھیل گئیں۔ دریاؤں کی وادیوں میں پانی کی موجودگی نے ثقافت وتہذیب کو ابھارا، آبپاشی نے زراعت کے لیے راہ ہموار کی۔ دریاؤں نے اپنی وادیوں میں زرخیز مٹی بچھائی اور یوں منظم، مہذب اور محفوظ دور شروع ہوا۔ موجودہ پاکستان کے ضلع ساہیوال کے قریب ہڑپہ کے مقام پر کھدائی کی گئی تو ہزاروں سال پُرانی تہذیب کے آثار ملے۔ اسی طرح ضلع لاڑکانہ کے قریب موہنجوداڑو کے مقام پر کھدائی کے نتیجے میں بہت پرانی تہذیب کا پتہ چلا ہے۔ اُدھر مصر اور عراق کے ممالک میں بھی قدیم آثار دریافت ہوئے ہیں۔ وادی سندھ، وادی نیل اور وادی دجلہ وفرات میں انسانی ثقافتوں کی ابتداء ہوئی۔ پانچ ہزار سال پہلے ان وادیوں میں بسنے والے لوگ تہذیب وتمدن، مذہب، رسم ورواج اور مخصوص طرزِ زندگی کے حامل تھے۔ ان ہی علاقوں سے ثقافت وتہذیب کے رنگ دوسرے علاقوں اور افراد تک پہنچے اور آج ہمیں ایک مہذب ماحول پوری دنیا میں نظر آ رہا ہے۔

قدیم وادیٔ سندھ کی تہذیب وثقافت

دریائے سندھ اور اُس کے معاون دریا جس وسیع علاقے کو سیراب کرتے ہیں، وادیٔ سندھ کہلاتا ہے۔ وادیٔ سندھ دنیا کی قدیم ترین تہذیب ہے اور یہ تہذیب تقریباً 5,000 سال پرانی ہے۔ یہ بات پاکستانی قوم کے لیے قابلِ فخر ہے کہ موجودہ انسانی تہذیب کا آغاز اُن کے علاقے سے ہوا۔ عراق اور مصر میں بھی اس کی ہم عصر تہذیبوں کو فروغ حاصل ہوا۔

1922ء میں موجودہ صوبہ سندھ کے شہر لاڑکانہ سے صرف 27 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک انگریز ماہر آثار قدیمہ سر جان مارشل کی نگرانی میں موہنجوداڑو کے ٹیلوں کی کھدائی کی گئی۔ اسی دوران یہ عمل پنجاب کے شہر ساہیوال سے 24 کلومیٹر کے فاصلے پر ہڑپہ کے ٹیلوں میں دہرایا گیا۔ دونوں باقاعدہ اور منظم طور پر آباد شہر تھے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ یہ شہر 5000 سال سے بھی پہلے آباد کیے گئے اور تقریباً 2500 سال پہلے تباہی کا شکار ہو گئے۔ دونوں دریا کے کنارے واقع تھے۔ گمان ہے کہ سیلابوں نے تباہی مچادی ہوگی۔ موہنجوداڑو کے معنی "مردوں کا شہر" کے ہیں۔ دونوں شہر ایک دوسرے سے 650 کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔ دونوں شہروں میں نمایاں ہم آہنگی تھی۔ ہر دو مقامات سے کھدائی کے بعد بہت سی اشیاء دستیاب ہوئیں۔ ان میں ہتھیار، زیورات، جو اور گندم، جانوروں کے پنجر، کپڑے، برتن، مجسمے اور کھلونے شامل ہیں۔ ملنے والی اشیا سے اُس دور کے انسانوں کی ثقافت اور تہذیب وتمدن کا پتہ چلتا ہے۔ اُن کے عقائد، رسم ورواج، پیشوں اور طرزِ زندگی کے بارے میں بڑی مفید معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ کھنڈرات سے فن تعمیر اور شہروں کی ساخت کا علم ہوا ہے۔ گھر، سڑکیں، نالیاں، حمام اور مارکیٹیں اُن

شہروں میں موجود تھیں۔ گلیاں کھلی، چوڑی، سیدھی اور خوبصورت تھیں۔ اکثر گلیوں کی چوڑائی تینتیس فٹ کے لگ بھگ تھی۔ گھر، نالیاں، گلیاں اور سڑکیں پختہ اینٹوں سے بنائی گئی تھیں۔ بعض گھر کچی اینٹوں کے بھی تھے۔ ماحول کو صاف ستھرا رکھا جاتا تھا۔ حفظانِ صحت کے اصول اپنائے جاتے تھے۔ گندے پانی کی نکاسی کے لیے بنائی گئی نالیوں کو اوپر سے ڈھانپا جاتا تھا۔ روشنی اور ہوا کے گزر کا خصوصی اہتمام کیا جاتا تھا۔ اناج کو محفوظ رکھنے کے لیے گودام تعمیر کیے جاتے تھے۔ کپاس کی کاشت ہوتی تھی کیونکہ سوتی کپڑا پہننے کا ثبوت ماہرین کو کھدائی کے بعد ملا۔ چرخے سے ملتی جلتی مشین بھی کھدائی سے نکلی، جس سے کپڑے کی موجودگی کا مزید ثبوت ملا۔ لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے اور مردوں کو دفنانے کا رواج تھا۔

قدیم وادیٔ سندھ کی خصوصیات

1- تعمیرات

وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب شہری تھی۔ موہنجوداڑو اور ہڑپہ ہم عصر شہر تھے اور دونوں میں بہت سی ملتی جلتی خصوصیات تھیں۔ دونوں رقبے کے لحاظ سے بڑے اور کافی گنجان آباد تھے۔ فنِ تعمیر قابلِ تعریف تھا۔ شہروں کو باقاعدہ بازاروں، گلیوں اور محلوں کی صورت میں بسایا گیا تھا۔ گھروں میں پانی کی نکاسی کا عمدہ بندوبست تھا۔ پکی نالیاں تھیں، جو اوپر سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ گھر کشادہ اور ہوادار تھے۔ پختہ اور کچی دونوں اقسام کی اینٹیں استعمال کی گئی تھیں۔ سڑکیں اور گلیاں چوڑی اور سیدھی تھیں۔ گھروں کے اندر غسل خانے تھے اور محلے میں حمام بنائے گئے تھے۔ عمارتوں کے فرش پختہ اینٹوں کے بنے ہوئے تھے۔ تعمیرات کا عمدہ اور پختہ ذوق ہر جگہ جھلکتا نظر آتا ہے۔ ہڑپہ یا موہنجوداڑو جائیں تو آثارِ قدیمہ دیکھ کر انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے کہ کھدائی کے بعد گلیاں اور بازار مکانات اور دیگر عمارتیں باہر نکل آئی ہیں جو پانچ ہزار سال پہلے کے باسیوں کے ذوق اور شعور کا پتہ دیتی ہیں۔ کنوئیں بھی دریافت ہوئے جن سے پانی کی بہم رسائی کے انتظام کا پتہ چلتا ہے۔ گھروں کے نیچے تہہ خانے بھی بنائے جاتے تھے تاکہ موسم کی شدت سے بچا جا سکے۔ تہہ خانوں میں روشنی اور ہوا کے گزر کا اہتمام بھی موجود تھا۔ یقیناً قدیم تہذیب فنِ تعمیر کے حوالے سے بہت ترقی یافتہ تھی۔

2- لباس و زیورات

کپاس بونے اور کپڑا تیار کرنے کے بھی شواہد ملے ہیں۔ قدیم تہذیب سے وابستہ لوگ روئی اور کپڑے کے استعمال سے پوری طرح آشنا تھے۔ بعض بت اور مجسمے جو کھدائی کے بعد دریافت ہوئے، لباس زیبِ تن کیے ہوئے تھے۔ شال اوڑھنے اور سلا ہوا لباس پہننے کے ثبوت بھی ملے ہیں۔ ایسے اوزار بھی ملے ہیں، جن سے روئی کاتی جاتی تھی۔ لباس پر کڑھائی اور بیل بوٹے کا کام کرنے کا بھی رواج تھا۔ سلائی اور کڑھائی کے فن سے اُس دور کے لوگوں کے فیشن اور شوق کا پتہ چلتا ہے۔ خواتین لہنگا اور چادر استعمال کرتی تھیں۔

خواتین میں زیورات کا استعمال عام تھا۔ کھدائی کے بعد کئی قسموں کے زیورات ملے ہیں مثلاً ہار، بالیاں، انگوٹھیاں اور چوڑیاں وغیرہ۔ جواہرات کا استعمال بھی کیا جاتا تھا جو غالباً وسط ایشیا سے منگوائے جاتے تھے۔ ہاتھی کے دانت سے زیورات بنانے کا رواج بھی تھا۔

3- کھلونے

بچوں کے لیے کھلونے تیار کیے جاتے تھے جو عموماً مٹی کے بنے ہوتے تھے۔ جانوروں اور انسانوں کے مجسمے اور روزمرہ استعمال کی چیزوں کے نمونے بھی تیار کیے جاتے تھے۔ مٹی کی بنی ہوئی گڑیاں بھی دریافت ہوئی ہیں۔ گھوڑے اور رتھ کی طرح کے کھلونے بھی کھدائی

کے بعد ملے ہیں۔ رتھ سے ثابت ہوا کہ قدیم لوگ پہیے کے استعمال سے آشنا تھے۔ کھلونوں کی موجودگی سے معاشرتی زندگی میں خاندان اور بچوں کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

4- روزمرہ کی گھریلو اشیا

قدیم باشندے کانسی' تانبے اور ہاتھی دانت کے استعمال سے واقف تھے' البتہ لوہے کے بارے میں اُن کے علم کی تصدیق نہیں ہو سکی ہے۔ گھر میں استعمال ہونے والے برتن تانبے اور کانسی کے بھی بنائے جاتے تھے۔ زیادہ تر برتن عام مٹی کے بنے ہوتے تھے۔ مٹی کے پیالے' گھڑے' تھالیاں' مٹکے اور دیگر ظروف بڑی تعداد میں کھدائی کے بعد نکالے گئے۔ ہاتھی دانت اور جانوروں کی ہڈیوں سے بنی اشیاء بھی ملی ہیں۔ یہ اشیا آج بھی ہڑپہ اور موہنجوداڑو کے عجائب گھروں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ پاکستان کے بڑے عجائب گھروں میں بھی کھدائی کے بعد حاصل ہونے والی اشیاء عام لوگوں کو دکھانے کے لیے رکھی گئی ہیں۔ طلباء وطالبات ان کا مشاہدہ کر کے وادئ سندھ کی قدیم تہذیب کے بارے میں بڑی قیمتی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

5- جنگی ہتھیار

وادئ سندھ کے قدیم باشندے تلوار' نیزے' بھالے' تیر کمان' کلہاڑی' خنجر' آری' چاقو جیسے جنگی آلات سے آگاہ تھے۔ یہ ہتھیار زیادہ تعداد میں دریافت نہیں ہوئے۔ کانسی اور تانبے کے ہتھیاروں سے جنگ کی جاتی تھی۔ وسطی ایشیا سے آنے والے حملہ آوروں نے علاقے پر آسانی سے قبضہ کر لیا اور مقامی باشندوں کو شکست دے کر یا تو غلام بنا لیا یا پھر ان کو برصغیر کے دوسرے حصوں میں بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ جنگی امور میں وہ لوگ زیادہ ترقی یافتہ نہ تھے۔ اس سے اُن کے امن پسند ہونے کا بھی پتہ ملتا ہے۔ وہ لوگ جنگوں میں رتھ کا استعمال بھی کرتے تھے۔

6- تجارت

اندازہ لگایا گیا ہے کہ وادئ سندھ کے قدیم باشندوں کے تجارتی تعلقات دور دراز کے علاقوں میں رہنے والے لوگوں سے تھے۔ وہ اپنی اشیا انھیں بھیجتے اور اُن کے ہاں ملنے والی اشیاء درآمد کرتے تھے۔ تانبا' کانسی' ٹین اور چاندی کے استعمال سے وہ لوگ واقف تھے لیکن یہ اشیا وادی سندھ میں مہیا نہیں تھیں۔ ظاہر ہے کہ وہ باہر سے منگواتے ہوں گے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اُن کے تجارتی رابطے مختلف علاقوں میں تھے۔ افغانستان' وسط ایشیا' ایران اور خراسان کے علاقوں میں بسنے والے لوگوں سے اُن کا لین دین تھا۔ کھدائی میں ملنے والی اشیاء میں جواہرات بھی ملے ہیں' نیز کئی اقسام کے زیورات کا بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ چیزیں بھی وہ دوسرے علاقوں سے حاصل کرتے تھے۔ ماہرین نے ان ہی حقائق کی بنیاد پر اندازہ لگایا ہے کہ وہ تجارت سے بخوبی آگاہ تھے اور اپنی وادی سے باہر کا تجارتی سفر بھی کرتے رہتے تھے۔

7- اعتقادات

کھدائی کی گئی تو بت برآمد ہوئے۔ بتوں کی وجہ سے قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ لوگ بت پرست تھے۔ پتھروں اور دھاتوں کے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ سورج' چاند اور ستاروں کی پوجا کا بھی رواج تھا۔ وہ اپنے مردہ افراد کو زمین میں دفن کرتے تھے۔ مشترکہ طور پر عبادت کرنے کے لیے مخصوص عمارتیں بنائی گئی تھیں۔

8- جانور

مچھلی، بھینس، خرگوش، سانپ، ہاتھی، گینڈے اور شیر سمیت کچھ جانور اُس دور میں پائے جاتے ہیں کیونکہ ان جانوروں کی شکلیں دیواروں اور مختلف مہروں پر بنائی گئی تھیں۔ پتھر اور تانبے کی بنی ہوئی مہروں پر جانوروں کی تصاویر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ ان جانوروں کی موجودگی سے آگاہ تھے اور اپنی روزمرہ زندگی میں ان کا استعمال کرتے تھے۔ مچھلی، شیر اور گینڈے کی موجودگی ظاہر کرتی ہے کہ وہ شکار سے بھی رغبت رکھتے تھے۔

9- خوراک

جو، گندم، مچھلی اور کھجور اُن کی خوراک تھی۔ وہ کھیتی باڑی سے کافی حد تک آگاہ تھے۔ جو، گندم اور کپاس بوتے تھے۔ کھجور کی گٹھلیاں بھی کھدائی میں دستیاب ہوئی ہیں اور مچھلی پکڑنے کا سامان بھی ملا ہے، جس سے ان لوگوں کی خوراک کا پتہ چلتا ہے۔ اناج کے گوداموں کی تعمیر کا سراغ بھی موہنجوداڑو اور ہڑپہ کی کھدائی کے بعد ملا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ بہت ترقی یافتہ اور مہذب تھے۔

10- گندھارا

وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب 5000 سال پہلے سے موجود تھی۔ وسطی ایشیائی علاقوں سے آنے والے گروہوں اور لشکروں نے وادیٔ سندھ کی ثقافت میں اپنے رنگ بھی شامل کیے۔ کشن خاندان کے مہاراجہ کنشک کے دور میں گندھارا آرٹ کو بہت عروج حاصل ہوا۔ گندھارا کا علاقہ وادیٔ سندھ کے شمال میں واقع ہے۔ راولپنڈی سے پشاور تک کا علاقہ گندھارا کہلاتا تھا اور اس کا مرکزی شہر ٹیکسلا تھا۔ 2500 سال پہلے گندھارا تہذیب وثقافت کا ایک اعلیٰ اور ممتاز مرکز تھا۔ یہاں تعلیمی سہولتیں بہت معیاری تھیں۔ ٹیکسلا میں یونیورسٹی موجود تھی، جہاں دور دراز سے علم کے متلاشی آتے اور فیض یاب ہوتے تھے۔

ثقافتی اعتبار سے 2500 سال پہلے کا زمانہ گندھارا میں بڑا ہی اہم اور منفرد تھا۔ علم وحکمت کے علاوہ مختلف فنون میں بھی وہ لوگ ماہر تھے۔ سنگ تراشی کا فن خصوصاً نمایاں تھا۔ اُس دور کی عبارات لکھی ہوئی پائی جاتی ہیں۔ گندھارا کی تہذیب کو حملہ آوروں نے آکر بہت نقصان پہنچایا۔ ایران، وسط ایشیا اور یونان سے آنے والے لشکروں نے گندھارا آرٹ کو تباہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ مقامی لوگوں کو اپنے فنون سے بھی آگاہ کیا۔ ان علاقوں سے آنے والے لشکریوں کے ہمراہ اہل علم، اہل حرفہ اور فنکار بھی آئے اور یوں گندھارا میں مختلف تہذیبوں کے ملاپ سے نئے نئے اثرات مرتب ہوئے۔ یونانیوں نے مجسمہ سازی کے فن پر گہرا اثر ڈالا۔ روزمرہ زندگی کے مختلف پہلو بھی متاثر ہوئے۔ مقامی آبادی نے لباس، خوراک اور رہائش کے حوالے سے نئے طور طریقے دیکھے۔ عمارتوں کی تعمیر اور آرائش کے امور بھی بدلے اور وادیٔ سندھ کی تہذیب وثقافت میں یونانی اور دیگر علاقوں کے رنگوں کا اضافہ ہوا۔

گندھارا آرٹ کے مختلف ادوار کے نمونے پاکستان کے عجائب گھروں میں رکھے گئے ہیں۔ یونانی اور وسطی ایشیائی اثرات قبول کر کے مقامی آبادی نے جو فن پارے تخلیق کیے وہ بھی عجائب گھروں میں موجود ہیں۔ کثیر تعداد میں بڑے ہی نادر نمونے ٹیکسلا کے عجائب گھر میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ٹیکسلا راولپنڈی سے 40 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ جہاں ہر سال کثیر تعداد میں ملکی اور غیر ملکی سیاح مشرق ومغرب کے حسین امتزاج پر مبنی قدیم تہذیب وثقافت کا مشاہدہ کرنے آتے ہیں۔

پاکستان کا ثقافتی ورثہ

پانچ ہزار سال سے بھی پہلے اس زمین پر انسان منظم انداز میں بس رہے تھے۔ شمال مغربی درّوں سے حملہ آوروں کے آنے کا سلسلہ شروع ہوا تو کئی علاقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ برصغیر کے شمال مغربی علاقوں سے ہوتے ہوئے لاہور اور ملتان پہنچے۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جو مستقل طور پر ان علاقوں میں بس گئے۔ ان کے ساتھ فنکار' شعراء' ماہرین تعمیرات' موسیقار اور دیگر فنون کے ماہرین بھی آئے۔ یوں وادیٔ سندھ میں یونان' ایران' افغانستان اور وسط ایشیا سے آنے والے فنون کا امتزاج ہوا اور ایک خوبصورت معاشرہ پروان چڑھا' جس میں ملی جلی ثقافت اور تہذیب ابھری۔

712ء میں محمد بن قاسم کی قیادت میں مسلمان وادیٔ سندھ میں داخل ہوئے تو مقامی ثقافت پر اسلامی اور عرب ثقافت کے اثرات مرتب ہوئے۔ مسلمانوں نے پورے برصغیر میں اپنا رنگ جمایا۔ ہر شعبہ میں اُن کے فنون نے مقامی لوگوں پر اثر ڈالا۔ وادیٔ سندھ بلکہ برصغیر پر انیسویں صدی کے وسط تک مسلمان حکمران رہے۔ اُن کا اقتدار ختم ہوا تو انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی عملاً حکمران بن گئی۔ دیگر یورپی اقوام نے بھی انگریزوں کے ساتھ ساتھ قسمت آزمائی کی۔ یوں برصغیر میں فرانسیسی اور پرتگیز بھی وارد ہوئے۔ یورپی اقوام کی ثقافت نے جنوبی ایشیا کو کافی حد تک بدل دیا۔

انگریز حاکمیت کے دور میں مسلمانوں کو اپنی ثقافت بہت کمزور پڑتی دکھائی دی تو انھوں نے غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کے لیے دیگر ہندوستانی اقوام کے ہمراہ 1857ء میں جنگ آزادی لڑی لیکن وہ ناکام ہوئے۔ اب انگریزوں کا غلبہ قطعی تھا۔ مسلمان بے بس اور لاچار تھے' وہ اپنی ثقافتی سرگرمیاں جاری رکھنے سے معذور کر دیئے گئے' جبکہ ہندوؤں' سکھوں اور عیسائیوں کو مکمل آزادی حاصل تھی۔ وہ مذہبی اور معاشرتی طور پر اپنی مرضی سے جی رہے تھے۔ مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہوا۔ اُن کے تعلیمی' مذہبی اور ثقافتی ادارے بند کر دیئے گئے اور اُن کی جداگانہ ثقافتی حیثیت کو کچلنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔

جنگ آزادی کے بعد اسلامی تعلیمات کا کوئی انتظام باقی نہ رہا تھا' مزید یہ کہ ہندوؤں کی تنظیموں نے مسلمان اور اُن کے عقائد کے خلاف زہر اُگلنا شروع کر دیا۔ آریا سماج' سنگھٹن' شدھی' برہمن سماج اور دیگر ہندو فرقہ وارانہ تنظیموں نے ہر ممکن طریقے سے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔ قریب تھا کہ اسلام اور اُس کے داعی برصغیر سے ناپید ہو جاتے کہ ایک عظیم تحریک ابھری۔ تحریک علی گڑھ نے سرسیدؒ احمد خاں کی قیادت میں مسلمانوں اور اُن کے مذہبی' سیاسی' معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو بچانے کا بیڑہ اٹھایا۔

تحریک علی گڑھ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا باعث بنی۔ اس تحریک کے تحت سکول بنائے گئے۔ علی گڑھ کالج بنا جو بعد از اں یونیورسٹی کا درجہ اختیار کر گیا۔ مولانا شبلی' مولانا الطاف حسین حالی' مولانا ڈپٹی نذیر احمد' محسن الملک اور وقار الملک سمیت کئی مسلم اکابرین نے سرسید کا ساتھ دیا۔ ان قائدین کے کام کو مولانا محمد علی جوہر' مولانا شوکت علی' مولانا حسرت موہانی' مولانا ظفر علی خاں اور علامہ محمد اقبالؒ نے جاری رکھا۔ مسلمانوں کی ثقافت کی انفرادی حیثیت برقرار رکھنے کے لیے تحریک نے قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ برصغیر کے طول و عرض میں سرسید کے انداز میں کئی دوسری شخصیات نے اپنے اپنے علاقوں میں سرگرمیاں شروع کیں۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ' اسلامیہ کالج لاہور' اسلامیہ کالج پشاور' حلیم کالج کانپور اور ایسے ہی کئی ادارے وجود میں آئے جو مسلم ثقافت کے تحفظ کے لیے کوشاں رہے۔

رقبے کے اعتبار سے وادیٔ سندھ موجودہ پاکستان کا بہت بڑا حصہ ہے' یوں یہ وادی مسلمانوں کا مرکز بنی ہے۔ اہل پاکستان کو

وادیٔ سندھ نے بیش قیمت ثقافتی ورثہ سے نوازا ہے۔ وہ بہت خوش قسمت ہیں اور فخر کر سکتے ہیں کہ اُن کی تہذیب وثقافت ہزاروں سال پرانی ہے۔ پاکستان کے ورثہ میں سب سے قیمتی اضافہ مغل دور میں ہوا۔

پاکستان کا ورثہ جمالیاتی ذوق، اعلیٰ پائے کے علوم وفنون اور اپنی منفرد خصوصیات کی وجہ سے دنیا بھر میں اہل فکر ونظر کی توجہ کا مرکز رہا ہے اور اب بھی اسے بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ پاکستان میں مختلف فنون کے حوالے سے موجود شہ پاروں کا مشاہدہ کرنے کے لیے دنیا کے مختلف علاقوں سے سیاح آتے ہیں۔ برصغیر پر مسلمانوں نے 1000 سال کے لگ بھگ حکومت کی اور اس دوران مسلمان فنکاروں نے مختلف شعبوں میں حیرت انگیز کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ موسیقی، فن تعمیر، خطاطی، سنگ تراشی، شاعری اور مصوری وغیرہ میں دنیا بھر میں نام کمایا۔ پاکستانی عوام اپنے ثقافتی ورثے پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ مختلف شعبوں میں مسلمانوں نے جو شاہکار پیش کیے ہیں ان کی ایک اجمالی تصویر پیش کی جاتی ہے۔

1- فنِ تعمیر

مسلمان ماہرینِ تعمیرات نے مسلم دورِ حکومت میں پورے برصغیر میں بہت سی شاندار عمارتیں بنائیں۔ درج ذیل عمارات تقسیم برصغیر کے بعد بھارت کے علاقے میں چلی گئیں۔

- لال قلعہ، دہلی
- شاہی مسجد، دہلی
- تاج محل، آگرہ
- شاہی قلعہ، آگرہ
- قطب مینار، دہلی
- ہمایوں، اکبر اور شیر شاہ سوری کے مقبرے

پاکستان کے علاقے میں درج ذیل عمارتیں بنائی گئیں۔

- جہانگیر کا مقبرہ، لاہور
- نور جہاں کا مقبرہ، لاہور
- شاہی مسجد، لاہور
- شاہی قلعہ، لاہور
- چوبرجی، لاہور
- شالامار باغ، لاہور
- مسجد وزیر خان، لاہور
- جامع مسجد، ٹھٹھہ
- جامع شیر شاہی مسجد، بھیرہ
- مسجد مہابت خان، پشاور
- رہتاس اور اٹک کے قلعے
- مقبرہ شاہ رکن عالم، ملتان

مسلم فنِ تعمیر نے پہلے سے موجود ہندو فنِ تعمیر پر برتری حاصل کی اور اپنی جملہ صفات کی وجہ سے اسے غالب درجہ حاصل ہے۔

2- فنِ موسیقی

ہندو دور میں فنِ موسیقی کو کافی عروج حاصل رہا تاہم مسلمانوں کی آمد کے بعد موسیقی کے فن کو نئی جہتیں ملیں۔ مسلم فنکاروں نے سر اور ساز دونوں میں ایجادات کیں۔ برصغیر میں مسلم دور کی موسیقی پر ایران، عرب اور دیگر مسلم علاقوں کے سروں کا اثر پڑا۔ کلیان، راگ ایمن، کافی اور حسینی کانٹرا اسی دور میں دریافت ہونے والے راگ تھے۔ مسلمانوں نے شہنائی، ڈھولک، سرود، رباب، دف، طنبورہ اور ستار تخلیق کیے۔ یہ ساز آج کی موسیقی میں بھی بہت قدر و منزلت رکھتے ہیں۔ امیر خسرو نے نئے نئے ساز اور راگ ایجاد کیے۔ اکبر اعظم کے دربار میں تان سین جیسے شہرہ آفاق موسیقار موجود رہے۔ تان سین نے میاں کی ٹوڈی، میاں کی ملہار اور درباری کانٹرا جیسے راگ بنائے۔ کئی مسلمان خاندان موسیقی کی دنیا میں اپنی پہچان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بنا گئے۔ اُن خاندانوں سے تعلق رکھنے والے موجودہ نسل کے فنکار آج بھی موسیقی کا جادو جگا رہے ہیں۔

3- فنِ مصوری

پاکستان کے شمالی علاقوں میں قدیم دور سے مصوری کی طرف عوام کا رجحان تھا۔ سوات میں بٹ کڑا کے مقام پر ایک تصویر چونے کی دیوار پر بنائی گئی تھی اور اُس میں رنگ بھی بھرے گئے تھے۔ قدیم دور میں بننے والی یہ تصویر پتہ دیتی ہے کہ اس علاقے میں مصوری کا فن بہت حد تک متعارف تھا۔ مغل بادشاہوں کے دور میں مصوروں نے باتصویر نسخے تیار کیے اور داستانوں کو تصویروں کی مدد سے عوام تک پہنچایا۔ شہنشاہ جہانگیر مصوری کا دلدادہ تھا۔ اُس نے مصوروں کی بڑی حوصلہ افزائی کی۔ اُس کا دعویٰ تھا کہ وہ تصویر دیکھ کر مصور کا نام بتا سکتا ہے۔ بعد میں آنے والے مصوروں نے اس فن کو بامِ عروج تک پہنچا دیا۔ شہنشاہ جہانگیر کے دربار سے مشہور مصور استاد منصور، استاد محمد نادر اور استاد محمد مسعود وابستہ تھے۔

4- خطاطی

خطاطی ایک ایسا فن ہے جس میں مسلمانوں کا کوئی ثانی نہ ہو سکا۔ خوش نویسی مسلم فنکاروں کا شوق تھا جو انتہا کو پہنچ گیا۔ قرآن پاک کو کئی انداز میں تحریر کیا گیا۔ نئے نئے خط دریافت کیے گئے اور نت نئے تجربات کیے گئے۔ بعض بادشاہوں نے خود اس فن میں مہارت حاصل کی۔ اورنگ زیب عالمگیر، ظہیر الدین بابر، ناصر الدین محمود اور بہادر شاہ ظفر ان میں بہت نمایاں تھے۔ ملکہ رضیہ سلطانہ خود بہت عمدہ خطاط تھیں۔ بادشاہوں نے خطاطوں کو بہت نوازا اور اس فن کے فروغ کے لیے ہر ممکن دلچسپی کا اظہار کیا۔ خطاطوں نے قرآن پاک کو مختلف زاویوں، طریقوں اور خطوں کی مدد سے تحریر کیا۔ مغلیہ دور کے خطاطی کے نمونے آج بھی عجائب گھروں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ خطاطی کا فن آج بھی بہت معیاری اور قابلِ دید ہے۔

5- سنگ تراشی

زمانہ قبل از مسیح میں سنگ تراشی کا فن موجودہ پاکستان کے کئی علاقوں میں مقبول تھا۔ یوں تو سنگ تراشی کے فن کے نمونے ہڑپہ اور موہنجوداڑو کی کھدائی سے بھی دستیاب ہوئے ہیں، سنگ تراشی سے مساجد، مقبروں، قلعوں اور محلوں کو سجایا گیا۔ ٹائلیں اور پتھر لگا کر دیواریں اور فرش خوبصورت بنائے گئے۔ ٹھٹھہ، اُچ شریف، لاہور، ملتان، چنیوٹ اور کئی دوسرے شہروں میں سنگ تراشی کے بہت ہی دلفریب نمونے آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ پتھروں سے برتن اور ڈیکوریشن پیس تیار کیے جا رہے ہیں۔ ٹیکسلا، ملتان اور کئی دوسرے شہروں میں یہ فن گھریلو صنعت کا روپ اختیار کیے ہوئے ہے۔

پاکستانی ثقافت کی نمایاں خصوصیات

پاکستانی ثقافت پر اسلام کی واضح چھاپ ہے۔ آج کے پاکستانیوں کی طرزِ زندگی، خوراک، لباس، مذہب، رجحانات، فنون اور دیگر پہلو گزشتہ ہزاروں سال کے اثرات قبول کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ پاکستانی ثقافت کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں۔

1- مخلوط ثقافت

پاکستانی علاقوں میں آ کر بسنے والے لوگ دُنیا کے مختلف علاقوں سے آئے۔ ان میں ایرانی، وسطی ایشیائی، تورانی، عربی، یونانی، عراقی اور یورپی شامل تھے۔ جو گروہ بھی آیا اپنے ہمراہ اپنی روایات، رسوم، تہوار، لباس، خوراک اور زندگی گزارنے کے انداز لے کر آیا۔ ان گروہوں نے ایک دوسرے پر اثر ڈالا اور ایک ملی جلی ثقافت ابھرتی گئی۔

2-مذہبی ہم آہنگی

قدیم مقامی باشندے اپنے جداگانہ مذہبی اصولوں پر کاربند تھے۔ مظاہر قدرت کی بھی پرستش کی جاتی تھی لیکن برصغیر پر مسلمانوں کے اقتدار کے دور میں پاکستانی علاقے میں اسلام کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ بزرگانِ دین نے اسلام پھیلایا۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ، حضرت فریدالدین گنج شکرؒ، حضرت بہاؤالدین زکریاؒ ملتانی اور ایسے ہی بہت سے اولیائے کرامؒ نے مقامی آبادی کو اسلامی تعلیم دی تو بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

موجودہ پاکستان میں مذہبی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ علاقائی، صوبائی، لسانی، نسلی اور دیگر بنیادیں بھی ہیں لیکن پاکستانیوں کی اہم ترین پہچان اسلام ہے۔ وہ ذات پات، رنگ و نسل اور علاقے و صوبے کے امتیازات کو نسبتاً بہت کم اہمیت دیتے ہیں۔

پاکستان میں مذہبی ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ مذہبی رواداری بھی موجود ہے کیونکہ مسلم اکثریت کے ہمراہ چھوٹی چھوٹی کئی اقلیتیں بھی پاکستان میں بستی ہیں۔ عیسائی، ہندو اور پارسی وغیرہ اپنے اپنے مذہبی اعتقادات کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں۔ پاکستان کا دستور اقلیتوں کو مکمل تحفظ دیتا ہے۔ وہ قومی دھارے میں پوری طرح شریک ہیں اور کاروبار و ملازمتوں کے دروازے اُن کے لیے یکساں کھلے ہیں۔

3-لباس

پاکستانی عوام کے لباس میں بڑا تنوع ہے۔ ہر صوبے اور علاقے کے لوگ اپنی روایات کے مطابق لباس زیب تن کرتے ہیں۔ دیہی اور شہری علاقوں میں مختلف لباس پہنے جاتے ہیں۔ پاکستان کے لباس موسمی اور مذہبی ضرورتوں کے پیشِ نظر تیار کیے جاتے ہیں۔ سر پر ٹوپی پہننا یا پگڑی باندھنا پسند کیا جاتا ہے۔ دونوں موسمی شدت سے بچاتی ہیں۔ دیہی علاقوں میں مرد دھوتی، کرتا اور پگڑی استعمال کرتے ہیں۔ اب شلوار کا رواج بھی بڑھتا جا رہا ہے۔ عورتیں دوپٹہ، شلوار اور کرتا پسند کرتی ہیں۔ شہری علاقوں میں شلوار قمیص، پینٹ کوٹ، شیروانی اور واسکٹ کا رواج ہے۔ شہری ماحول پر مغربی لباس کا اثر نمایاں نظر آتا ہے۔

صوبہ خیبر پختونخوا، صوبہ بلوچستان اور صوبہ سندھ میں بڑے گھیرے والی شلوار پہنی جاتی ہے۔ پاکستان کے طول و عرض میں لباس کو پردے کے تقاضوں کے مطابق تیار کیا جاتا ہے۔ عورتیں کڑھائی والا لباس پہننا زیادہ پسند کرتی ہیں۔ شادی کے موقع پر دلہن کا لباس بڑا ہی خوبصورت تیار کروایا جاتا ہے۔

4-معاشرتی قدریں

پاکستان کے تمام علاقوں اور صوبوں میں اعلیٰ اور منفرد قدریں پائی جاتی ہیں۔ زندگی سادہ اور پُروقار ہوتی ہے۔ بزرگوں کا احترام کیا جاتا ہے۔ چھوٹوں سے محبت کرنے کا رواج ہے۔ بے آسرا، ضرورت مند اور غریب افراد کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے زکوٰۃ اور صدقات وغیرہ کا نظام سرکاری اور غیر سرکاری دونوں سطحوں پر قائم ہے۔ خواتین کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کے دکھوں، غموں، خوشیوں اور مسرتوں میں شریک ہوتے ہیں۔ مسائل کو مل جل کر اور صلاح مشورے سے حل کیا جاتا ہے۔ دیہی علاقوں میں بزرگوں پر مشتمل پنچائتیں بہت سے تنازعات کو مقامی سطح پر حل کر لیتی ہیں۔ دیہی معاشرہ بالخصوص اعلیٰ روایات سے مزین ہے۔

5-غذائیں

پاکستان کے مختلف علاقوں میں مختلف اشیائے خوردنی پسند کی جاتی ہیں۔ پنجاب اور سندھ میں سبزیاں، دالیں، گوشت اور چاول بہت

مرغوب ہیں۔ خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں گوشت اور خشک وتازہ پھلوں کو فوقیت دی جاتی ہے۔ گندم، جو اور چاول کھانے میں خصوصی طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ سندری ساحل کے قریب رہنے والوں کو مچھلی بہت پسند ہے۔ پنجاب میں دودھ اور لسّی جبکہ خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں قہوہ پسند کیا جاتا ہے۔ سجّی اور کڑاھی گوشت نصف صدی پہلے خیبر پختونخوا اور شمالی پنجاب تک محدود خوراک تھی۔ اب پشاور سے کراچی اور کوئٹہ تک برابر پسند کی جاتی ہے۔ خوراک کے معاملے میں پسند اور ترجیحات بدل رہی ہیں۔ پاکستانی لوگوں کی مرغوب غذا گوشت ہے۔ مہمانوں کی آمد اور شادی بیاہ کے موقعوں پر دعوتیں اعلیٰ قسم کے کھانوں سے سجائی جاتی ہیں۔

6-رسم ورواج

پاکستان میں عوام مختلف موقعوں پر مخصوص رسم ورواج کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ یہ رسومات معمولی فرق کے ساتھ سارے ملک میں ادا کی جاتی ہیں۔

(i) شادی کی رسومات

شادی ایک اسلامی فریضہ ہے اور ایک مخصوص دن نکاح کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ دلہن والوں کی طرف سے کھانے کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس کے بعد دولہا والے ولیمہ کی دعوت دیتے ہیں۔ موجودہ حکومت نے جہیز پر پابندی لگا کر بہت اچھا قدم اٹھایا ہے۔ اسی طرح شادی کے کھانوں پر کثیر رقوم خرچ کی جاتی تھیں۔ ان اخراجات پر بھی پابندی لگادی گئی ہے۔ عوام کو چاہیے کہ وہ ان قوانین کا احترام کریں کیونکہ یہ اُن کی سہولت کے لیے ہی متعارف کرائے گئے ہیں۔

(ii) بچوں کی پیدائش

پیدائش کے فوراً بعد بچے کے کان میں اذان دی جاتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال رہے۔ عزیز واقارب بچوں کی پیدائش کے موقع پر خصوصاً خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور نومولود کو تحائف بھی دیئے جاتے ہیں۔ عقیقہ کی رسم بھی نبھائی جاتی ہے۔

(iii) اموات کی رسمیں

کسی فرد کے فوت ہوجانے پر رشتہ دار، عزیز واقارب اور تعلق دار متوفی کے گھر جمع ہوتے ہیں۔ میت کو غسل دیا جاتا اور کفن پہنایا جاتا ہے۔ بعدازاں نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد اُسے قبرستان میں دفن کیا جاتا ہے۔ ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کی جاتی ہے۔

رسم ورواج کے حوالے سے یہ بات بہت اہم ہے کہ ہمارے ملک میں تمام اقلیتوں کو یہ حقوق حاصل ہیں کہ وہ اپنی مذہبی روایات کے مطابق شادی، بیاہ اور اموات کی رسمیں اپنائیں۔ اپنے معمولات زندگی اپنے مذہب کے حوالے سے اپنانے پر ان پر کوئی قدغن نہیں ہے۔

7- میلے اور عرس

پاکستان بھر میں بے شمار میلے اور عرس ہر سال منعقد کیے جاتے ہیں۔ یہ میلے اور عرس ہماری ثقافت کی عکاسی کرتے ہیں۔ ہر سال فصل کی کٹائی شروع ہونے سے پہلے اور بعد میں مختلف شہروں میں سرکاری اور غیر سرکاری دونوں اقسام کے میلوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بہار کا موسم شروع ہوتا ہے اور پاکستانی عوام اپنی تھکن دور کرنے اور تازہ دم ہونے کے لیے جوق در جوق میلوں کا رخ کرتے ہیں۔ چند عرس اور میلے خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

- لاہور فورٹریس سٹیڈیم میں ہارس اینڈ کیٹل شو
- شینڈور (گلگت) میں پولو میچز

- سبی کا سالانہ میلہ
- عرس حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ
- عرس حضرت فریدالدین شکر گنجؒ
- عرس حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ
- عرس حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ
- عرس حضرت مادھولال حسینؒ (میلہ چراغاں)
- عرس حضرت سیدن شاہؒ
- عرس حضرت سچل سرمستؒ، سندھ
- عرس حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ، سندھ
- عیسائیوں، ہندوؤں اور دیگر اقلیتوں کے مذہبی تہوار

8- کھیل

پاکستان میں مختلف روایتی اور جدید کھیلوں کے مقابلے بھی کرائے جاتے ہیں۔ پاکستان کی کرکٹ، ہاکی، سکوائش کی ٹیمیں دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ ان کھیلوں کے ٹورنامنٹ ضلعی، ڈویژنل، صوبائی اور ملکی سطح پر منعقد کرائے جاتے ہیں۔ پاکستان میں پہلوانی کا فن بھی وجہ شہرت ہے۔ پاکستان کے رستم زماں گاماں جیسے پہلوانوں نے ملک کا نام پوری دنیا میں روشن کیا ہے۔ گوجرانوالہ اور لاہور میں بالخصوص اکھاڑے ہیں، جہاں پہلوان کسرت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ گلگت اور شمالی علاقوں میں پولو کا کھیل بے حد مقبول ہے اور دو ہزار سال سے کھیلا جا رہا ہے۔

9- مختلف فنون

(i) فن تعمیر

پاکستان کی تخلیق کے بعد کراچی میں مزار قائداعظمؒ، لاہور میں الفلاح بلڈنگ اور واپڈا ہاؤس، اسلام آباد میں فیصل مسجد اور شکر پڑیاں کی پہاڑی تفریحی گاہیں تعمیر کی گئیں۔ اپنی تاریخی اور جدید عمارات کی وجہ سے پاکستان غیر ملکی سیاحوں کے لیے بڑی کشش رکھتا ہے۔

(ii) دستکاریاں

پاکستان میں دستکاریاں منفرد اور اچھوتے فن کے کمال کا اظہار ہیں۔ مرد و زن دستکاری کا کام کرتے ہیں، جن کی بنائی ہوئی چیزیں دوسرے ممالک میں بہت پسند کی جاتی ہیں۔

مثلاً چنیوٹ اور گجرات کا بنا ہوا لکڑی کا فرنیچر بہت مشہور ہے۔ ملتان کی بیڈ شیٹ (بستروں کی چادریں) اور اونٹ کی کھال کے بنے ہوئے لیمپ بہت پسند کیے جاتے ہیں۔ کمالیہ کا کھدر، گکھڑ کی دریاں، بھیرہ کے کھیس، آزاد کشمیر کی شالیں، گلگت کی کڑھائی کی پٹیاں، بہاولپور و ڈیرہ غازی خاں کے کڑھائی کے کام بہت نفیس ہیں، جن کو بہت پسند کیا جاتا ہے۔

ٹیکسلا میں سنگ مرمر کی مصنوعات اپنی مثال آپ ہیں۔ چوڑیاں، اجرک اور بلاک پرنٹنگ کے لیے حیدرآباد، مشہور کھیلوں کے سامان اور سرجیکل آلات کے لیے سیالکوٹ اور چھریوں کانٹوں کے لیے وزیر آباد بہت مشہور ہے۔

(iii) مصوری اور خطاطی

پاکستان میں مصوری کا فن بڑا منفرد اور ملک کی شناخت سمجھا جاتا ہے۔ کلاسیکل اور جدید مصوری کے انتہائی عمدہ نمونے اہل ذوق

سے بے پناہ داد وصول کرتے ہیں۔ خطاطی کے فن میں بھی پاکستان کے نامور خطاطوں نے بے مثال شاہکار تخلیق کیے، تاج الدین زریں رقم، سید نفیس الحسینی نفیس رقم، عبدالمجید پروین رقم، یوسف سدیدی اور صوفی عبدالرشید لاہوری وغیرہ جیسے نامور خطاطوں کے فن پارے اس حوالے سے بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں۔ عبدالرحمٰن چغتائی نے کلام غالب کو تصویری شکل میں پیش کر کے نادر شاہکار بنائے ہیں۔ شاکر علی، صادقین، اسلم کمال اور کئی دوسرے مصوروں نے مصوری کے فن کو بامِ عروج تک پہنچایا ہے۔ ان مصوروں نے خطاطی کے فن پارے بھی تخلیق کیے۔ مغل اور جدید زمانوں کے مصوری اور خطاطی کے فن پارے لاہور کے عجائب گھر اور شاہی قلعے میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

10- تہوار

پاکستان کی اکثریتی آبادی مسلمان ہے اور وہ اپنے مختلف مذہبی اور معاشرتی تہوار مثلاً عیدالفطر، عیدالضحٰی، عید میلاد النبیﷺ، یوم عاشور، شب معراج اور شب برات وغیرہ بڑے جوش وخروش سے مناتے ہیں۔ یہ تہوار ہماری صدیوں کی ثقافت کا اہم حصہ ہیں۔ نیز پاکستان میں غیر مسلموں کو بھی اپنے تہوار منانے کی پوری آزادی ہے۔

سوالات

1- ثقافت کی تعریف کیجئے نیز انسانی ثقافت کا ارتقاء بیان کیجئے۔
2- قدیم وادی سندھ کی ثقافت کی خصوصیات بیان کیجئے۔
3- ثقافت کے حوالے سے مختلف شعبوں میں مسلمانوں نے جو شاہکار پیش کیے اُن کا جائزہ لیجیے۔
4- پاکستانی ثقافت کی نمایاں خصوصیات کا ذکر کیجئے۔

باب 7

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی زبانیں

ہم اپنے خیالات کا اظہار زبان کے ذریعے اس لیے کرتے ہیں کہ زبان انسانی جذبات کے اظہار کا ایک قدرتی اور موثر ذریعہ ہے۔اس سے ہم اپنے خیالات اور احساسات دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ کسی بھی زبان کی موجودہ شکل ایک طویل شعوری اور مسلسل محنت کا نتیجہ ہے۔

ابتدا میں انسان محض مہمل آوازوں کے سہارے اپنے جذبات اور احساسات دوسروں تک پہنچاتا تھا۔ آہستہ آہستہ ان آوازوں نے مختلف الفاظ کی شکل اختیار کی۔اس طرح الفاظ اور ان کے استعمال سے زبان ایک اہم ذریعہ اظہار بنی۔

انسان نے ابتدا میں ہی زبان کو اپنی اندرونی کیفیات کے اظہار کے لیے استعمال کیا۔لیکن بعد میں معاشرتی، معاشی، طبعی اور مذہبی ضرورتوں کے پیش نظر اس میں تبدیلیاں آتی رہیں۔یوں ہر علاقے اور معاشرے کی زبان اپنے اپنے مخصوص انداز اختیار کرتی گئی۔اس طرح مختلف انسانی زبانیں اور بولیاں پیدا ہوئیں۔

معاشی ضرورتوں اور انسان کے شعوری اور لاشعوری محسوسات میں تنوع کے ساتھ ساتھ زبان کے استعمال میں پھیلاؤ آتا گیا اور الفاظ موثر ہونے لگے۔زبان کے ارتقاء میں اس مرحلے پر ادب نے جنم لیا۔ ادب میں اگر علاقائی ترجمانی ہو تو یہی ادب ''لوک ادب'' کہلاتا ہے۔اس قسم کے ادب اس خطے کے بولنے والوں کے مزاج، ثقافتی پس منظر اور احساسات کی ترجمانی ہوتی ہے۔جب اس قسم کا ادب اظہار کا موثر وسیلہ بن جاتا ہے اور زبانوں کے ذخیرہ الفاظ میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے تو معاشرہ شعوری اور لاشعوری کیفیات کے اظہار کے لیے معیاری ادب تخلیق کرتا ہے۔کوئی زبان جتنی زیادہ قدیم ہوگی، اس میں اتنا ہی ذخیرہ الفاظ وسیع ہوگا اور وہ وہاں کے ادب کے حوالے سے اپنے معاشرے کی نمائندگی کی صلاحیت رکھتی ہوگی۔

پاکستان ایک ایسے خطہ زمین پر واقع ہے جہاں سے کئی قسم کے قدیم تہذیبی ورثے ملے ہیں جو اپنی ترکیب اور معاشرتی اقدار کے لحاظ سے مختلف صنف ہائے ادب کے مالک ہیں۔

آریہ جو زبان بولتے تھے وہ بھی آریہ کہلاتی تھی اور آج اس کی مختلف شاخیں ایران، افغانستان، بھارت اور پاکستان میں پھیلی ہوئی ہیں مثلاً پنجابی، گجراتی، سندھی، کشمیری، آسامی، نیپالی، آریاؤں کی ہندوستانی زبانیں ہیں۔کوہستانی، فارسی، بلوچی اور پشتو ان کی ایرانی زبانیں ہیں۔مشترکہ نسل اور قریبی زبانوں کے باوجود پاکستان، بھارت، ایران اور افغانستان کے باشندوں کے مزاج ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

پاکستان کی قومی زبان اردو ہے، اس کے علاوہ اہم علاقائی زبانیں سندھی، پنجابی، بلوچی، پشتو، کشمیری (ہندکو)، براہوی اور سرائیکی وغیرہ بولی جاتی ہیں اور ان کی تعلیم یونیورسٹی کی سطح تک دی جاتی ہے۔

مختلف زبانیں ہونے کے باوجود پاکستان کے لوگ جہاں ایک مذہب کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں وہاں ان میں ایک رشتہ زبان کا بھی ہے۔زبان کا یہ رشتہ باہمی انحصار اور زبانوں کے اختلاط سے پیدا ہوا۔ جسے اردو کے نام سے جانا جاتا ہے۔

قومی رابطے کی زبان — اردو

اردو جہاں رابطے کی زبان کی حیثیت رکھتی ہے وہاں یہ قومی تشخص کی علامت بھی ہے۔ اردو ترکی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی "لشکر" کے ہیں۔ جب جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کی حکومت مضبوط ہوئی تو انھوں نے اپنے لشکروں میں مختلف علاقوں کے لوگ بھرتی کیے۔ ان میں عربی، ایرانی، ترکی، ہندوستانی، پنجابی، سندھی، پٹھان، بنگالی اور بلوچ وغیرہ شامل تھے، ظاہر ہے یہ لوگ مختلف زبانیں ہی بولتے تھے۔ ان کے میل جول سے ایک نئی زبان پیدا ہونے لگی۔ چونکہ یہ زبان لشکر (اردو) سے وابستہ لوگ بولا کرتے تھے اس لیے اسے اردو کا نام دیا گیا۔ اردو نے مختلف ادوار میں اپنے کئی نام تبدیل کیے۔ شروع میں اسے ہندوی، ہندی اور ہندوستانی کہا جاتا تھا۔ بعد میں یہ ریختہ کہلائی۔ اس کے بعد اردوئے معلیٰ اور اب صرف اردو کے نام سے پکاری جاتی ہے۔

مختلف مراحل میں ناموں کی طرح اس کا ادبی آہنگ بھی بدلتا رہا مثلاً امیر خسرو ہندی یا ہندوی کے قدیم شاعر گردانے جاتے ہیں۔ ریختہ کے دور میں مصحفی وغیرہ اور اردوئے معلیٰ کے دور میں مرزا غالب اور ذوق وغیرہ مشہور ہیں۔

1647ء میں آگرہ کی بجائے شاہ جہاں نے دہلی کو اپنا دارالخلافہ بنایا تو لشکری زبان بولنے والے اور دہلی کی زبان بولنے والے ایک ہی بازار میں رہتے تھے۔ بادشاہ نے اس بازار کو اردوئے معلیٰ کے نام سے پکارنا تجویز کیا۔ لہٰذا وہاں بولی جانے والی زبان کو اسی نسبت سے اردوئے معلیٰ یا زبان دہلوی کہا جانے لگا۔ جب یہ زبان دکن اور گجرات پہنچی تو اسے دکنی اور گجراتی بھی کہا گیا۔ اس کی مقبولیت کو دیکھ کر امراء نے اس کی ترقی کے لیے خصوصی کوششیں کیں۔ اس طرح یہ بول چال کی سطح سے بلند ہو کر بہت جلد ادبی درجہ تک پہنچ گئی۔

اردو غزل کا پہلا دیوان سلطان محمد قلی قطب شاہ والیٔ گولکنڈہ نے مرتب کیا۔ دکن ہی کے ولی دکنی کا شمار بھی اردو کے ابتدائی شعرا میں ہوتا ہے۔ جن دکنی شعرا نے اردو ادب کا دامن وسیع تر کیا ان میں مرزا محمد رفیع سودا، میر تقی میر اور خواجہ میر درد شامل ہیں۔ دہلی اور دکن کے علاوہ اردو کی مقبولیت ریاست اودھ اور لکھنو میں بھی ہونے لگی۔ اسی سرزمین پر غزل کے ساتھ ساتھ مرثیہ گوئی کے فن کا بھی فروغ ہوا اور انیس و دبیر جیسے بلند پایہ شعرا اردو کو نصیب ہوئے۔

انیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں نظم کے ساتھ ساتھ اردو نثر کو بھی ترقی ملی۔ اسی دور میں ذوق، بہادر شاہ ظفر اور مرزا غالب جیسے عظیم المرتبت شاعر پیدا ہوئے۔ مرزا غالب کی غزل کے ساتھ ساتھ ان کی نثر بھی اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد جنوبی ایشیا میں سیاسی و معاشرتی حالات میں نمایاں تبدیلی آئی جس کے باعث تخلیقی اردو ادب نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔

سرسید احمد خاں نے علی گڑھ کالج قائم کیا۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کی معاشرتی ترقی کے ساتھ ساتھ اردو ادب میں نثر نے نمایاں ترقی حاصل کی۔ سرسید اور ان کے رفقاء نے اردو نظم اور نثر پر نئے تجربات کیے اور اردو کو نئی جہتوں سے روشناس کرایا۔ اس دور میں قومی احساس و درد بحیثیت مجموعی پیدا ہوا۔ اُسی زمانے میں مولانا حالی نے مسدس لکھی اور مسلمان قوم کو جھنجھوڑ کر اپنے عظیم ورثے کا احساس دلایا۔ انھی ایام میں مولانا شبلی نے اسلامی (مسلمان دور) تاریخ کو ایک نئے انداز میں پیش کیا۔

شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ کے فلسفے اور شاعری کا سورج اس کے بعد طلوع ہوتا ہے انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے پورے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو یہ بات باور کروانے کی کوشش کی کہ مسلمان عظیم ثقافتی، تمدنی اور نظریاتی ورثے کے حامل ہیں۔ ان پر جو افتاد (مسلم اقتدار پر دباؤ) پڑی ہے اس کا حل صرف یہی ہے کہ وہ اپنی خودی کو مضبوط کر کے نئے حالات و مشکلات کا مقابلہ کریں۔ اس کے علاوہ انھوں نے اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا کہ مسلمان دنیا میں جہاں کہیں بھی ہیں وہ باہم ایک رشتے میں منسلک ہیں اور اس طرح ان کی حیثیت

ایک امت واحدہ جیسی ہے۔ ان کو چاہیے کہ وہ متحد ہو کر تمام مخالف قوتوں کا مقابلہ کریں۔ علامہ محمد اقبالؒ نے اپنی شاعری اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں کی۔ ان کی شاعری عوام میں اتنی مقبول تھی کہ بعض لوگوں کو ان کی طویل نظمیں بھی یاد ہوتی تھیں۔ علامہ محمد اقبالؒ کے بعد جدید ادب کے زیر اثر اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا۔ اس میں عافیت پسندی کے رجحان پر زور تھا۔

تحریک آزادی کے دوران اور قیام پاکستان کے بعد اردو ادب کی ترقی میں ایک آزاد اور اعتماد کی فضا قائم ہوئی۔ جس میں مختلف ادیبوں نے اپنے اپنے اصناف سخن میں نمایاں کام کیے۔ ان میں اردو شاعری، اردو ناول نگاری، ڈرامہ نویسی، افسانہ نویسی، اور تحقیق وتنقید شامل ہیں۔

پاکستان کی علاقائی زبانیں

پنجابی

یہ ایک بہت قدیم زبان ہے۔ پنجابی صوبہ پنجاب کی زبان ہے۔ اس زبان کا ربط اس علاقے کی قدیم ہڑپائی یا دراوڑی زبان سے ملتا ہے۔ تاریخی وجغرافیائی تبدیلیوں کے باعث اس کے چھے بڑے لہجے یا بولیاں ہیں۔ ان کو مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ماجھی' پوٹھوہاری' چھاچھی' سرائیکی' دھنی اور شاہ پوری۔ ماجھی لہجہ معیاری لہجہ سمجھا جاتا ہے جو لاہور اور اس کے آس پاس کے علاقے میں مروّج ہے۔ شروع میں یہ زبان ہندو جوگیوں اور مسلمان صوفیوں' دونوں کا حصہ تھی۔

پنجابی زبان کے علم وادب کی نشان دہی محمود غزنوی کی آمد کے زمانے سے ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا نام آتا ہے۔ ان کی شاعری کا موضوع تصوف' پیار ومحبت، اور حب الوطنی ہے۔

مجموعی طور پر پنجابی شاعری میں تصوف کے اسرار ورموز کا بیان خاص طور پر کیا جاتا ہے۔ ان میں شاہ حسینؒ (مادھولال حسین)' سلطان باہوؒ' بلھے شاہؒ' خواجہ فریدؒ شامل ہیں۔ تصوف کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے کے معاشرتی وسیاسی حالات کے رنگ واثرات ان پر غالب تھے۔ اس کا اظہار خاص اور عام فہم علامتوں میں نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام عوام میں بے حد مقبول ہے۔

پنجابی شاعری میں داستان گوئی بھی ایک خصوصی مقام رکھتی ہے۔ جن شعراء نے پنجابی کی لوک داستان کو منظوم کیا ان میں وارث شاہ کا قصہ ہیر رانجھا' ہاشم شاہ کا قصہ سسی پنوں' فضل شاہ کا قصہ سوہنی مہینوال' حافظ برخوردار کا قصہ مرزا صاحباں وغیرہ مشہور ہیں۔ ان قصوں میں اعلیٰ درجے کی شاعری کے علاوہ اس وقت کی پنجاب کی تاریخ نیز معاشی، مذہبی اور معاشرتی زندگی کی بھرپور جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ پنجابی زبان میں ناول بھی لکھے گئے۔ مشہور ناول نگاروں میں وبیر سنگھ' میرن سنگھ اور سید اں بخش منہاس کا ناول بہت مشہور ہیں۔

پنجابی ادب اپنے اظہار کے حوالے سے ایک بھرپور، موثر اور بے باک تصویر پیش کرتا ہے۔ جس کی دنیا کے ادب میں نظیر نہیں ملتی۔ اس کے اصناف سخن کی تعداد زندگی کے ہر شعبے پر پھیلی ہے۔ جن میں زندگی کی چھوٹی چھوٹی محسوسات تک کا اظہار کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ ان میں وار، ڈھوٹ، ماہیا، دوھے، گھوڑی، سٹھنیاں' ٹپے، سی، بولیاں وغیرہ شامل ہیں۔

بیسویں صدی سے پہلے پنجابی نثر میں بہت کم کام ہوا اور جو ہوا وہ بھی صرف مذہبی علم تک محدود تھا۔ بعد میں ناول نویسی، ڈرامہ نویسی، تذکرہ نویسی، تحقیق وتنقید اور دوسرے اصناف نثر میں مختلف لوگوں نے گرانقدر کام کیا ہے۔ اب ٹیلی ویژن اور ریڈیو کی وجہ سے جدید ڈرامہ نویسی میں بھی بڑی ترقی ہو رہی ہے۔ پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ پنجابی بھی قائم ہے۔ جہاں ایم اے پنجابی اور پی۔ ایچ ڈی کروائی جاتی ہے۔

سندھی

سندھی پاکستان کی ایک قدیم ترین زبان ہے۔ یہ آریائی خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور دریائے سندھ کی وادی اور اردگرد کے علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ اس کے بولنے والوں کی تعداد ایک کروڑ سے کم نہیں۔ اگرچہ اس زبان پر دراوڑی، سنسکرت، یونانی، ترکی، ایرانی اور دیگر قدیم زبانوں اور ثقافتوں کے اثرات نمایاں ہیں۔ تاہم یہ عربی اور فارسی سے بھی کافی متاثر ہوئی ہے۔ انگریزوں کی آمد کے بعد انگریزی زبان کے الفاظ بھی سندھی میں شامل ہوئے جس کے باعث سندھی زبان کے ادب اور ذخیرہ الفاظ میں وسعت آئی۔ یہ زبان اپنے قدیم ثقافتی ورثے کے سبب پاکستان کی دیگر علاقائی زبانوں کی نسبت زیادہ مضبوط ہے اور یہ عربی کی طرح لکھی جاتی ہے۔ اس کے حروف تہجی کی تعداد باون ہے۔

صوبہ سندھ کے شمال جنوب وسیع علاقے میں سندھی زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کے کئی لہجے ہیں۔ سندھ کے زیریں اور راجستھانی علاقے میں لاڑی، کچی، وچولی، کاٹھاواڑی اور عقدی کی بولیاں رائج ہیں۔ بلوچستان میں جدگالی، گنداوی، فلکری، لاسی، کچی، نوری اور چھپنی کے لہجے بولے جاتے ہیں۔ جبکہ باقی علاقوں میں مستعمل بولیوں کو کوہستانی، سرائیکی اور وچولی کہا جاتا ہے۔ اس کا معیاری لہجہ (ساہتی) علمی، ادبی اور صحافتی نگارشات میں اولیت کا درجہ رکھتا ہے۔

پوری مسلم دنیا کی مقامی زبانوں میں سندھی ہی واحد زبان تھی جس میں قرآن پاک کا پہلا ترجمہ کیا گیا۔ سندھی زبان اس علاقے میں اسلام کے آنے سے پہلے بھی ترقی یافتہ تھی اور سندھی لکھنے پڑھنے کا رواج عام تھا۔ بعد میں مسلمانوں کے آنے کے بعد عربی کے ساتھ ساتھ اس کو بھی مکمل طور پر اہمیت حاصل رہی ہے۔

1050ء سے 1350ء تک کے دور میں ادبی و دینی تخلیقات میں خاص طور پر کام کیا گیا۔ یہ سندھ کی ادبی تاریخ کا ابتدائی دور تسلیم کیا جاتا ہے جس میں حب الوطنی، عزم، خودداری اور روحانی عقائد کے موضوعات پر لکھا گیا۔ اس دور کی داستان' قصہ' گنان' بیت' سور ٹھے' گاتھا اور قابل ذکر اصناف ہیں۔ گنان شاعری کا ایک منفرد انداز تھا۔ جس کو اسماعیلی مبلغین اسلامی عقائد کی تبلیغ کا ذریعہ بناتے تھے۔ انھی مبلغین نے 40 حرفی رسم الخط بھی ایجاد کیا جسے میمن کی یا خوجکی خط کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس زمانے میں مختلف مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے صوفیا کرام نے بھی سندھی میں شاعری کے ذریعے اسلام کی تعلیمات پھیلائیں۔

اٹھارہویں صدی تک سندھی ادب میں شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ اور سچل سرمستؒ جیسے عظیم شاعر اپنی بے نظیر شاعری سے سندھی ادب کو مالا مال کر چکے تھے۔ اس دور کو سندھی ادب میں سنہری دور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ نے عام زندگی اور غریب و محنت کش طبقے کی زندگی کے گن گائے اور اس میں انسانی عظمت کو اجاگر کیا۔ انھوں نے شاعری کے لیے تمثیلی انداز اختیار کیا۔ جس کا بنیادی مواد وہ سندھ کی لوک کہانیوں سے لیتے تھے۔ اسی وجہ سے سندھ کے ہر کونے میں ان کی شاعری کی گونج سنائی دیتی ہے۔ ''شاہ جو رسالو' ان کی شاعری کا مجموعہ ہے۔ اسی دور کے ایک اور عظیم المرتبت شاعر عبدالوہاب المعروف سچل سرمستؒ بھی ہیں۔ انھوں نے سندھی، اردو، سرائیکی، پنجابی اور فارسی میں شاعری کی۔ وہ صوفی صفت انسان تھے اور تصوف میں وحدت الوجود ان کا مسلک تھا اور یہی ان کی شاعری کا معیار بھی ہے۔ وہ لوگوں کو توحید کا سبق دیتے تھے اور مجموعی طور پر ان کے اشعار کی تعداد نو لاکھ کے قریب ہے۔

شاعری کے ساتھ ساتھ نثری ادب میں بھی اساتذہ، علماء اور مبلغین کی اجتماعی کوششوں سے بہت سا سرمایہ جمع ہو گیا۔ اس سلسلے میں ابوالحسن سندھی کی کوششیں نمایاں ہیں۔ انھوں نے سندھی کے لیے عربی رسم الخط کو بنیاد بنا کر ایک نیا رسم الخط تیار کیا۔ اس سلسلہ میں دوسرا نام

مخدوم محمد ہاشم کا آتا ہے۔ وہ بہت بڑے عالم دین تھے انھوں نے فارسی اور سندھی میں قریباً 150 کتابیں لکھیں۔ جن کا موضوع اسلامی عقائد کی تصحیح اور تشریح ہے۔ ان میں سے بعض کو آج بھی دینی مدارس اور مصر کی جامعۃ الازہر میں نصابی کتب کی حیثیت حاصل ہے۔ اس زمانے میں اخوند عزیز اللہ نے قرآن پاک کا نثری ترجمہ کیا۔

سندھی زبان میں انگریزوں کے آنے کے بعد بہت ترقی ہوئی۔ اس دور میں مرزا قلیچ بیگ کا نام بہت اہم ہے۔ انھوں نے شاعری کے موضوعات پر کتابیں لکھیں اور دنیا کی کئی اچھی کتب کے تراجم کیے۔ آپ نے جغرافیہ' تاریخ' سوانح نویسی' لغت نویسی' گرائمر نویسی' تذکرہ نویسی' ڈرامہ نگاری' ناول نگاری اور تحقیق وغیرہ کے موضوعات پر قلم اٹھایا۔ آپ نے تقریباً 400 کے قریب کتابیں لکھیں۔

انگریزوں کے دام تسلط میں برصغیر کی سیاسی اور سماجی زندگی میں بہت اہم تبدیلیاں آئیں اور لوگوں میں شعور پختہ ہوا۔ اسی دور میں سندھی صحافت کو اہمیت اور فروغ حاصل ہوا، قرآن پاک کا منظوم ترجمہ مولوی ملاح نے 1970ء کے عشرے میں کیا۔ بیت، وائی، کافی، مولود سندھی کی مخصوص شعری اصناف ہیں۔ جدید ادبی رجحانات میں سندھی دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ متاثر ہوئی۔ پاکستان کے معرضِ وجود کے بعد جدید افسانہ' ڈرامہ نگاری' ادبی تحقیق اور دوسرے علمی میدانوں میں خاصا کام ہوا ہے۔ جدید ادیبوں نے روایتی انداز کو جدید رجحانات سے ہم آہنگ کیا ہے اور تمام تر نثری اصناف کو جلا بخشی ہے۔ تحقیق و تنقید میں بھی نمایاں ترقی ہوئی ہے۔ سندھی زبان کی ترقی کا ادارہ فعال کردار ادا کر رہا ہے۔

پشتو

صوبہ خیبر پختونخوا میں اکثریت کی زبان پختو یا پشتو ہے۔ اس کے بولنے والوں کو پختون یا پشتون کہا جاتا ہے۔ اس زبان کی ابتدا قریباً پانچ ہزار سال قبل افغانستان کے علاقے باخت یا بخت میں ہوئی تھی۔ اس نسبت سے اس زبان کے بولنے والوں کو پشتون یا پختون کا نام دیا گیا ہے جو بعد میں پختو یا پشتو بن گیا۔ پشتو ایک پرانی زبان ہے۔ دوسری زبانوں کی طرح پشتو زبان کے ادب کا آغاز بھی شاعری ہی سے شروع ہوا تھا کیونکہ اس کی پہلی کتاب آٹھویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں لکھی گئی جس کا نام ''پٹہ خزانہ'' ہے۔ نظم کا پہلا شاعر امیر کروڑ کو سمجھا جاتا ہے۔ چودھویں صدی عیسوی کے آخر تک پشتو ادب بیرونی اثرات جذب کر چکا تھا۔ اس میں عربی اور فارسی کے الفاظ کی تراکیب شامل نظر آتی ہیں۔

انیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی عشروں میں نظم کے ساتھ ساتھ قصیدہ اور مرثیہ بھی پشتو کی خاص اصناف مانی جانے لگیں۔ غیاث الدین بلبن اور شیر شاہ سوری کے دور میں قصیدہ اور مدح کی اصناف پشتو ادب کا حصہ بنیں۔

محققین کو ''تذکرۃ الاولیا'' نام کی ایک قدیم تصنیف دستیاب ہوئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے پشتو شعراء نے حمد و نعت کی اصناف پر بھی طبع آزمائی کی تھی۔ یہ کتاب بارہ سو صفحات کی ہے۔ محمود غزنوی کے دور میں سیف اللہ نامی ایک شخص نے باقاعدہ طور پر پشتو کے حروف تہجی تیار کیے جو آج تک رائج ہیں۔ پشتو شاعری میں جو موضوعات نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں۔ ان میں حریت، غیرت، جنگ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ تصوف کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ ''ملامت'' اس اسلوب کے پیشوا مانے جاتے ہیں۔

خوشحال خاں خٹک پشتو کے عظیم شاعر ہیں۔ یہ صاحب قلم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب سیف بھی تھے۔ اس کا اظہار انھوں نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ ''خوشحال کے لیے وہ لمحات قابل دید ہیں جب تلوار اور زرہوں کی جھنکار ہوتی ہے۔'' خوشحال خاں نے اپنی شاعری میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کے متعلق لکھا۔ ان میں عشق حقیقی، عشق مجازی، تصوف، اخلاق، حریت اور بہادری کے موضوعات نمایاں ہیں۔

پشتو ادب کے دوسرے بڑے شاعر رحمان بابا ہیں۔ یہ فقیر صفت شاعر ہمیشہ عشق و تصوف کی کیفیات میں مگن رہتے تھے اور یہی ان کی شاعری کے موضوع بھی تھے۔ ان کے نزدیک عشق ہی کائنات کی تخلیق کا باعث ہے۔ رحمان بابا کو پشتون معاشرے میں ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے۔

خوشحال خاں خٹک اور رحمان بابا کا انداز پشتو ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی چھاپ بعد میں آنے والے شعراء پر بھی پائی جاتی ہے۔

لوک گیت، پشتو ادب کا بے نظیر سرمایہ ہیں۔ اس کی کئی اشکال ہیں۔ مگر چار بیتہ، ٹپہ، لیمکئی وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ بعض شعراء نے لوک گیتوں کی مختلف صورتوں کو اپنی شاعری کا بھی موضوع بنایا ہے۔ ان شعرا میں نور دین اور ملا مقصود وغیرہ شامل ہیں۔

پشتو نثری ادب نے بیسویں صدی میں ترقی کرنا شروع کی۔ قیام پاکستان کے بعد جدید تعلیم کے زیر اثر نئے نظریات اور خیالات کے حامل اہل قلم نے پشتو لغات، گرائمر نویسی، سوانح نگاری، افسانہ نویسی، ناول اور ڈرامے لکھنے میں نمایاں کام کیا۔

پشتو زبان کے تین لہجے ہیں۔ ایک لہجہ شمال مشرق کے علاقوں کا دوسرا جنوب مغرب کے علاقوں کا اور تیسرا زئی قبائل کا ہے۔ ان تینوں کے مابین بنیادی طور پر صرف تلفظ کا فرق پایا جاتا ہے۔

بلوچی

بلوچی زبان کی قدامت اور اس کے خاندان کے بارے میں کتنے ہی نظریات کیوں نہ ہوں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ بلوچی ادب کی ترقی کا زمانہ قیام پاکستان کے بعد کا ہے۔

بلوچ اپنی معاشرت کے اعتبار سے بادیہ نشین ہیں۔ ان کی زبان بلوچی ہے جس کا تعلق آریائی زبانوں سے ہے۔ بلوچی زبان کے دو اہم لہجے ہیں ایک سلیمانی اور دوسرا مکرانی۔ اگرچہ بلوچی رسم الخط پہلے ایجاد ہو چکا تھا مگر قدیم بلوچی ادب تحریری صورت میں بہت دیر بعد آیا۔ مجموعی طور پر بلوچی شاعری کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

بلوچی شاعری میں زیادہ اہم رزمیہ شاعری ہے۔ اس کے موضوعات میں ہمت، جاہ و جلال، غیرت، اور بہادری شامل ہیں۔ دوسرا حصہ عشقیہ شاعری کا ہے اس میں حسن و عشق، شباب اور دوسرے موضوعات پائے جاتے ہیں۔ تیسرا حصہ لوک داستانوں پر محیط ہے۔ اس میں لوری اور موتک کی اصناف قدیم زمانے سے معاشرتی زندگی کا عکس پیش کرتی آئی ہیں۔

بلوچی زبان کی قدیم شاعری کو روشناس کرانے کا کام 1840ء میں ہوا۔ بلوچی ادب کے کلاسیکی نثر میں میر چاکر خان، حسن زندو، حمل رندو منہاد، بیبرنگ و گران، نازشہ، مرید وہانی وغیرہ کے قصے مشہور و مقبول ہیں۔ بلوچی ادب کے تیز رفتار ارتقاء کا آغاز قیام پاکستان کے بعد بلوچی رسائل و جرائد نے کیا، بلوچی زبان و ادب کی تاریخ پر سب سے پہلی کتاب شیر کمسر مری نے لکھی۔ انگریزوں کے دور میں جو بلوچی شاعری تخلیق کی گئی اس میں تصوف، اخلاقیات، اور انگریزوں کے خلاف نفرت کے عنوانات ملتے ہیں۔ اس دور کا بلند پایہ شاعر ''مست توکلی'' ہے۔

قیام پاکستان کے بعد اردو حروف تہجی کو گھٹا بڑھا کر بلوچی کے لیے ایک معیاری رسم الخط ایجاد کیا گیا ہے۔ 1960ء میں پہلا بلوچی مجلہ

شائع ہونے سے بلوچی زبان میں صحافت اور ادب کو ایک نیا رخ ملا ہے۔ جدید ادب میں جملہ اصناف سخن پر مشق جاری ہے۔ بلوچستان یونیورسٹی نے بلوچی زبان میں پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری کا اجراء کیا ہے۔

کشمیری

کشمیری زبان ایک تحقیق کے مطابق وادی سندھ کی زبان سے منسلک ہے۔ اس کے کئی مشہور لہجے ہیں جن میں مسلمانکی، ہندکی، گندورو، گامی زیادہ مشہور ہیں۔ معیاری وادبی لہجہ گندورو کو سمجھا جاتا ہے۔ کشمیری ادب کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1- پہلے دور میں لوک گیتوں کو فروغ ملا، اس قسم کی شاعری میں کشمیری سماج کی اجتماعی سوچ واحساس کا اظہار پایا جاتا ہے۔ اسے کشمیری لہجے میں رؤف یا لول کہا جاتا ہے۔

2- دوسرے دور میں الٰہیات کے موضوعات پر لکھا گیا۔

3- تیسرے دور میں عشقیہ داستانوں کو منظوم کرنے کی روایت پڑی۔ حبہ خاتون اس عہد کی اہم شاعرہ گزری ہیں۔ اس دور کے منظوم قصوں میں کشمیری کے علاوہ اہم فارسی وعربی قصوں کو بھی کشمیری لباس پہنایا گیا۔ جن کے لیے ارمنی لال اور ملا فقیر وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

4- چوتھے دور میں کشمیری زبان وادب پر روحانی اثر غالب رہا جس کے روح رواں محمود گامی تھے۔

5- پانچواں دور جدید ادب کے زیر سایہ پلا بڑھا۔ یہ اپنے اندر نئے فکری رجحانات رکھتا ہے۔ غلام احمد مہجور کو اس دور میں اہم مقام حاصل ہے۔

کشمیری ادب میں مقامی تخلیقات کے ساتھ دوسری زبانوں سے تراجم بھی ہوئے۔ ایرانی ادب کو خاص طور پر غزل اور مثنوی کے تراجم کے بعد کشمیری شاعری نے بھی اپنی تخلیقی صنف کے طور پر اپنایا۔ آزاد کشمیر یونیورسٹی میں کشمیریات پڑھانے اور تحقیق کے لیے خصوصی انتظامات کیے گئے ہیں۔

سوالات

1- پاکستان میں قومی رابطے کی زبان اردو کو کیوں کہا جاتا ہے؟

2- درج ذیل عنوانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ''پنجابی زبان'' پر نوٹ لکھیے۔

i- پنجابی زبان کے لہجے　ii- موضوعات

iii- بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کا پنجابی زبان کے حوالے سے کردار

iv- داستان گوئی　v- اصناف سخن　vi- بیسوی صدی میں پنجابی نثر میں کام

3- سندھی زبان کے مختلف ارتقائی مراحل کی وضاحت کیجیے۔

4- پشتو زبان کے مختلف شعراء اور نثر نگاروں کے کام کو بیان کیجیے۔

5- بلوچی زبان میں رزمیہ شاعری، کلاسیکی نثر اور انگریزوں کے دور کی شاعری کے موضوعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک نوٹ لکھیے۔

6- کشمیری زبان کے پانچ مختلف ادوار بیان کیجیے۔

باب 7

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی زبانیں

ہم اپنے خیالات کا اظہار زبان کے ذریعے اس لیے کرتے ہیں کہ زبان انسانی جذبات کے اظہار کا ایک قدرتی اور موثر ذریعہ ہے۔ اس سے ہم اپنے خیالات اور احساسات دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ کسی بھی زبان کی موجودہ شکل ایک طویل شعوری اور مسلسل محنت کا نتیجہ ہے۔

ابتدا میں انسان محض مہمل آوازوں کے سہارے اپنے جذبات اور احساسات دوسروں تک پہنچاتا تھا۔ آہستہ آہستہ ان آوازوں نے مختلف الفاظ کی شکل اختیار کی۔ اس طرح الفاظ اور ان کے استعمال سے زبان ایک اہم ذریعہ اظہار بنی۔

انسان نے ابتدا میں ہی زبان کو اپنی اندرونی کیفیات کے اظہار کے لیے استعمال کیا۔ لیکن بعد میں معاشرتی، معاشی، طبعی اور مذہبی ضرورتوں کے پیش نظر اس میں تبدیلیاں آتی رہیں۔ یوں ہر علاقے اور معاشرے کی زبان اپنے اپنے مخصوص انداز اختیار کرتی گئی۔ اس طرح مختلف انسانی زبانیں اور بولیاں پیدا ہوئیں۔

معاشی ضرورتوں اور انسان کے شعوری اور لاشعوری محسوسات میں تنوع کے ساتھ ساتھ زبان کے استعمال میں پھیلاؤ آتا گیا اور الفاظ موثر ہونے لگے۔ زبان کے ارتقاء میں اس مرحلے پر ادب نے جنم لیا۔ ادب میں اگر علاقائی ترجمانی ہو تو یہی ادب "لوک ادب" کہلاتا ہے۔ اس قسم کے ادب اس خطے کے بولنے والوں کے مزاج، ثقافتی پس منظر اور احساسات کی ترجمانی ہوتی ہے۔ جب اس قسم کا ادب اظہار کا موثر وسیلہ بن جاتا ہے اور زبانوں کے ذخیرہ الفاظ میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے تو معاشرہ شعوری اور لاشعوری کیفیات کے اظہار کے لیے معیاری ادب تخلیق کرتا ہے۔ کوئی زبان جتنی زیادہ قدیم ہوگی، اس میں اتنا ہی ذخیرہ الفاظ وسیع ہوگا اور وہ وہاں کے ادب کے حوالے سے اپنے معاشرے کی نمائندگی کی صلاحیت رکھتی ہوگی۔

پاکستان ایک ایسے خطہ زمین پر واقع ہے جہاں سے کئی قسم کے قدیم تہذیبی ورثے ملے ہیں جو اپنی ترکیب اور معاشرتی اقدار کے لحاظ سے مختلف صنف ہائے ادب کے مالک ہیں۔

آریہ جو زبان بولتے تھے وہ بھی آریہ کہلاتی تھی اور آج اس کی مختلف شاخیں ایران، افغانستان، بھارت اور پاکستان میں پھیلی ہوئی ہیں مثلاً پنجابی، گجراتی، سندھی، کشمیری، آسامی، نیپالی، آریاؤں کی ہندوستانی زبانیں ہیں۔ کوہستانی، فارسی، بلوچی اور پشتو ان کی ایرانی زبانیں ہیں۔ مشترکہ نسل اور قریبی زبانوں کے باوجود پاکستان، بھارت، ایران اور افغانستان کے باشندوں کے مزاج ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

پاکستان کی قومی زبان اردو ہے، اس کے علاوہ اہم علاقائی زبانیں سندھی، پنجابی، بلوچی، پشتو، کشمیری (ہندکو)، براہوی اور سرائیکی وغیرہ بولی جاتی ہیں اور ان کی تعلیم یونیورسٹی کی سطح تک دی جاتی ہے۔

مختلف زبانیں ہونے کے باوجود پاکستان کے لوگ جہاں ایک مذہب کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں وہاں ان میں ایک رشتہ زبان کا بھی ہے۔ زبان کا یہ رشتہ باہمی انحصار اور زبانوں کے اختلاط سے پیدا ہوا۔ جسے اردو کے نام سے جانا جاتا ہے۔

قومی رابطے کی زبان — اردو

اردو جہاں رابطے کی زبان کی حیثیت رکھتی ہے وہاں یہ قومی تشخص کی علامت بھی ہے۔ اردو ترکی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنیٰ "لشکر" کے ہیں۔ جب جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کی حکومت مضبوط ہوئی تو انھوں نے اپنے لشکروں میں مختلف علاقوں کے لوگ بھرتی کیے۔ ان میں عربی، ایرانی، ترکی، ہندوستانی، پنجابی، سندھی، پٹھان، بنگالی اور بلوچ وغیرہ شامل تھے، ظاہر ہے یہ لوگ مختلف زبانیں ہی بولتے تھے۔ ان کے میل جول سے ایک نئی زبان پیدا ہونے لگی۔ چونکہ یہ زبان لشکر (اردو) سے وابستہ لوگ بولا کرتے تھے اس لیے اسے اردو کا نام دیا گیا۔ اردو نے مختلف ادوار میں اپنے کئی نام تبدیل کیے۔ شروع میں اسے ہندوی، ہندی اور ہندوستانی کہا جاتا تھا۔ بعد میں یہ ریختہ کہلائی۔ اس کے بعد اردوئے معلیٰ اور اب صرف اردو کے نام سے پکاری جاتی ہے۔

مختلف مراحل میں ناموں کی طرح اس کا ادبی آہنگ بھی بدلتا رہا مثلاً امیر خسرو ہندی یا ہندوی کے قدیم شاعر گردانے جاتے ہیں۔ ریختہ کے دور میں مصحفی وغیرہ اور اردوئے معلیٰ کے دور میں مرزا غالب اور ذوق وغیرہ مشہور ہیں۔

1647ء میں آگرہ کی بجائے شاہ جہاں نے دہلی کو اپنا دارالخلافہ بنایا تو لشکری زبان بولنے والے اور دہلی کی زبان بولنے والے ایک ہی بازار میں رہتے تھے۔ بادشاہ نے اس بازار کو اردوئے معلیٰ کے نام سے پکارنا تجویز کیا۔ لہٰذا وہاں بولی جانے والی زبان کو اسی نسبت سے اردوئے معلیٰ یا زبان دہلوی کہا جانے لگا۔ جب یہ زبان دکن اور گجرات پہنچی تو اسے دکنی اور گجراتی بھی کہا گیا۔ اس کی مقبولیت کو دیکھ کر امراء نے اس کی ترقی کے لیے خصوصی کوششیں کیں۔ اس طرح یہ بول چال کی سطح سے بلند ہو کر بہت جلد ادبی درجہ تک پہنچ گئی۔

اردو غزل کا پہلا دیوان سلطان محمد قلی قطب شاہ والیٔ گولکنڈہ نے مرتب کیا۔ دکن ہی کے ولی دکنی کا شمار بھی اردو کے ابتدائی شعرا میں ہوتا ہے۔ جن دکنی شعرا نے اردو ادب کا دامن وسیع تر کیا ان میں مرزا محمد رفیع سودا، میر تقی میر اور خواجہ میر درد شامل ہیں۔ دہلی اور دکن کے علاوہ اردو کی مقبولیت ریاست اودھ اور لکھنو میں بھی ہونے لگی۔ اسی سرزمین پر غزل کے ساتھ ساتھ مرثیہ گوئی کے فن کا بھی فروغ ہوا اور انیس و دبیر جیسے بلند پایہ شعرا اردو کو نصیب ہوئے۔

انیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں نظم کے ساتھ ساتھ اردو نثر کو بھی ترقی ملی۔ اسی دور میں ذوق، بہادر شاہ ظفر اور مرزا غالب جیسے عظیم المرتبت شاعر پیدا ہوئے۔ مرزا غالب کی غزل کے ساتھ ساتھ ان کی نثر بھی اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد جنوبی ایشیا میں سیاسی و معاشرتی حالات میں نمایاں تبدیلی آئی جس کے باعث تخلیقی اردو ادب نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔

سر سید احمد خاں نے علی گڑھ کالج قائم کیا۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کی معاشرتی ترقی کے ساتھ ساتھ اردو ادب میں نثر نے نمایاں ترقی حاصل کی۔ سر سید اور ان کے رفقاء نے اردو نظم اور نثر پر نئے تجربات کیے اور اردو کو نئی جہتوں سے روشناس کرایا۔ اس دور میں قومی احساس و درد بحیثیت مجموعی پیدا ہوا۔ اُسی زمانے میں مولانا حالی نے مسدس لکھی اور مسلمان قوم کو جھنجھوڑ کر اپنے عظیم ورثے کا احساس دلایا۔ انھی ایام میں مولانا شبلی نے اسلامی (مسلمان دور) تاریخ کو ایک نئے انداز میں پیش کیا۔

شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبالؒ کے فلسفے اور شاعری کا سورج اس کے بعد طلوع ہوتا ہے انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے پورے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو یہ بات باور کروانے کی کوشش کی کہ مسلمان عظیم ثقافتی، تمدنی اور نظریاتی ورثے کے حامل ہیں۔ ان پر جو افتاد (مسلم اقتدار پر دباؤ) پڑی ہے اس کا حل صرف یہی ہے کہ وہ اپنی خودی کو مضبوط کر کے نئے حالات و مشکلات کا مقابلہ کریں۔ اس کے علاوہ انھوں نے اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا کہ مسلمان دنیا میں جہاں کہیں بھی ہیں وہ باہم ایک رشتے میں منسلک ہیں اور اس طرح ان کی حیثیت

ایک امت واحدہ جیسی ہے۔ ان کو چاہیے کہ وہ متحد ہو کر تمام مخالف قوتوں کا مقابلہ کریں۔ علامہ محمد اقبالؒ نے اپنی شاعری اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں کی۔ ان کی شاعری عوام میں اتنی مقبول تھی کہ بعض لوگوں کو ان کی طویل نظمیں بھی یاد ہوتی تھیں۔ علامہ محمد اقبالؒ کے بعد جدید ادب کے زیر اثر اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا۔ اس میں عافیت پسندی کے رجحان پر زور تھا۔

تحریک آزادی کے دوران اور قیام پاکستان کے بعد اردو ادب کی ترقی میں ایک آزاد اور اعتماد کی فضا قائم ہوئی۔ جس میں مختلف ادیبوں نے اپنے اپنے اصناف سخن میں نمایاں کام کیے۔ ان میں اردو شاعری، اردو ناول نگاری، ڈرامہ نویسی، افسانہ نویسی، اور تحقیق و تنقید شامل ہیں۔

پاکستان کی علاقائی زبانیں

پنجابی

یہ ایک بہت قدیم زبان ہے۔ پنجابی صوبہ پنجاب کی زبان ہے۔ اس زبان کا ربط اس علاقے کی قدیم ہڑپائی یا دراوڑی زبان سے ملتا ہے۔ تاریخی و جغرافیائی تبدیلیوں کے باعث اس کے چھے بڑے لہجے یا بولیاں ہیں۔ ان کو مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ماجھی' پوٹھوہاری' چھاچھی' سرائیکی' دھنی اور شاہ پوری۔ ماجھی لہجہ معیاری لہجہ سمجھا جاتا ہے جو لاہور اور اس کے آس پاس کے علاقے میں مروّج ہے۔ شروع میں یہ زبان ہندو جوگیوں اور مسلمان صوفیوں' دونوں کا حصہ تھی۔

پنجابی زبان کے علم و ادب کی نشان دہی محمود غزنوی کی آمد کے زمانے سے ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا نام آتا ہے۔ ان کی شاعری کا موضوع تصوف' پیار و محبت، اور حب الوطنی ہے۔

مجموعی طور پر پنجابی شاعری میں تصوف کے اسرار و رموز کا بیان خاص طور پر کیا جاتا ہے۔ ان میں شاہ حسینؒ (مادھو لال حسین)' سلطان باہوؒ' بلھے شاہؒ' خواجہ فریدؒ شامل ہیں۔ تصوف کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے کے معاشرتی و سیاسی حالات کے رنگ و اثرات ان پر غالب تھے۔ اس کا اظہار خاص اور عام فہم علامتوں میں نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام عوام میں بے حد مقبول ہے۔

پنجابی شاعری میں داستان گوئی بھی ایک خصوصی مقام رکھتی ہے۔ جن شعراء نے پنجابی کی لوک داستان کو منظوم کیا ان میں وارث شاہ کا قصہ ہیر رانجھا' ہاشم شاہ کا قصہ سسی پنوں' فضل شاہ کا قصہ سوہنی مہینوال' حافظ برخوردار کا قصہ مرزا صاحباں وغیرہ مشہور ہیں۔ ان قصوں میں اعلیٰ درجے کی شاعری کے علاوہ اس وقت کی پنجاب کی تاریخ نیز معاشی، مذہبی اور معاشرتی زندگی کی بھرپور جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ پنجابی زبان میں ناول بھی لکھے گئے۔ مشہور ناول نگاروں میں دبیر سنگھ' میرن سنگھ اور سید اسں بخش منہاس کا ناول بہت مشہور ہیں۔

پنجابی ادب اپنے اظہار کے حوالے سے ایک بھرپور، موثر اور بے باک تصویر پیش کرتا ہے۔ جس کی دنیا کے ادب میں نظیر نہیں ملتی۔ اس کے اصناف سخن کی تعداد زندگی کے ہر شعبے پر پھیلی ہے۔ جن میں زندگی کی چھوٹی چھوٹی محسوسات تک کا اظہار کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ ان میں وار، ڈھوٹ، ماہیا، دوھے، گھوڑی، سٹھنیاں' ٹپے، سمی، بولیاں وغیرہ شامل ہیں۔

بیسویں صدی سے پہلے پنجابی نثر میں بہت کم کام ہوا اور جو ہوا وہ بھی صرف مذہبی علم تک محدود تھا۔ بعد میں ناول نویسی، ڈرامہ نویسی، تذکرہ نویسی، تحقیق و تنقید اور دوسرے اصناف نثر میں مختلف لوگوں نے گرانقدر کام کیا ہے۔ اب ٹیلی ویژن اور ریڈیو کی وجہ سے جدید ڈرامہ نویسی میں بھی بڑی ترقی ہو رہی ہے۔ پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ پنجابی بھی قائم ہے۔ جہاں ایم اے پنجابی اور پی۔ ایچ ڈی کروائی جاتی ہے۔

سندھی

سندھی پاکستان کی ایک قدیم ترین زبان ہے۔ یہ آریائی خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور دریائے سندھ کی وادی اور اردگرد کے علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ اس کے بولنے والوں کی تعداد ایک کروڑ سے کم نہیں۔ اگرچہ اس زبان پر دراوڑی، سنسکرت، یونانی، ترکی، ایرانی اور دیگر قدیم زبانوں اور ثقافتوں کے اثرات نمایاں ہیں۔ تاہم یہ عربی اور فارسی سے بھی کافی متاثر ہوئی ہے۔ انگریزوں کی آمد کے بعد انگریزی زبان کے الفاظ بھی سندھی میں شامل ہوئے جس کے باعث سندھی زبان کے ادب اور ذخیرہ الفاظ میں وسعت آئی۔ یہ زبان اپنے قدیم ثقافتی ورثے کے سبب پاکستان کی دیگر علاقائی زبانوں کی نسبت زیادہ مضبوط ہے اور یہ عربی کی طرح لکھی جاتی ہے۔ اس کے حروف تہجی کی تعداد باون ہے۔

صوبہ سندھ کے شمال جنوب وسیع علاقے میں سندھی زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کے کئی لہجے ہیں۔ سندھ کے زیریں اور راجستھانی علاقے میں لاڑی، کچھی، وچولی، کاٹھاواڑی اور عقدی کی بولیاں رائج ہیں۔ بلوچستان میں جدگالی، گنداوی، فکری، لاسی، کچھی، توری اور چینی کے لہجے بولے جاتے ہیں۔ جبکہ باقی علاقوں میں مستعمل بولیوں کو کوہستانی، سرائیکی اور وچولی کہا جاتا ہے۔ اس کا معیاری لہجہ (ساہتی) علمی، ادبی اور صحافتی نگارشات میں اولیت کا درجہ رکھتا ہے۔

پوری مسلم دنیا کی مقامی زبانوں میں سندھی ہی واحد زبان تھی جس میں قرآن پاک کا پہلا ترجمہ کیا گیا۔ سندھی زبان اس علاقے میں اسلام کے آنے سے پہلے بھی ترقی یافتہ تھی اور سندھی لکھنے پڑھنے کا رواج عام تھا۔ بعد میں مسلمانوں کے آنے کے بعد عربی کے ساتھ ساتھ اس کو بھی مکمل طور پر اہمیت حاصل رہی ہے۔

1050ء سے 1350ء تک کے دور میں ادبی و دینی تخلیقات میں خاص طور پر کام کیا گیا۔ یہ سندھ کی ادبی تاریخ کا ابتدائی دور تسلیم کیا جاتا ہے جس میں حب الوطنی، عزم، خودداری اور روحانی عقائد کے موضوعات پر لکھا گیا۔ اس دور کی داستان' قصہ' گنان' ہیت' سورٹھے' گاتھا اور قابل ذکر اصناف ہیں۔ گنان شاعری کا ایک منفرد انداز تھا۔ جس کو اسماعیلی مبلغین اسلامی عقائد کی تبلیغ کا ذریعہ بناتے تھے۔ انھی مبلغین نے 40 حرفی رسم الخط بھی ایجاد کیا جسے میمن کی یا خوجکی خط کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس زمانے میں مختلف مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے صوفیا کرام نے بھی سندھی میں شاعری کے ذریعے اسلام کی تعلیمات پھیلائیں۔

اٹھارہویں صدی تک سندھی ادب میں شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ اور سچل سرمستؒ جیسے عظیم شاعر اپنی بے نظیر شاعری سے سندھی ادب کو مالا مال کر چکے تھے۔ اس دور کو سندھی ادب میں سنہری دور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ نے عام زندگی اور غریب و محنت کش طبقے کی زندگی کے گن گائے اور اس میں انسانی عظمت کو اجاگر کیا۔ انھوں نے شاعری کے لیے تمثیلی انداز اختیار کیا۔ جس کا بنیادی مواد وہ سندھ کی لوک کہانیوں سے لیتے تھے۔ اسی وجہ سے سندھ کے ہر کونے میں ان کی شاعری کی گونج سنائی دیتی ہے۔ ''شاہ جو رسالو'' ان کی شاعری کا مجموعہ ہے۔ اسی دور کے ایک اور عظیم المرتبت شاعر عبدالوہاب المعروف سچل سرمستؒ بھی ہیں۔ انھوں نے سندھی، اردو، سرائیکی، پنجابی اور فارسی میں شاعری کی۔ وہ صوفی صفت انسان تھے اور تصوف میں وحدت الوجود ان کا مسلک تھا اور یہی ان کی شاعری کا معیار بھی ہے۔ وہ لوگوں کو توحید کا سبق دیتے تھے اور مجموعی طور پر ان کے اشعار کی تعداد نو لاکھ کے قریب ہے۔

شاعری کے ساتھ ساتھ نثری ادب میں بھی اساتذہ، علماء اور مبلغین کی اجتماعی کوششوں سے بہت سا سرمایہ جمع ہو گیا۔ اس سلسلے میں ابوالحسن سندھی کی کوششیں نمایاں ہیں۔ انھوں نے سندھی کے لیے عربی رسم الخط کو بنیاد بنا کر ایک نیا رسم الخط تیار کیا۔ اس سلسلہ میں دوسرا نام

مخدوم محمد ہاشم کا آتا ہے۔ وہ بہت بڑے عالم دین تھے انھوں نے فارسی اور سندھی میں قریباً 150 کتابیں لکھیں۔ جن کا موضوع اسلامی عقائد کی تصحیح اور تشریح ہے۔ ان میں سے بعض کو آج بھی دینی مدارس اور مصر کی جامعۃ الازہر میں نصابی کتب کی حیثیت حاصل ہے۔ اس زمانے میں اخوند عزیز اللہ نے قرآن پاک کا نثری ترجمہ کیا۔

سندھی زبان میں انگریزوں کے آنے کے بعد بہت ترقی ہوئی۔ اس دور میں مرزا قلیچ بیگ کا نام بہت اہم ہے۔ انھوں نے شاعری کے موضوعات پر کتابیں لکھیں اور دنیا کی کئی اچھی کتب کے تراجم کیے۔ آپ نے جغرافیہ، تاریخ، سوانح نویسی، لغت نویسی، گرائمر نویسی، تذکرہ نویسی، ڈرامہ نگاری، ناول نگاری اور تحقیق وغیرہ کے موضوعات پر قلم اٹھایا۔ آپ نے تقریباً 400 کے قریب کتابیں لکھیں۔

انگریزوں کے دام تسلط میں برصغیر کی سیاسی اور سماجی زندگی میں بہت اہم تبدیلیاں آئیں اور لوگوں میں شعور پختہ ہوا۔ اسی دور میں سندھی صحافت کو اہمیت اور فروغ حاصل ہوا، قرآن پاک کا منظوم ترجمہ مولوی ملاح نے 1970ء کے عشرے میں کیا۔ بیت، وائی، کافی، مولود سندھی کی مخصوص شعری اصناف ہیں۔ جدید ادبی رجحانات میں سندھی دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ متاثر ہوئی۔ پاکستان کے معرض وجود کے بعد جدید افسانہ، ڈرامہ نگاری، ادبی تحقیق اور دوسرے علمی میدانوں میں خاصا کام ہوا ہے۔ جدید ادیبوں نے روایتی انداز کو جدید رجحانات سے ہم آہنگ کیا ہے اور تمام تر نثری اصناف کو جلا بخشی ہے۔ تحقیق و تنقید میں بھی نمایاں ترقی ہوئی ہے۔ سندھی زبان کی ترقی کا ادارہ فعال کردار ادا کر رہا ہے۔

پشتو

صوبہ خیبر پختونخوا میں اکثریت کی زبان پختو یا پشتو ہے۔ اس کے بولنے والوں کو پختون یا پشتون کہا جاتا ہے۔ اس زبان کی ابتدا قریباً پانچ ہزار سال قبل افغانستان کے علاقے باخت یا بخت میں ہوئی تھی۔ اس نسبت سے اس زبان کے بولنے والوں کو پشتون یا پختون کا نام دیا گیا ہے جو بعد میں پختو یا پشتو بن گیا۔ پشتو ایک پرانی زبان ہے۔ دوسری زبانوں کی طرح پشتو زبان کے ادب کا آغاز بھی شاعری ہی سے شروع ہوا تھا کیونکہ اس کی پہلی کتاب آٹھویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں لکھی گئی جس کا نام ''پٹہ خزانہ'' ہے۔ نظم کا پہلا شاعر امیر کروڑ کو سمجھا جاتا ہے۔ چودھویں صدی عیسوی کے آخر تک پشتو ادب بیرونی اثرات جذب کر چکا تھا۔ اس میں عربی اور فارسی کے الفاظ کی تراکیب شامل نظر آتی ہیں۔

انیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی عشروں میں نظم کے ساتھ ساتھ قصیدہ اور مرثیہ بھی پشتو کی خاص اصناف مانی جانے لگیں۔ غیاث الدین بلبن اور شیر شاہ سوری کے دور میں قصیدہ اور مدح کی اصناف پشتو ادب کا حصہ بنیں۔

محققین کو ''تذکرۃ الاولیا'' نام کی ایک قدیم تصنیف دستیاب ہوئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے پشتو شعراء نے حمد و نعت کی اصناف پر بھی طبع آزمائی کی تھی۔ یہ کتاب بارہ سو صفحات کی ہے۔ محمود غزنوی کے دور میں سیف اللہ نامی ایک شخص نے باقاعدہ طور پر پشتو کے حروف تہجی تیار کیے جو آج تک رائج ہیں۔ پشتو شاعری میں جو موضوعات نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں۔ ان میں حریت، غیرت، جنگ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ تصوف کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ ''ملامست'' اس اسلوب کے پیشوا مانے جاتے ہیں۔

خوشحال خاں خٹک پشتو کے عظیم شاعر ہیں۔ یہ صاحب قلم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب سیف بھی تھے۔ اس کا اظہار انھوں نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ ''خوشحال کے لیے وہ لمحات قابل دید ہیں جب تلوار اور زرہوں کی جھنکار ہوتی ہے۔'' خوشحال خاں نے اپنی شاعری میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کے متعلق لکھا۔ ان میں عشق حقیقی، عشق مجازی، تصوف، اخلاق، حریت اور بہادری کے موضوعات نمایاں ہیں۔

پشتو ادب کے دوسرے بڑے شاعر رحمان بابا ہیں۔ یہ فقیر صفت شاعر ہمیشہ عشق و تصوف کی کیفیات میں مگن رہتے تھے اور یہی ان کی شاعری کے موضوع بھی تھے۔ ان کے نزدیک عشق ہی کائنات کی تخلیق کا باعث ہے۔ رحمان بابا کو پشتون معاشرے میں ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے۔

خوشحال خاں خٹک اور رحمان بابا کا انداز پشتو ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی چھاپ بعد میں آنے والے شعراء پر بھی پائی جاتی ہے۔

لوک گیت، پشتو ادب کا بے نظیر سرمایہ ہیں۔ اس کی کئی اشکال ہیں۔ مگر چار بیتہ، ٹپہ، لیمکئی وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ بعض شعراء نے لوک گیتوں کی مختلف صورتوں کو اپنی شاعری کا بھی موضوع بنایا ہے۔ ان شعرا میں نور دین اور ملا مقصود وغیرہ شامل ہیں۔

پشتو نثری ادب نے بیسویں صدی میں ترقی کرنا شروع کی۔ قیام پاکستان کے بعد جدید تعلیم کے زیر اثر نئے نظریات اور خیالات کے حامل اہل قلم نے پشتو لغات' گرائمر نویسی' سوانح نگاری' افسانہ نویسی' ناول اور ڈرامے لکھنے میں نمایاں کام کیا۔

پشتو زبان کے تین لہجے ہیں۔ ایک لہجہ شمال مشرق کے علاقوں کا دوسرا جنوب مغرب کے علاقوں کا اور تیسرا زئی قبائل کا ہے۔ ان تینوں کے مابین بنیادی طور پر صرف تلفظ کا فرق پایا جاتا ہے۔

بلوچی

بلوچی زبان کی قدامت اور اس کے خاندان کے بارے میں کتنے ہی نظریات کیوں نہ ہوں' لیکن یہ حقیقت ہے کہ بلوچی ادب کی ترقی کا زمانہ قیام پاکستان کے بعد کا ہے۔

بلوچ اپنی معاشرت کے اعتبار سے بادیہ نشین ہیں۔ ان کی زبان بلوچی ہے جس کا تعلق آریائی زبانوں سے ہے۔ بلوچی زبان کے دو اہم لہجے ہیں ایک سلیمانی اور دوسرا مکرانی۔ اگرچہ بلوچی رسم الخط پہلے ایجاد ہو چکا تھا مگر قدیم بلوچی ادب تحریری صورت میں بہت دیر بعد آیا۔ مجموعی طور پر بلوچی شاعری کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

بلوچی شاعری میں زیادہ اہم رزمیہ شاعری ہے۔ اس کے موضوعات میں ہمت، جاہ و جلال، غیرت، اور بہادری شامل ہیں۔ دوسرا حصہ عشقیہ شاعری کا ہے اس میں حسن وعشق' شباب اور دوسرے موضوعات پائے جاتے ہیں۔ تیسرا حصہ لوک داستانوں پر محیط ہے۔ اس میں لوری اور موتک کی اصناف قدیم زمانے سے معاشرتی زندگی کا عکس پیش کرتی آئی ہیں۔

بلوچی زبان کی قدیم شاعری کو روشناس کرانے کا کام 1840ء میں ہوا۔ بلوچی ادب کے کلاسیکی نثر میں میر چاکر خان، حسن زندو، حمل رندو منہاد، بیبرگ و گران، نازشہ، مرید ہانی وغیرہ کے قصے مشہور و مقبول ہیں۔ بلوچی ادب کے تیز رفتار ارتقاء کا آغاز قیام پاکستان کے بعد بلوچی رسائل و جرائد نے کیا' بلوچی زبان و ادب کی تاریخ پر سب سے پہلی کتاب شیر کمسر مری نے لکھی۔ انگریزوں کے دور میں جو بلوچی شاعری تخلیق کی گئی اس میں تصوف، اخلاقیات، اور انگریزوں کے خلاف نفرت کے عنوانات ملتے ہیں۔ اس دور کا بلند پایہ شاعر "مست توکلی" ہے۔

قیام پاکستان کے بعد اردو حروف تہجی کو گھٹا بڑھا کر بلوچی کے لیے ایک معیاری رسم الخط ایجاد کیا گیا ہے۔ 1960ء میں پہلا بلوچی مجلہ

شائع ہونے سے بلوچی زبان میں صحافت اور ادب کو ایک نیا رخ ملا ہے۔ جدید ادب میں جملہ اصناف سخن پر مشق جاری ہے۔ بلوچستان یونیورسٹی نے بلوچی زبان میں پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری کا اجراء کیا ہے۔

کشمیری

کشمیری زبان ایک تحقیق کے مطابق وادی سندھ کی زبان سے منسلک ہے۔ اس کے کئی مشہور لہجے ہیں جن میں مسلمانکی، ہندکی، گندورو، گامی زیادہ مشہور ہیں۔ معیاری وادبی لہجہ گندورو کو سمجھا جاتا ہے۔ کشمیری ادب کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1- پہلے دور میں لوک گیتوں کو فروغ ملا، اس قسم کی شاعری میں کشمیری سماج کی اجتماعی سوچ واحساس کا اظہار پایا جاتا ہے۔ اسے کشمیری لہجے میں رؤف یالول کہا جاتا ہے۔

2- دوسرے دور میں الٰہیات کے موضوعات پر لکھا گیا۔

3- تیسرے دور میں عشقیہ داستانوں کو منظوم کرنے کی روایت پڑی۔ حبہ خاتون اس عہد کی اہم شاعرہ گزری ہیں۔ اس دور کے منظوم قصوں میں کشمیری کے علاوہ اہم فارسی و عربی قصوں کو بھی کشمیری لباس پہنایا گیا۔ جن کے لیے ارمنی لال اور ملّا فقیر وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

4- چوتھے دور میں کشمیری زبان وادب پر روحانی اثر غالب رہا جس کے روح رواں محمود گامی تھے۔

5- پانچواں دور جدید ادب کے زیر سایہ پلا بڑھا۔ یہ اپنے اندر نئے فکری رجحانات رکھتا ہے۔ غلام احمد مہجور کو اس دور میں اہم مقام حاصل ہے۔

کشمیری ادب میں مقامی تخلیقات کے ساتھ دوسری زبانوں سے تراجم بھی ہوئے۔ ایرانی ادب کو خاص طور پر غزل اور مثنوی کے تراجم کے بعد کشمیری شاعری نے بھی اپنی تخلیقی صنف کے طور پر اپنایا۔ آزاد کشمیر یونیورسٹی میں کشمیریات پڑھانے اور تحقیق کے لیے خصوصی انتظامات کیے گئے ہیں۔

سوالات

1- پاکستان میں قومی رابطے کی زبان اردو کو کیوں کہا جاتا ہے؟

2- درج ذیل عنوانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ''پنجابی زبان'' پر نوٹ لکھیے۔

i- پنجابی زبان کے لہجے　ii- موضوعات

iii- بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کا پنجابی زبان کے حوالے سے کردار

iv- داستان گوئی　v- اصناف سخن　vi- بیسوی صدی میں پنجابی نثر میں کام

3- سندھی زبان کے مختلف ارتقائی مراحل کی وضاحت کیجیے۔

4- پشتو زبان کے مختلف شعراء اور نثر نگاروں کے کام کو بیان کیجیے۔

5- بلوچی زبان میں رزمیہ شاعری، کلاسیکی نثر اور انگریزوں کے دور کی شاعری کے موضوعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک نوٹ لکھیے۔

6- کشمیری زبان کے پانچ مختلف ادوار بیان کیجیے۔

باب 8

قومی یکجہتی اور خوشحالی

تعارف

کسی ملک کی قومی یکجہتی اور خوشحالی قومی اتحاد کے بغیر ناممکن ہے۔ پاکستانی قوم مختلف علاقوں اور مختلف نسلوں کے لوگوں پر مشتمل ہے اور وہ اپنی اپنی زبان بولتے ہیں مثلاً پنجابی، سندھی، پشتو اور بلوچی وغیرہ لیکن ان کے درمیان دین اسلام مشترک قدر ہے جو قومی بھائی چارے اخوت اور یکجہتی کی بنیاد ہے۔ جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو ملک کے مختلف علاقوں کے مابین رابطہ کرنے اور ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو جاننے کے لیے اردو زبان کو رابطہ کی زبان کی حیثیت سے قومی زبان کا درجہ دیا گیا۔

قومی یکجہتی اور سالمیت

تعریف

عام طور پر یکجہتی سے مراد متحد ہونا ہے۔ یکجہتی ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے جزئیات کو کل میں تبدیل کیا جاتا ہے یعنی چھوٹی اکائیوں کو یکجا کر کے کل کی شکل میں ڈھالا جاتا ہے تاکہ اکائیاں کل کا ایک حصہ بن جائیں۔ یکجہتی سے یہ بھی مراد لیا جاتا ہے کہ مختلف حصوں یا گروہوں کی دلچسپیوں کو اس طرح جوڑا جائے کہ وہ ایک متحدہ نظام کی شکل اختیار کر لے اور متحدہ نظام کی دلچسپیاں ان کی دلچسپیاں بن جائیں۔ اگر یکجہتی ہوگی تو تب ہی کسی گروہ کی سالمیت ممکن ہوگی۔

قومی یکجہتی و سالمیت سے مراد یہ ہے کہ ایک معاشرے میں معاشرتی اور سیاسی گروہوں کو یکجا کر کے ایک لڑی میں پرو دیا جائے تاکہ معاشرے کی سالمیت ممکن ہو مثلاً بہت سی قومیتیں اور ذیلی اکائیاں پاکستانی قوم کے سانچے میں ڈھل جائیں۔ قومی یکجہتی و سالمیت کے لیے مندرجہ ذیل مشترکہ عناصر کا ہونا ضروری ہے۔

1- مشترکہ مذہب

مشترکہ مذہب قومی یکجہتی پیدا کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اگر آبادی ایک ہی مذہب سے تعلق رکھتی ہو تو اس میں نہ صرف ایک قومیت کا احساس بڑھتا ہے بلکہ قومی اتحاد بھی پیدا ہوتا ہے۔ پاکستانی قوم میں اکثریتی لوگوں کا دین اسلام ہے۔ اس لحاظ سے پاکستانی قوم متحد ہے اور ان میں قومی اتحاد و یکجہتی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

2- مشترکہ جغرافیائی حدود

اگر آبادی ایک ہی جغرافیائی حدود میں رہتی ہو تو آسانی سے قومی یکجہتی کے دھارے میں ڈھل سکتی ہے۔ قدرتی جغرافیائی حدود ریاست کو دفاع اور اتحاد میں مضبوط کرتی ہیں مثلاً مشرقی اور مغربی جرمنی کے لوگوں نے جغرافیائی مماثلت کی وجہ سے دوبارہ ایک قوم کی شکل اختیار کر لی۔

3- مشترکہ زبان
مشترکہ زبان بھی قومی اتحاد کے پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ برطانوی تاریخ دان ریمزے میور کے مطابق ''مشترکہ زبان سے کوئی چیز اہم نہیں ہے جو کہ قومی اتحاد پیدا کرتی ہے۔'' ایک زبان بولنے سے لوگ ایک دوسرے کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں، اپنے خیالات دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں اور دوسروں کی بات سمجھ سکتے ہیں۔

4- مشترکہ نسل
اگر آبادی کا تعلق ایک ہی نسل سے ہو تو ان میں نفسیاتی و معاشرتی طور پر یگانگت پیدا ہو جاتی ہے اور ایک ہی قومیت کا احساس پیدا ہوتا ہے اور ان میں قومی یکجہتی بھی پیدا ہوتی ہے۔

5- مشترکہ روایات
مشترکہ روایات بھی قومی اتحاد کے لیے ضروری ہیں۔ جان ایس مل کے خیال کے مطابق ''مشترکہ تاریخی روایات قومی اتحاد کے لیے بہت ضروری ہیں۔ شاندار ماضی ہمیشہ شاندار مستقبل کی نشان دہی کرتا ہے اس لیے اگر روایات ایک جیسی ہوں تو قومی یکجہتی پیدا کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔''

6- جمہوریت
جمہوریت بھی قومی اتحاد پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے جس ملک میں جمہوریت ہوگی تمام طبقات اپنے آپ کو مساوی سمجھیں گے اور مایوسی سے دور رہیں گے۔ احساس جمہوریت' قومی یکجہتی وسا لمیت پیدا کرنے میں بڑا مددگار ثابت ہوتا ہے۔

قومی یکجہتی وسالمیت کی اہمیت

جس قوم میں قومی یکجہتی اور اتحاد پیدا ہو جائے تو وہ قوم ترقی کی منزل کی طرف گامزن ہوتی ہے اور قوم کے افراد یکجا ہو کر قومی ترقی اور خوشحالی پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ درج ذیل نکات قومی یکجہتی وسا لمیت کی اہمیت اور افادیت کو واضح کرتے ہیں۔

1- خوشحالی
قومی یکجہتی واتحاد کے ذریعے ہم ملک میں خوشحالی لا سکتے ہیں۔ اس وقت پاکستان میں دوسرے مسائل کے ساتھ غربت بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ غربت کے خاتمے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔ غریب اور امیر طبقے میں فرق کم کرنے سے ہی ملک کو خوشحالی سے ہم کنار کیا جا سکتا ہے۔ یہ کام صرف قومی یکجہتی وسا لمیت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

2- امن کا قیام
اگر ملک میں قومی یکجہتی واتحاد قائم ہو جائے تو مختلف گروہوں میں اختلافات اور انتشار رفع ہو سکتے ہیں اور ملک امن وامان کا گہوارہ بن سکتا ہے جو کہ قومی یکجہتی میں مضمر ہے۔

3- باہمی تعاون
ملک میں قومی یکجہتی پیدا ہونے کے بعد معاشرے کے مختلف گروہوں کے اختلافات ختم کر کے باہمی تعاون کی فضا قائم کی جا سکتی ہے۔

4- عوام کی بھلائی

وہی حکومت عوام کی بھلائی کے متعلق سوچ سکتی ہے جس کو کسی قسم کے انتشار واختلاف کا سامنا نہ ہو۔ قومی یکجہتی سے یہ تمام برائیاں ختم ہو جاتی ہیں اور حکومت کو فرصت ملتی ہے کہ وہ عوام کی بھلائی کے کام کرے۔

5- مضبوط انتظامیہ کا قیام

قومی یکجہتی ویگانگت سے انتظامیہ مضبوط ہوتی ہے جس کی معاشرے کے ہر عنصر پر مکمل گرفت ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسی حکومت امن وامان اور انتشار کا مسئلہ پیدا ہونے نہیں دیتی۔

6- وقت اور دولت کے ضیاع سے محفوظ

قومی یکجہتی و یگانگت قوموں کو وقت اور دولت کے ضیاع سے محفوظ رکھتی ہے کیونکہ قوم کے تمام لوگوں کا ایک دوسرے سے باہمی قریبی تعلق ہوتا ہے جس وجہ سے ایک کام کو بار بار نہیں کیا جاتا۔ اس طرح وقت اور دولت کا ضیاع نہیں ہوتا۔

اسلامی جمہوری ریاست اور قومی یکجہتی وسالمیت

اسلامی ریاست کی تشکیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''مدینہ'' میں فرمائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک اسلامی ریاست کا مقصد اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا قیام اور بنی نوع انسان کی فلاح وبہبود ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد خلفائے راشدینؓ نے اسلامی ریاست کو مستحکم بنانے میں اپنا کردار ادا کیا۔ ریاست کے جمہوری اور فلاحی تصور کو اجاگر کیا اور کئی ایسے اقدامات کیے جن سے اسلامی ریاست دنیا کی مثالی ریاست بن گئی۔ جب ہم اسلامی ریاست کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس کی افادیت کے کئی پہلو معلوم ہوتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1- قومی یکجہتی واتحاد کا مظہر

اسلامی ریاست قومی اتحاد کا مظہر ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست میں نہ تو کسی فرد یا طبقہ سے زیادتی ہوتی ہے اور نہ ہی معاشرے کے کسی عنصر سے ناانصافی ہوتی ہے لہٰذا عدم یکجہتی واتحاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ عدل وانصاف کے قیام، جمہوری قدروں کے فروغ اور مکمل مذہبی آزادی سے معاشرہ کے افراد میں قومی یکجہتی واتحاد پیدا ہوتا ہے۔

2- عدل وانصاف کا قیام

اسلامی ریاست عدل وانصاف قائم کرتی ہے۔ وہ کسی فرد یا طبقہ سے کسی قسم کی زیادتی نہیں ہونے دیتی اور ہر ایک کے ساتھ یکساں سلوک کرتی ہے۔

3- جمہوری قدروں کا فروغ

اسلامی ریاست جمہوری اقدار مثلاً مساوات، انصاف، برداشت اور آزادی کو فروغ دیتی ہے اور ہر قسم کے غیر جمہوری ہتھکنڈوں کو ممنوع قرار دیتی ہے۔ ظلم وتشدد کو ختم کر کے تمام لوگوں کو برابر کے حقوق دیتی ہے۔

4- بدعنوانی کا خاتمہ

اسلامی ریاست میں ہر قسم کی بدعنوانی کا خاتمہ کیا جاتا ہے۔ انتظامیہ کو ایماندار بنایا جاتا ہے اور ریاست کا ہر کام صاف اور شفاف طریقے سے کیا جاتا ہے۔ بدعنوان عناصر کو حکومت میں ہرگز برداشت نہیں کیا جاتا۔

5- خوشحال معاشرے کا قیام

اسلامی ریاست ایک فلاحی ریاست ہے۔ اس میں معاشرے کی خوشحالی اور ریاست کو معاشی طور پر ترقی کی جانب گامزن کیا جاتا ہے۔ اسلامی ریاست پر ہر فرد کو ضروریات زندگی فراہم کرنا فرض ہوتا ہے۔

6- مکمل مذہبی آزادی

اسلامی ریاست ملک میں مکمل مذہبی آزادی دیتی ہے۔ تمام اقلیتوں کو ان کے مذاہب کے مطابق عقیدہ وعبادت کی مکمل آزادی ہوتی ہے۔ کسی پر کسی قسم کی ناجائز مذہبی پابندی عائد نہیں کی جاتی جس سے قوم میں نفاق کا عنصر ختم ہو جاتا ہے۔

7- استحصال کا خاتمہ

اسلامی ریاست استحصال سے پاک معاشرہ قائم کرتی ہے یعنی کوئی فرد یا طبقہ کسی دوسرے فرد یا طبقہ کا استحصال نہیں کرسکتا اور نہ ہی کسی فرد یا طبقہ یا علاقہ کو پسماندہ رکھا جاسکتا ہے۔

8- ذمہ دار حکومت کا قیام

اسلامی ریاست میں ہمیشہ ذمہ دار حکومت قائم کی جاتی ہے۔ حکومت نہ صرف عوام کے سامنے جواب دہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی جواب دہ ہوتی ہے یعنی اسلامی حکومت کی دوہری ذمہ داری ہوتی ہے۔

9- احتساب کا اصول

اسلامی ریاست میں ہر فرد کا احتساب ہوتا ہے، خواہ وہ حکومت میں ہے یا نہیں۔ ہر اہل اقتدار کو احتساب کے کڑے عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔ ہر ایک کو اس کی نااہلی یا لاپرواہی پر سزا دی جاتی ہے۔ اس طرح ایک صاف ستھری انتظامیہ وجود میں آتی ہے۔

10- حکومت اور عوام میں رابطہ

اسلامی ریاست میں حکومت اور عوام میں قریبی رابطہ پیدا ہوتا ہے تاکہ حکومت عوام کے مسائل کو معلوم کر سکے اور ان کے حل کے لیے مناسب اقدام اٹھا سکے۔ اسی طرح عوام بھی حکومت کی مشکلات کو سمجھ سکتے ہیں۔

11- اہلیت کا اصول

اسلامی ریاست میں ہمیشہ اہلیت کے اصول کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ جو فرد جس کام کا اہل ہو اس کو وہ کام سونپا جاتا ہے یعنی اسلامی ریاست میں کسی نااہل کو ہرگز کوئی کام نہیں دیا جاتا اور نہ ہی اس کو کاروبار حکومت سرانجام دینے کے لیے برداشت کیا جاتا ہے۔

12- ترقی پسندی

اسلامی ریاست میں بدلتے ہوئے حالات اور نئے تقاضوں سے ہم آہنگی پر زور دیا جاتا ہے اسلام میں قدامت پسندی اور

جمود ناپسندیدہ افعال ہیں لہٰذا ترقی پر زور دیا جاتا ہے۔قرآن کریم میں واضح طور پر ارشاد ہے کہ ''زمینوں، آسمانوں اور ان کے درمیان اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے بے شمار خزانے چھپا رکھے ہیں اور جو بھی ان کو تلاش کرنے کے لیے جدوجہد کرتا ہے اس کے لیے یہ نعمتیں دستیاب ہیں۔''

13- غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔عام طور پر تمام شہریوں کو حقوق دیئے جاتے ہیں لیکن خاص طور پر غیر مسلموں کو ذمی کا درجہ دے کر ان کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کی جاتی ہے۔

پاکستان میں قومی یکجہتی و سالمیت کے مسائل

آج کل پاکستان بحرانی کیفیت سے گزر رہا ہے لہٰذا پاکستان کو قومی یکجہتی کی انتہائی ضرورت ہے لیکن پاکستان کو قومی یکجہتی کے ضمن میں بے شمار مسائل کا سامنا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1- معاشی پسماندگی
2- سیاسی شعور کا فقدان
3- علاقوں کی مساوی ترقی کا فقدان
4- تہذیبی و ثقافتی اختلافات
5- لسانی و نسلی اختلافات
6- مخصوص طبقہ کا سیاسی تسلط
7- سیاسی و انتظامی اداروں میں انحطاط
8- مطلق العنان حکومتیں
9- علاقائی سیاسی جماعتیں
10- ناخواندگی

قومی یکجہتی کو درپیش مسائل کا حل

پاکستان میں قومی یکجہتی کو درپیش مسائل کو درج ذیل طریقوں سے حل کیا جاسکتا ہے۔

1- خواندگی میں اضافہ

پاکستان میں پڑھے لکھے لوگوں کی بجائے دولت مند افراد کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے جس سے تفرقہ پیدا ہوتا ہے جو کہ قومی یکجہتی و اتحاد کے لیے سود مند نہیں ہے۔حکومت پاکستان کو چاہیے کہ وہ پڑھے لکھے لوگوں کی حوصلہ افزائی کرے تاکہ وہ سیاست میں آئیں اور سیاست کے ذریعے اسمبلیوں میں آئیں اور معاشرے کو سدھاریں جس سے قومی یکجہتی کی فضا پیدا ہوگی۔

2- علاقوں کی مساوی ترقی

کسی ملک کے افراد میں اتحاد و یکجہتی اور قومی ہم آہنگی کا احساس پیدا کرنے کیلئے علاقوں کی مساوی ترقی کا بڑا دخل ہے۔پاکستان میں کوشش کی جارہی ہے کہ ملک کے تمام علاقوں کو برابر ترقی دی جائے۔اسی لیے موجودہ حکومت نے بلوچستان کی ترقی کے لیے گوادر پورٹ کو فری پورٹ کر دیا ہے تاکہ ملک میں سرمایہ کاری ہو اور اس صوبے کی ترقی ہو۔حکومت کا بہت بڑا کارنامہ ہوگا کہ بلوچستان، خیبر پختونخوا اور سندھ کو بھی ترقی میں پنجاب کے برابر لائے۔

3- جمہوریت کا قیام

عدم جمہوریت کی کیفیت طبقاتی کشمکش پیدا کرتی ہے جو قومی یکجہتی کے لیے مضر ہے۔جمہوریت کو صحیح معنوں میں قائم کیا جائے تو اس سے لوگوں میں احساس محرومی کم ہوگا اور جذبہ قومی یکجہتی و اتحاد بڑھے گا۔

4- علاقائی کی بجائے قومی سیاسی جماعتوں کی حمایت

علاقائی جماعتوں کی تشکیل قومی یکجہتی واتحاد کے لیے زہر قاتل ہیں لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ وہ علاقائی جماعتوں کی بجائے قومی سیاسی جماعتوں کی حمایت کریں۔

5- مخصوص طبقوں کی اجارہ داری کا خاتمہ

پاکستان میں ابتدا سے ہی جاگیردار، سرمایہ دار اور حکومتی اختیارات کے مالک طبقوں کی اجارہ داری قائم رہی جو قومی یکجہتی کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس لیے قومی بقا، سلامتی اور ترقی کا تقاضا ہے کہ مخصوص طبقوں کی اجارہ داری کو ختم کیا جائے اور تمام طبقات کو آزادی کے ثمرات سے بہرہ ور ہونے کی اجازت دی جائے۔ جس سے لوگوں میں احساس محرومی کم ہوگا اور جذبہ یکجہتی واتحاد بڑھے گا۔

6- قومی اداروں کو مضبوط بنانا

پاکستان کو تمام قومی اداروں کو مضبوط بنانا چاہیے۔ پاکستان میں یہ عام تاثر ہے کہ ہر آنے والی حکومت نے قومی اداروں کو برباد کیا ہے۔ اداروں کی کمزوری کی وجہ سے کم مراعات یافتہ لوگوں کو مراعات حاصل نہیں ہوسکتیں جس سے قومی اتحاد پر گزند آتی ہے۔ لہٰذا قومی اداروں کو مضبوط کرنا چاہیے تاکہ وہ کم مراعات یافتہ لوگوں اور علاقوں کو ترقی دے سکیں۔

7- اصلاحات کا نفاذ

پاکستان میں معاشی، سیاسی، معاشرتی اور مذہبی میدانوں میں اصلاحات کا نفاذ تمام ملک کے حصوں میں برابری کی بنیاد پر کرنا چاہیے تاکہ کسی علاقے کے لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں اصلاحات کے ثمرات سے کوئی فائدہ نہیں ملا۔ جب لوگوں میں یکسانیت کا احساس پیدا ہوگا تو قومی یکجہتی واتحاد خود بخود پیدا ہوگا۔

8- معاشی آسودگی

پاکستان کے بہت سے علاقے وسائل کے اعتبار سے برابر نہیں ہیں۔ کئی علاقے کم زرخیز ہیں اور کہیں زرعی اجناس بکثرت ہوتی ہیں۔ اگر وسائل کو تمام علاقوں میں برابر برابر تقسیم کردیا جائے تو ملک میں معاشی آسودگی آسکتی ہے اور مخصوص علاقہ کے لوگوں میں احساس پسماندگی کم ہوسکتا ہے اور جذبہ قومی یکجہتی واتحاد بڑھ سکتا ہے۔

9- معاشرتی عدل وانصاف کا قیام

معاشرتی عدل وانصاف کے قیام سے قومی یکجہتی واتحاد پیدا ہوتا ہے۔ ملک میں سیاسی تناؤ اور انتشار کم ہوجاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ایک متحد مربوط اور منظم قوم نمودار ہوتی ہے۔ اگر معاشرے کی تمام معاشرتی ناہمواریوں کو دور نہ کیا گیا ہو تو طبقاتی کشمکش اور علاقائی تعصب کا رجحان بڑھتا ہے جو کہ قومی اتحاد کے لیے نقصان دہ ہے۔

10- اسلامی تعلیمات کا فروغ

پاکستان اسلامی تعلیمات اور جمہوری اصولوں کی بنیاد پر قائم ہوا تھا۔ قائداعظمؒ نے بھی پاکستان کے قیام کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا ''ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک سرزمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے ہیں جہاں ہم

اسلامی اصولوں پر عمل کر سکیں۔'' قائداعظمؒ کے ارشاد کے مطابق پاکستان میں ایک ایسا ماحول پیدا کیا جائے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو۔اسی طرح قومی یکجہتی واتحاد پیدا کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

11- یکساں حقوق کی فراہمی

کسی ملک میں تمام افراد کو یکساں حقوق وآزادیاں مہیا کرنا قومی یکجہتی واتحاد کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔اگر ہم پاکستان میں تمام افراد کو بلاامتیاز نسل، مذہب، علاقہ اور صنف کے حقوق اور آزادی مہیا کرتے ہیں تو یہ قومی یکجہتی واتحاد کے لیے، بہت مفید ہوگا۔

12- بین الصوبائی شادیاں

ہمیں بین الصوبائی شادیوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے اور اس طرح تمام اکائیوں کے افراد میں باہمی میل جول بڑھنا چاہیے تاکہ افراد میں ایک دوسرے کے متعلق غلط فہمیاں دور ہوں اور قومی یکجہتی ویگانگت کو فروغ ملے۔

سوالات

1- قومی یکجہتی وسالمیت سے کیا مراد ہے؟ قومی یکجہتی وسالمیت کے لیے کن عناصر کا ہونا ضروری ہے؟
2- ایک اسلامی جمہوری ریاست کے لیے قومی یکجہتی وسالمیت کی افادیت بیان کیجیے۔
3- پاکستان میں قومی یکجہتی کے مسائل کیا ہیں؟ ان کا حل بیان کیجیے۔
4- قومی یکجہتی وسالمیت کی اہمیت واضح کیجیے۔

باب 9

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی اور ترقی

قومی معیشت اور عوام کی خوشحالی کے لیے ملکی وسائل کو بہتر طریقے سے استعمال کرنے کا نام معاشی منصوبہ بندی ہے۔ معاشی منصوبہ بندی کی پالیسی معاشی ترقی کے لیے مرتب کی جاتی ہے تاکہ ملک کے عوام کو خوشحال زندگی گزارنے کے بہتر مواقع بہم پہنچائے جاسکیں۔ یہ اس صورت میں ممکن ہوسکتا ہے کہ ملکی پیداوار میں اضافہ کر کے قومی آمدنی کو اس حد تک بڑھایا جائے کہ قومی آمدنی میں اضافے کی شرح، افزائش آبادی کے مقابلے میں زیادہ ہو۔ معاشی منصوبہ بندی کے لیے ایک قومی منصوبہ بندی کمیشن قائم کیا گیا ہے جو ملکی وسائل کو بڑھانے اور ترقی دینے کے لیے ایک جامع منصوبہ بناتا ہے۔

معاشی منصوبہ بندی کی اہمیت

1- فی کس آمدنی کو بڑھانا

معاشی منصوبہ بندی کا ایک اہم ترین مقصد فی کس آمدنی میں مسلسل اضافہ کرنا ہے۔ عوام کے معیار زندگی کا دارومدار فی کس آمدنی پر ہوتا ہے۔ اگر کسی ملک کی فی کس آمدنی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے تو ملک معاشی ترقی کی راہ پر گامزن ہوگا۔ اگر فی کس آمدنی کم ہوجائے تو معاشی ترقی کی رفتار بھی متاثر ہوگی۔ چنانچہ معاشی منصوبہ بندی کے ذریعے فی کس آمدنی کو بڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

2- قومی آمدنی میں اضافہ کرنا

معاشی منصوبہ بندی کا بنیادی مقصد ملک کے باشندوں کو خوشحال بنانا اور انھیں مطمئن زندگی گزارنے کے مواقع بہم پہنچانا ہے۔ اس سے قومی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے تاہم یہ اسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے کہ ملکی پیداوار میں اضافہ کر کے قومی آمدنی میں اس حد تک اضافہ کردیا جائے کہ قومی آمدنی میں اضافے کی شرح، آبادی کی افزائش کی شرح سے زیادہ ہو۔ قومی آمدنی میں اضافے کے لیے آمدنی کے تمام ذرائع کو بروئے کار لاکران سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پیداواری ذرائع کی منصفانہ تقسیم کو اس سلسلے میں خصوصی اہمیت حاصل ہے جو ملکی حالات کو پیش نظر رکھ کر کی جانی چاہیے۔

3- ملازمتوں کی فراہمی کو بہتر بنانا

ہر حکومت چاہتی ہے کہ ملک میں معاشی ترقی کی رفتار قابل ستائش رہے اور لوگ مطمئن زندگی بسر کرتے رہیں۔ چنانچہ ملک میں کام کرنے کے اہل افراد کو روزگار کی فراہمی، اس کے بنیادی مقاصد میں شامل ہوتا ہے۔ صرف معاشی منصوبہ بندی کے ذریعے ہی اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ترقی پذیر ممالک کا سب سے بڑا مسئلہ پڑھے لکھے، ہنر مند، کام کرنے کے اہل اور قابل بے روزگار افراد کو ملازمتوں کی فراہمی ہے۔ معاشی منصوبہ بندی کے ذریعے اس مسئلے کو احسن طریقے سے حل کیا جاسکتا ہے۔

4- معاشی خود کفالت کا حصول

معاشی منصوبہ بندی کا ایک اہم مقصد معاشی خود کفالت کا حصول ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے زرعی شعبے میں خرابیوں کو دور کیا جاتا ہے۔ منڈیوں کے نظام کی اصلاح کی جاتی ہے۔ کاشتکاروں کو عمدہ بیج، کھاد اور زرعی مشینری وغیرہ کی خریداری کے لیے قرض کی سہولت دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ آبپاشی کے ذرائع کو بہتر بنایا جاتا ہے۔ سیم وتھور کی روک تھام کر کے جدید طریقہ کاشت کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ زرعی تعلیم وتحقیق کو فروغ دے کر قومی پیداوار میں اضافہ کیا جاتا ہے جس سے ملک معاشی اعتبار سے خود کفیل بن جاتا ہے۔

5- ادائیگیوں کا توازن بہتر بنانا

ترقی پذیر ممالک کا ادائیگیوں کا توازن عموماً خسارے کا شکار رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے برآمدات میں کمی اور درآمدات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس خسارے کو ختم کر کے ادائیگیوں کا توازن درست کیا جانا ضروری ہے لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ بہتر معاشی منصوبہ بندی کر کے درآمدات اور برآمدات میں توازن اور استحکام پیدا کیا جائے۔

6- صنعتی ترقی میں اضافہ

معاشی منصوبہ بندی کا ایک مقصد ملک کو صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ بنانا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں صنعتوں کے قیام کے لیے نجی شعبے کو خصوصی مراعات دی جاتی ہیں۔ اگر کوئی نجی شعبہ کسی مخصوص صنعت میں سرمایہ کاری کے لیے تیار نہ ہو تو حکومت خود صنعت کے لیے سرمایہ فراہم کرتی ہے۔ بعض صنعتوں کی حوصلہ افزائی کے لیے چند سالوں کے لیے ٹیکسوں میں چھوٹ دی جاتی ہے، اس عمل سے صنعتی ترقی کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔

7- کم ترقی یافتہ علاقوں کی صورت حال میں بہتری لانا

اگر کسی ملک کے کچھ علاقے یکساں طور پر ترقی یافتہ نہ ہوں تو معاشی منصوبہ بندی کر کے ان کم ترقی یافتہ علاقوں کو دوسرے علاقوں کے برابر لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پسماندہ علاقوں کے لیے ترجیحی بنیادوں پر خصوصی ترقیاتی سکیمیں تیار کی جاسکتی ہیں، ان اقدامات سے ملکی معیشت میں استحکام پیدا ہوتا ہے اور ایک پائیدار معاشی نظام قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔

8- افرادی قوت کی کھپت

پسماندہ ممالک میں عام طور پر افرادی قوت بہت ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسے ممالک میں منصوبہ بندی کے ذریعے افرادی قوت کو بہتر اور صحیح طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے مثلاً مقامی منصوبوں، سڑکوں اور ہسپتالوں وغیرہ کی تعمیر کے لیے مقامی افرادی قوت اور وسائل سے کام لیا جاسکتا ہے تاکہ مقامی آبادی کو روزگار فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ بے روزگاری کو بھی کم کیا جاسکے۔

9- قیمتوں میں استحکام لانا

اشیا کی رسد میں کمی اور طلب میں اضافے سے قیمتیں بڑھتی ہیں۔ قیمتیں بڑھنے سے مہنگائی ہوتی ہے۔ عوام کی قوت خرید کم ہو جاتی ہے اور صارفین کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے نیز قیمتوں میں اضافے سے افراط زر کا چکر شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ معاشی منصوبہ بندی

کے ذریعے قیمتوں میں استحکام پیدا کیا جاسکتا ہے اور انھیں مناسب سطح پر برقرار رکھنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔

10-افراطِ آبادی پر قابو پانا

معاشی منصوبہ بندی کا اہم ترین مقصد روزافزوں بڑھتی ہوئی آبادی کے چیلنج کا مقابلہ کرنا بھی ہوتا ہے۔ منصوبہ بندی سے معاشی وسائل کو ترقی دے کر افراط آبادی پر قابو پایا جاسکتا ہے، ہر حکومت کا معاشی منصوبہ بندی کرتے وقت یہی مقصد ہوتا ہے۔

11-معاشی بحران پر کنٹرول کرنا

بعض اوقات ملکی سطح پر معاشی بحران سے نپٹنے کے لیے معاشی منصوبہ بندی ضروری ہوجاتی ہے۔ چونکہ معاشی بحران سے ملکی معیشت کو زبردست دھچکا لگتا ہے اس لیے اس پر معاشی منصوبہ بندی کے ذریعے قابو پایا جاسکتا ہے۔

زرعی ترقی

پاکستان کی معیشت میں زراعت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ملکی آمدنی کا زیادہ حصہ زرعی شعبہ کی برآمدات سے حاصل ہوتا ہے۔ پاکستان زرعی شعبہ میں مسلسل ترقی کر رہا ہے۔ پچھلے چند سالوں سے زراعت میں کافی ترقی ہورہی ہے۔ پاکستان کی تمام بڑی صنعتوں مثلاً سوتی کپڑا، چاول، چینی، آٹا، گھی اور خوردنی تیل کی صنعتوں کا انحصار زرعی شعبہ پر ہے۔ پاکستان میں بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے حکومت زرعی شعبہ میں خودکفالت کے لیے ہر ممکن اقدامات کر رہی ہے، تاکہ غذائی پیداوار میں اضافہ کر کے غذائی اجناس کی درآمد پر خرچ ہونے والا زرمبادلہ بچایا جاسکے۔ زراعت پاکستان کی معیشت کا سب سے اہم شعبہ ہے۔ ذیل میں اس شعبے کی اہمیت، افادیت اور ترقی کے لیے کیے جانے والے اہم اقدامات کا مختصراً جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

1-غذا کی فراہمی

ہماری اہم غذائی فصلیں، گندم، چنا، چاول، مکئی، باجرا، اور تیل دار اجناس جو وغیرہ ہیں جو ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کی غذائی ضروریات کو کافی حد تک پوری کررہی ہیں۔ پاکستان زیادہ تر غذائی فصلوں کی پیداوار میں خودکفیل ہے۔

2-نقد آور فصلیں

نقد آور فصلیں کپاس، گنا، تمباکو وغیرہ ہیں جو ہمارے ملک کی قیمتی دولت ہیں۔ زرمبادلہ کا نمایاں حصہ انھی کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ یہ صنعتی خام مال کا اہم ذریعہ ہیں۔ کپڑے، چینی اور سگریٹ وغیرہ کی صنعتوں کا انحصار انھی فصلوں پر ہے۔

3-پھل اور میوہ جات

پاکستانی پھل اپنے ذائقے، غذائیت اور خوبصورتی کی بنا پر دنیا بھر میں پسند کیے جاتے ہیں۔ اہم پھل آم، کینو، مالٹا، امرود، کیلا، انگور، سیب، آلو بخارا، خوبانی اور آڑو وغیرہ ہیں۔ خشک میوہ جات زیادہ تر صوبہ خیبر پختونخوا میں کاشت ہوتے ہیں۔ پاکستان پھلوں اور میوہ جات کی برآمد سے ہر سال کثیر زرمبادلہ کماتا ہے۔

4-زراعت اور روزگار

روزگار کی فراہمی کے نقطہ نظر سے زراعت پاکستان کا سب سے بڑا شعبہ ہے۔ ملکی آبادی کا لگ بھگ 42 فیصد حصہ اور دیہی آبادی کا قریباً 60 فیصد زرعی شعبے سے وابستہ ہے جو عبادت سمجھ کر یہ فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

5- قومی آمدنی

جی ڈی پی کا کم و بیش 20 فیصد حصہ زرعی شعبے سے حاصل ہوتا ہے اور اس میں زیادہ تر حصہ لائیو سٹاک کا ہے۔ حکومت زرعی شعبے کی کارکردگی بڑھانے کے لیے متعدد اقدامات کر رہی ہے۔ چھوٹے کسانوں کو آسان اقساط پر قرضے فراہم کر رہی ہے۔ لائیو سٹاک کے شعبے پر بھی خصوصی توجہ دی جا رہی ہے تاکہ متعلقہ افراد کی آمدنی اور معیار زندگی میں اضافہ ہو سکے۔

6-معاشی ترقی

پاکستان کی معاشی، صنعتی اور تجارتی ترقی کا انحصار زراعت پر ہے۔ موجودہ دور میں زراعت کو جدید مشینوں اور جدید تقاضوں کے مطابق ترقی دی جا رہی ہے۔

7-اچھے بیجوں کا استعمال

زراعت کی ترقی کی ایک اہم وجہ اچھے اور زیادہ پیداوار دینے والے بیجوں کا استعمال ہے۔ حکومت فی ایکڑ اور مجموعی ملکی پیداوار میں اضافے کے لیے اچھے، معیاری اور بہتر پیداوار دینے والے بیجوں کی بروقت فراہمی کے لیے ہر ممکن اقدامات کر رہی ہے۔

8- آبپاشی کا نظام

پاکستان کا نہری نظام آبپاشی ڈیڑھ سو سال سے زائد پرانا ہے جو منگلا اور تربیلا جیسے بڑے کثیر المقاصد ڈیموں کے علاوہ کئی ایک آبپاشی اور رابطہ انہار پر مشتمل ہے۔ پاکستان میں اس وقت زیر کاشت رقبے کے زیادہ حصے کا انحصار آبپاشی کے نظام پر ہے۔ حکومت آبپاشی کے وسائل میں اضافے کے ساتھ نہری پانی کے ضیاع کو روکنے کے لیے بھی کوشاں ہے۔ نہروں اور کھالوں کی پختگی کے ساتھ ساتھ پانی کے استعمال کے کفایتی طریقے بھی متعارف کرا رہی ہے۔ ناہموار کھیتوں کے لیے لیزر ٹیکنالوجی کا استعمال، پانی کے کم وسائل سے بہتر استفادہ کے لیے سپر نکلر اور ڈرپ جیسے منصوبے حکومت کی زراعت کے لیے سنجیدگی کا مظہر ہیں۔

9- فصلی بیماریاں

پاکستان کی آب و ہوا فصلی بیماریوں اور کیڑے مکوڑوں کے لیے سازگار ہے۔ حکومت فصلوں کو کیڑے مکوڑوں سے بچانے کے لیے زرعی ادویات کی درآمد پر ہر سال ایک کثیر رقم خرچ کر رہی ہے تاکہ فصلی بیماریوں اور کیڑے مکوڑوں کا خاتمہ ہو اور پیداوار میں اضافہ ہو سکے۔

10- بہترین کھادوں کا استعمال

بہتر پیداوار کے لیے کھادوں کی اہمیت مسلّمہ ہے۔ حکومت کھادوں کی مناسب مقدار میں بروقت فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے جملہ وسائل بروئے کار لا رہی ہے تاکہ کھادوں کے مناسب استعمال سے پیداوار میں ہر ممکن اضافہ کیا جا سکے۔

11- زرعی اصلاحات

پاکستان کی زرعی شعبہ میں اصلاحات بھی زراعت کی ترقی میں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ اصلاحات 1959ء، 1972ء، 1977ء اور حالیہ برسوں میں کی گئی ہیں تاکہ فی کس زرعی آمدنی اور اراضی کی ملکیت میں توازن قائم کیا جائے، مزارع اور مالک کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم کیے جائیں اور زرعی پیداوار میں اضافہ کیا جا سکے۔

12- پختہ سڑکیں

سڑکوں کے ذریعے پیداواری علاقے کا منڈیوں تک رابطہ ہونا بہت ضروری ہے۔ حکومت پاکستان اس سلسلے میں نہ صرف پرانی سڑکوں کو پختہ بنا رہی ہے بلکہ بہت سی نئی سڑکیں بھی بنا رہی ہے تاکہ کسان اپنی اجناس منڈیوں تک آسانی سے پہنچا سکیں اور اچھے داموں فروخت کر سکیں۔

13- تعلیمی سہولتیں

کاشتکاروں کے بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے دیہات کی سطح پر تعلیمی سہولتوں کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جا رہا ہے تاکہ کاشت کاروں کے بچے زراعت کے جدید طریقوں کے بارے میں معلومات حاصل کر کے ملکی ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔

14- سیم وتھور پر قابو پانا

سیم وتھور کے ناسور پر قابو پانے کے لیے ملک بھر میں حکومت کی طرف سے متعدد پروگرام شروع کیے گئے ہیں تاکہ زیر کاشت رقبے میں اضافہ ہو سکے۔ ان پروگراموں سے نہ صرف زیر کاشت رقبہ بڑھا ہے بلکہ زرعی پیداوار بھی بڑھی ہے۔ اب تک کئی سکیمیں کامیابی سے پایہ تکمیل سے ہم کنار ہو چکی ہیں جن سے زیر کاشت رقبہ میں اضافہ ہوا ہے۔ مزید سکیموں پر کام ہو رہا ہے۔

15- منصوبہ بندی کی ضرورت

اگر بڑھتی ہوئی آبادی کی شرح مناسب حد تک کم ہو جائے تو ہم اپنی زرعی برآمدات میں مزید اضافہ کر سکتے ہیں۔ مناسب منصوبہ بندی کے ذریعے گھریلو صنعتوں اور ذیلی پیشوں کا معقول بندوست کیا جا سکتا ہے تاکہ کاشتکار اپنے فرصت اور بے کاری کے اوقات میں مصروف رہیں اور اپنی آمدنی میں اضافہ کر سکیں۔

16- سازگار موسم

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پاکستان کے موسم زرعی پیداوار کے لیے بہت سازگار اور مفید ہیں۔

پاکستان میں فصلوں کے دو بڑے موسم ہیں

(i) خریف یا موسم گرما کی فصلیں

خریف کی زیادہ تر فصلیں ماہ اپریل سے ماہ جون تک کاشت کی جاتی ہیں اور اکتوبر سے دسمبر تک کاٹی جاتی ہیں۔ کپاس کی کٹائی نہیں بلکہ چنائی کی جاتی ہے۔ اہم فصلیں گنا، چاول، کپاس، مکئی اور باجرہ وغیرہ ہیں۔

(ii) ربیع یا موسم سرما کی فصلیں

ربیع یا موسم سرما کی زیادہ فصلیں اکتوبر سے دسمبر تک کاشت کی جاتی ہیں اور اپریل سے جون تک کاٹی جاتی ہیں۔ گندم، چنا، جو، تمباکو، برسیم اور تیل دار اجناس ربیع کی اہم فصلیں ہیں۔

17-زرعی بنک کا قیام

حکومت نے زرعی ترقیاتی بنک قائم کیا ہے تا کہ کسانوں کو بہتر بیج، کھاد، زرعی مشینری اور آلات و اوزار وغیرہ کے لیے قلیل اور طویل مدت کے قرضے مہیا کیے جاسکیں۔ زرعی بنک کے علاوہ تمام تجارتی بنک اور کوآپریٹو بنک بھی قرضے کا اجرا کرتے ہیں تا کہ زراعت میں مزید ترقی ہو اور معیشت کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا جاسکے۔

صنعتی ترقی

کسی بھی ملک کی معاشی ترقی کے لیے اس ملک میں صنعت کا ہونا بہت ضروری سمجھا جاتا ہے۔ آج کے جدید دور میں پاکستان صرف زراعت پر دارو مدار نہیں رکھ سکتا کیونکہ زرعی پیداوار کافی حد تک موسموں کی مرہون منت ہے۔ زراعت ہمیں کھانے کی اشیا اور خام مال فراہم کرتی ہے جبکہ صنعت کم جگہ لے کر زیادہ لوگوں کو روزگار فراہم کرتی ہے۔ مختلف صنعتی اشیا اور صنعتی خام مال کو پیدا کر کے ہماری زیادہ سے زیادہ ضرورتیں پوری کرتی ہے اور نئی نئی چیزیں منڈی میں لاتی ہے۔

ہاتھ سے بنی ہوئی چیزیں دستی صنعت یا دستکاری کے زمرے میں آتی ہیں۔ دستکاری کی صنعت عموماً دیہاتی علاقوں یا چھوٹے چھوٹے قصبوں میں پائی جاتی ہے۔ اس صنعت میں لکڑی اور لوہے کا کام' سونے اور چاندی کا کام' ہاتھ سے بنے ہوئے قالینوں اور چٹائیوں کا کام' پتوں اور بید سے بنی ہوئی مختلف روزمرہ کی اشیا کا کام' پتھر اور مٹی کے برتنوں کا کام اور کپڑوں پر کشیدہ کاری کا کام ہوتا ہے۔

چھوٹی صنعت

پاکستان میں چھوٹی صنعت وہ ہوتی ہے جو دو سے نو مزدوروں کو ملازم رکھ کر بازار کے لیے مختلف اشیا بناتی ہے۔ ملک کے صنعتی شعبے میں سب سے زیادہ لوگ چھوٹے پیمانے کی صنعت سے منسلک ہیں۔ ہماری چھوٹی صنعت میں مرغی خانے، ڈیری فارم، شہد بنانے کی صنعت، قالین سازی، برتن بنانے کی صنعت، کھیلوں کا سامان بنانے کی صنعت، پنکھے اور بجلی کی موٹریں بنانے کی صنعت وغیرہ شامل ہیں۔

بھاری صنعت

بڑے پیمانے کی صنعت کو "بھاری صنعت" کہتے ہیں۔ اس صنعت میں پٹرولیم اور پٹرولیم کی اشیا پیدا کرنے کی صنعت، آٹو موبائل انڈسٹری، سیمنٹ، کھاد، جیپ کاریں، بسیں، ٹریکٹر، موٹر سائیکل، ہر قسم کی مشینری، ٹی وی سیٹ، ریفریجریٹر، ایئر کنڈیشنر، چینی، گھی اور کوکنگ آئل، سگریٹ، ٹیکسٹائل، چمڑے، کاغذ، کاسمیٹکس ٹائر اور ٹیوب وغیرہ کی صنعتیں شامل ہیں۔

دفاعی صنعت

اسلحہ اور اس سے متعلقہ دوسری عسکری چیزیں تیار کرنے والی صنعت "دفاعی صنعت" کہلاتی ہے۔ ٹیکسلا انجینئرنگ ورکس میں میزائل

وغیرہ تیار کیے جاتے ہیں جبکہ کہوٹہ ریسرچ لیبارٹریز ہمارے نیوکلیئر پروگرام پر کام کر رہی ہے۔ فوجی فاؤنڈیشن کے تحت ملک میں کچھ صنعتیں لگائی گئی ہیں جن میں فوج سے ریٹائرڈ لوگ کام کر رہے ہیں۔

ذرائع نقل وحمل

ملک کی صنعتی ترقی کا دارومدار ذرائع نقل وحمل پر بھی ہے۔ ذرائع نقل وحمل میں ٹرینیں، سڑکوں پر چلنے والی گاڑیاں فضاؤں میں اُڑنے والے ہوائی جہاز، سمندر میں چلنے والے بڑے بڑے جہاز اور لانچیں وغیرہ شامل ہیں۔

ذرائع مواصلات

آج کے جدید دور میں ذرائع مواصلات، ڈاک، ٹیلی گراف، ٹیلیکس، ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، ریڈیو، اخبارات و رسائل، انٹرنیٹ، ای۔میل اور ای۔کامرس وغیرہ صنعتی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

صنعتی ترقی کے لوازمات

1- ملکی مال بیچنے کے لیے قومی اور بین الاقوامی منڈیوں کا خوش اسلوبی سے جائزہ لینا
2- ملک کے اندر عاملین پیدائش کے وافر یا کم ہونے کا جائزہ لینا (یعنی ملک میں مزدور زیادہ ہیں یا سرمایہ۔ مثال کے طور پر پاکستان میں مزدوروں کی وافر مقدار ہے مگر سرمائے کی کمی ہے۔)
3- صنعتی منصوبے کے سائز اور نوعیت کا جائزہ
4- ملک میں صنعتی ترقی پر اثر انداز ہونے والے عوامل کا جائزہ لینا (جیسے کہ ملک میں روزگار مہیا کرنے کے مواقع کا جائزہ)
5- ملک میں مہارت یافتہ افراد کا جائزہ اور دوسرے ممالک کے لوگوں میں پائی جانے والی مہارتوں کا جائزہ
6- ملک میں قومی آمدنی کی پیداوار کی نوعیت کا جائزہ
7- ملک کا بیرونی ممالک کے ساتھ توازنِ ادائیگی کی نوعیت کا جائزہ
8- ملک کی برآمدات کی نوعیت کا جائزہ لینا

پاکستان میں صنعتی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹیں

1- بیرونی قرضوں کی ادائیگی کے لیے ہر سال سالانہ بجٹ میں ایک کثیر رقم کا مختص کرنا
2- خسارے کا سالانہ بجٹ پیش کرنا
3- پاکستان کے توازنِ ادائیگی میں خسارہ
4- سرمائے کی قلت
5- جدید ٹیکنالوجی کی قلت
6- صنعتی ترقی کا کم ہونا اور زراعت پر انحصار زیادہ ہونا

7- ملکی آبادی کا تیزی سے بڑھنا

8- سیاسی عدم استحکام

9- سرحدوں پر ملکی افواج کے ہر وقت حالت جنگ میں رہنے کی وجہ سے فوجی اخراجات کا بڑھ جانا

10- انتظامی امور میں بدنظمی اور بدعنوانی

11- ملک میں چور بازاری، سرد بازاری اور ٹیکس ادا نہ کرنے کا عام رجحان ہونا

12- ناساعد ملکی حالات کی وجہ سے بیرونی سرمایہ کاری میں کمی

13- دہشت گردی کی لعنت

14- دنیا کی منڈیوں میں رونما ہونے والی سرد بازاری کا ملکی صنعت پر اثر انداز ہونا

15- لوڈ شیڈنگ کا مسئلہ

16- ذرائع نقل و حمل کی کمی

17- توانائی کے ذرائع کا مہنگا ہونا

18- مختلف حکومتوں کی متضاد صنعتی پالیسیوں کا ہونا

19- مطلوبہ فنی معیار نہ ہونے کی وجہ سے مزدوروں کی پیداواری صلاحیت کا کم ہونا

20- تعلیم کے مطلوبہ معیار کا فقدان

21- بہت سارے علاقوں میں بجلی کا نہ ہونا

22- پیداوار کی کھپت کے لیے منڈیوں کا وسیع نہ ہونا

23- تیزی سے بدلتے ہوئے عالمی حالات

پاکستان کی صنعتی ترقی بڑھانے کے لیے اقدامات

1- پیداواری لاگت کو کم کیا جائے۔

2- ذرائع نقل و حمل کا بہتر استعمال کیا جائے۔

3- زراعت کو ترقی دی جائے۔

4- قدرتی وسائل کا اچھے طریقے سے استعمال کیا جائے۔

5- زرعی پیداوار کی بہتر کھپت کے لیے نئی منڈیاں تلاش کی جائیں۔

6- صنعتی اشیا کو عالمی معیار کے مطابق بنایا جائے۔

7- بینکاری کے نظام کو مزید بہتر بنایا جائے۔

8- ٹیکنالوجی کی قلت کو دور کیا جائے۔

9- توانائی کے وسائل سستے کیے جائیں۔

10- ملکی حالات میں استحکام لایا جائے اور جتنی جلد ہی ہوسکے دہشت گردی کی لعنت سے چھٹکارہ حاصل کیا جائے۔

11- آبادی کو تیزی سے بڑھنے سے روکا جائے۔

12- ادائیگیوں کا توازن درست کیا جائے۔

13- ہنر مند افرادی قوت میں اضافہ کیا جائے۔

14- حکومتوں کی پالیسیوں میں تسلسل قائم کیا جائے۔

15- ملک میں معیار تعلیم کو بہتر بنایا جائے اور اور سالانہ بجٹ میں تعلیم کے لیے زیادہ رقم مختص کی جائے۔

تجارت اور کامرس

ملک کی برآمدات زرعی اور صنعتی اشیا پر مشتمل ہیں۔اس سے ہمیں قیمتی زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے۔

پاکستان کی بڑی برآمدات

پاکستان بین الاقوامی دنیا میں سوتی دھاگہ، سوتی کپڑا، بنے ہوئے کپڑے، ریڈی میڈ گارمنٹس، بستر کی چادریں، ٹیکسٹائل، چاول، چمڑے کا سامان، قالین، کھیلوں کا سامان، پٹرولیم کی اشیا، آلات جراحی (سرجیکل انسٹرومنٹ)، مچھلی اور مچھلی کا تیل برآمد کرتا ہے۔ یہ اشیا امریکہ، یورپ، جاپان، ہانگ کانگ، دبئی، سعودی عرب اور دیگر ایشیائی اور افریقہ کے ممالک کو برآمد کی جاتی ہیں۔

پاکستان کی بڑی درآمدات

پاکستان کی درآمدات میں ہر قسم کی مشینری، ٹرانسپورٹ کا سامان، کھادیں، کیمیکلز، رنگ، ادویات، لوہا اور لوہے کا سامان، صنعتی خام مال، چائے، سٹیشنری، کھانے کا تیل، نقل وحمل کا سامان اور دفاعی سامان وغیرہ شامل ہیں۔ پاکستان یہ چیزیں زیادہ تر چین، جاپان، امریکہ، کویت، سعودی عرب اور ملائشیا کے علاوہ دیگر کئی ایک ایشیائی، یورپ اور افریقہ کے ممالک سے بھی منگواتا ہے۔

قدرتی وسائل

پاکستان ایک وسیع وعریض ملک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو ہر طرح کے وسائل سے نوازا ہے۔ پاکستان میں قدرتی وسائل زرخیز زمین، محنتی افرادی قوت، دنیا کا طویل اور منظم نہری نظام آبپاشی، فلک بوس پہاڑ، گلیشیر، سمندر، صحرا، جنگلات، میدان، معدنی اور حیوانی وسائل وغیرہ کی صورت میں موجود ہیں۔ ہمارا ملک قدرتی وسائل کی دولت سے مالا مال ہے۔

قدرتی وسائل کسی بھی ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لیے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان وسائل سے مکمل طور پر فائدہ اٹھایا جائے تاکہ ملکی معیشت ترقی کے راستے پر گامزن ہوسکے، کسی ملک اور قوم کی ترقی کا دارومدار اس امر پر ہے کہ وہاں کے لوگ ملکی وسائل سے کس حد تک فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

پاکستان کی آبادی میں اگرچہ بڑی تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے لیکن یہ بات بھی بڑی خوش آئند ہے کہ لوگ محنت اور خلوص نیت کے ساتھ ملکی ترقی میں حصہ لے رہے ہیں۔ ہمیں اس حقیقت کا ادراک کرنا ہوگا کہ حالیہ برسوں میں دنیا کی بعض اقوام نے اپنی محنت سے اپنے ملک کو دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ ملکی ترقی اور خوشحالی کے لیے ہمیں چاہیے کہ پاکستان کے قدرتی وسائل اور افرادی قوت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں تا کہ پاکستان کا ہر شعبہ زندگی معیشت میں اہم کردار ادا کر سکے۔

قدرتی ذرائع کا تحفظ

1- پاکستان کی آبادی بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اس آبادی کا بیشتر حصہ غریب ہے اور دیہی علاقوں میں رہتا ہے جہاں ناخواندگی کی شرح زیادہ ہے۔ یہ لوگ عموماً اُس زمین کے حصوں پر رہتے ہیں جس کی پیداواری صلاحیت کم ہوتی ہے۔ ان کے کاشت کرنے کے طریقے پرانے اور فرسودہ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اور ان کے مویشی اپنے ایندھن اور چارے کے لیے آس پاس کے درختوں اور پودوں کو تباہ کرتے رہتے ہیں جس سے قدرتی ذرائع (زمین اور جنگلات) ضائع ہوتے رہتے ہیں۔ پاکستان کے شہروں میں شور، ماحولیاتی آلودگی اور آب و ہوا میں گندگی پھیل رہی ہے جس سے نہ صرف بیماریاں پھیلتی ہیں بلکہ قدرتی ذرائع بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔

2- پاکستان میں پانی کے وافر ذرائع ہیں لیکن سٹوریج کی ناکافی سہولیات کی بنا پر ہر سال کافی پانی سمندر کی نذر ہو جاتا ہے پانی کی ایک کثیر مقدار نظام آبپاشی اور ناہموار کھیتوں میں بھی ضائع ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کیمیائی کھادوں کی آلودگی اور شہروں کی گندگی بھی دریاؤں میں جاتی رہتی ہے جس سے ہمارے دریاؤں کے پانی آلودہ ہو رہے ہیں۔ دریاؤں کی آلودگی سے پانی کے جانور اور مچھلیاں مر جاتی ہیں۔ ملک کے قریباً 60 فیصد لوگوں کو پینے کا صاف پانی مہیا نہیں ہے۔ آبی آلودگی اور نہری پانی کی کمی سے زرعی پیداوار متاثر ہوتی رہتی ہے۔

3- صنعتوں اور کاروباری ضروریات کے لیے جنگلات کا بے تحاشا کٹاؤ ہو رہا ہے۔ اس سے ملکی جنگلات کم سے کم تر ہوتے جا رہے ہیں اندیشہ کہ ملک میں آنے والے وقتوں میں جنگلات کافی حد تک کم ہو جائیں گے جس کی وجہ سے ہوا اور پانی کی آلودگی میں اضافہ ہو جائے گا۔ گرمی کی مدت میں اضافہ اور موسم کے طویل ہونے سے ہر جاندار کے لیے زندگی اجیرن ہو جائے گی۔

4- صنعتیں لگانے، سڑکیں بنانے اور ڈیم وغیرہ تعمیر کرنے سے بہت سا زرخیز رقبہ اس کی نذر ہو جاتا ہے جو انسانی آبادی کے لیے خطرے کا الارم ہے۔

5- کیڑے مکوڑوں کے خاتمہ کے لیے ایسی دوائیاں استعمال کرنی چاہیں جو دشمن کیڑوں کا خاتمہ تو کریں لیکن انسان دوست اور فصلوں کے لیے فائدہ مند حشرات کو نقصان نہ پہنچائیں۔

6- پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار معدنی ذرائع سے نوازا ہے ان معدنیات میں خام لوہا، کرومائیٹ، تانبا، معدنی نمک، چونے کا پتھر، جپسم، سنگ مرمر، چینی اور آتشی مٹی، کوئلہ، قدرتی گیس اور خام تیل وغیرہ شامل ہیں۔ صنعتوں کو توانائی دینے کے لیے کوئلہ، خام تیل اور قدرتی گیس استعمال ہوتی ہے۔ ڈر ہے کہ صنعتوں میں ان کے بے تحاشا استعمال سے ان کے ذخائر کمیاب نہ ہو جائیں، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کے لیے مناسب منصوبہ بندی کی جائے۔

7- سائنس کی ترقی سے جہاں انسان آرام طلب ہو گیا ہے وہیں اس کی توجہ قدرتی ذرائع کی حفاظت سے بھی ہٹتی جا رہی ہے۔

تعلیم

تعلیم اور معاشرتی و معاشی ترقی باہمی طور پر لازم و ملزوم ہیں۔ معاشی و معاشرتی حوالے سے آگے بڑھنے کے لیے تعلیمی شعبہ میں سرمایہ کاری بھی اہمیت کی حامل ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کے تجربات ظاہر کرتے ہیں کہ ملکی آمدنی میں اضافہ تعلیمی شعبہ کی ترقی سے مربوط ہے۔ پاکستان میں اگرچہ ایک طویل عرصے تک اس شعبے پر کماحقہٗ توجہ نہ دی گئی لیکن اب تعلیم کے فروغ کے لیے بہتر منصوبہ بندی کی جارہی ہے۔ پاکستان میں 1951ء کی مردم شماری کے مطابق خواندگی کی شرح 16 فیصد 1998ء کی مردم شماری میں 45 فیصد اور موجودہ شرح خواندگی قریباً 58 فیصد ہے جو چند دیگر ترقی پذیر ملکوں کے مقابلے میں ابھی بھی کم ہے۔ معاشی ترقی میں افزائش کے لیے ضروری ہے کہ شرح خواندگی زیادہ ہو۔

حکومت نے تعلیمی مسائل کو بڑی سنجیدگی سے لے رہی ہے اور ''تعلیم سب کے لیے'' (Education for All) کے مشن کو سامنے رکھتے ہوئے ابتدائی تعلیم کو بہت اہمیت دی جارہی ہے۔ تاکہ تعلیمی ترقی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے۔

حکومت تعلیم کے میدان میں مختلف تعلیمی اصلاحات کے ذریعے کوشاں ہے تاکہ ہمارا قومی تعلیمی گراف اوپر چلا جائے اور ہم بھی ترقی یافتہ ممالک کے صف بہ صف کھڑے ہو سکیں۔ اس ضمن میں اہم اقدامات درج ذیل ہیں۔

1- اعلیٰ تعلیم کے فروغ کے لیے ہائیر ایجوکیشن کمیشن کا قیام
2- سرکاری اور نجی شعبے کی شراکت عمل میں لانا
3- پرائمری سطح پر لازمی اور مفت تعلیم مہیا کرنا
4- پرائمری، مڈل اور ہائی سکولوں کی سطح پر درسی کتب کی مفت فراہمی کو یقینی بنانا
5- نصاب کی سائنسی بنیادوں اور مستقبل کی ضروریات کے پیش نظر تشکیل نو کرنا
6- ٹیکنیکل، ووکیشنل اور سائنسی تعلیم کے فروغ کے لیے سرکاری اور نجی شعبے سے تعاون اور بھرپور حوصلہ افزائی کرنا
7- سماجی اور معاشی ترقی کے لیے تعلیم کے معیار میں بہتری لانا
8- خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ مرکوز کرنا
9- طلبہ کو ابتدائی تعلیم کے لیے وظائف فراہم کرنا
10- تعلیم کے شعبے میں صنفی توازن کے حوالے سے کوششیں کرنا
11- خواتین کے تعلیمی اداروں پر خصوصی توجہ دینا
12- اعلیٰ تعلیم کے لیے سرکاری اور نجی سطح پر زیادہ سے زیادہ یونیورسٹیوں کا قیام عمل میں لانا
13- انفارمیشن ٹیکنالوجی کے میدان میں انقلابی کاوشیں کرنا
14- قومی اور صوبائی سطحوں پر تعلیمی مسائل کے حل کے لیے ایجوکیشن فاؤنڈیشن کا قیام عمل میں لانا

تمام تعلیمی منصوبوں میں تعلیم کے میرٹ اور معیار تعلیم کو بہتر بنانے کی بلاشبہ کوششیں جاری ہیں لیکن ابھی بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیمی شعبہ کے لیے قومی آمدنی کا زیادہ سے زیادہ حصہ مختص کیا جائے۔

صحت

صحت اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ہے کہ جس کے بغیر انسان اپنی زندگی سے بجا طور پر لطف اندوز نہیں ہوسکتا۔ مسلمہ کہاوت ہے کہ صحت مند جسم میں صحت مند دماغ ہوتا ہے۔ پاکستان میں شہریوں کی صحت کا معیار اور درازی عمر ترقی یافتہ ممالک کے شہریوں سے بہت کم ہے۔ لوگوں کو ناکافی اور ناخالص غذا ملتی ہے۔ طبی سہولتیں تمام شہریوں کو میسر نہیں۔ ملک میں معاشی بدحالی، ماحولیاتی آلودگی، غیر معیاری اور ناخالص غذا، صفائی کا فقدان اور طبی سہولتوں کی کمی اور غیر مساویانہ وسائل کا تقسیم صحت کے معیار کی کمی کے اہم اسباب ہیں۔ پاکستان میں صحت کے شعبہ کا بجٹ دنیا کے ترقی یافتہ اور بہت سے ترقی پذیر ممالک کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ ملک میں آبادی کے تناسب کے لحاظ سے ڈاکٹروں اور معاون میڈیکل سٹاف کی کمی ہے۔ ملک میں بہت سے علاقے ایسے بھی ہیں جہاں بنیادی طبی سہولتیں موجود ہی نہیں۔

حکومت ملک میں ''صحت سب کے لیے'' (Health for All) کے مشن کو سامنے رکھ کر صحت کی بہتر سہولتوں کی فراہمی کے لیے کوشاں ہے۔ حکومت نے اس سلسلہ میں درج اقدامات کیے ہیں:

1- دیہی آبادی کے لیے دور دراز علاقوں میں بنیادی ہیلتھ سنٹرز کا قیام

2- زچہ و بچہ کی بہبود کے زیادہ سے زیادہ مراکز کا قیام

4- طبی سہولتوں کی فراہمی کے لیے سرکاری اداروں اور این۔ جی۔ اوز۔ کے تعاون پر مبنی کاوشیں

5- چیچک، ملیریا، تپدق، ہیضہ، ایڈز اور دیگر متعدی امراض کی روک تھام کے لیے اقوام متحدہ کی ایجنسیوں اور دیگر بین الاقوامی اداروں کی معاونت سے مختلف منصوبوں کا آغاز

6- صحت عامہ کی بہتری کے لیے قومی وصوبائی سطحوں پر صحت کی جامع پالیسیوں کا آغاز

7- عام لوگوں کی صحت بہتر بنانے کے لیے گندے پانی کی نکاسی، صاف پینے کی فراہمی، ماحول کو آلودگی سے پاک کرنے، بیماریوں کی روک تھام اور ادویات کی مناسب قیمتوں پر فراہمی کے مختلف پراجیکٹس کا آغاز۔

اگرچہ حکومت عوام کی بہتر سہولتوں کی فراہمی کے مشن پر گامزن ہے لیکن ابھی بھی بہت سے مزید اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں بنیادی بات یہ ہے کہ غربت کا خاتمہ کر کے عوام کا معیار زندگی بلند کیا جائے معاشی ترقی میں اضافہ قدرت نے ہمارے ملک کو جو بے بہا وسائل سے نوازا ہے ان سے موثر منصوبہ بندی کے تحت پورا استفادہ کیا جائے۔ ذرائع نشر و اشاعت کو عوام میں صحت عامہ کا شعور بیدار کرنے کے لیے استعمال میں لایا جائے۔ غیر معیاری و ناخالص غذاؤں اور جعلی ادویات کی فراہمی کو روکنے کے لیے مزید بہتر قانون سازی کی جائے اور سخت اقدامات اٹھائے جائیں۔ ماحولیاتی آلودگی اور طبی سہولتوں کی غیر مساویانہ تقسیم پر قابو پایا جائے۔ صرف اسی صورت میں 'صحت سب کے لیے' (Health for All) کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے۔

انفارمیشن ٹیکنالوجی

انفارمیشن ٹیکنالوجی کا مطلب ہے کہ جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کے ذریعے معلومات کو حاصل کرنا' دوسروں تک پہنچانا' ان کا استعمال کرنا، ان پر سوچنا اور ایک نئے طریقے سے لوگوں کے سامنے رکھنا تاکہ زیادہ سے زیادہ معلومات لوگوں تک پہنچ سکیں۔

اس ٹیکنالوجی کو فروغ دینے کے لیے ریڈیو، ٹیلی ویژن، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، ٹیلی کمیونیکیشن کا نظام اور مواصلاتی سیاروں کا نظام وغیرہ آپس

میں مل کر ہماری عام زندگی میں اس طرح آ گئے ہیں کہ ہم دنیا کی معلومات اپنے تک اور اپنی معلومات دنیا میں بیٹھے ہوئے لوگوں تک چند منٹوں میں سستے طریقے سے پہنچا سکتے ہیں۔

انفارمیشن ٹیکنالوجی کے فروغ سے کمپیوٹر ٹیکنالوجی میں ترقی' ٹیلی کمیونیکیشن کی ٹیکنالوجی میں ترقی اور بجلی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے ذرائع کی ترقی ہوئی۔

پاکستان میں کمپیوٹر ٹیکنالوجی کے میدان میں پچھلے چند سالوں میں خاصی موثر کوششیں کی گئی ہیں اور بے حد پیش رفت ہوئی ہے۔ ٹیلی ویژن' کمپیوٹر اور موبائل فون کی ایجادات نے ہماری زندگیوں کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ 3g اور 4g ٹیکنالوجی کے باعث فاصلے مزید سکڑ گئے ہیں۔ اب دنیا ایک گلوبل ویلیج بن گئی ہے۔

انفارمیشن ٹیکنالوجی ہماری زندگی کا ایک اہم حصہ ہے۔ دنیا بھر کے معاشی شعبوں میں کمپیوٹر ٹیکنالوجی کا استعمال ایک بنیادی ضرورت بن گیا ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی بدولت ای۔ کامرس دنیا میں کاروبار کرنے کا نیا طریقہ متعارف ہوا ہے۔ مختلف صنعتیں اپنی پرانی اور نئی اشیا کے اشتہارات انٹرنیٹ پر دیتے ہیں اور قیمتیں لکھ دیتے ہیں۔ ہر شخص اپنے گھر یا کاروباری دفتر میں بیٹھے ہوئے انٹرنیٹ کے ذریعے ان کمپنیوں اور صنعتوں کی اشیا کی تصویریں اور قیمتیں دیکھ سکتا ہے اور ان کے بارے میں کمپنی سے براہ راست معلومات لے سکتا ہے۔

کریڈٹ کارڈ اور ڈیبٹ کارڈ رکھنے والے لوگ اپنے انٹرنیٹ کنکشن کے ذریعے فیکٹری سے اصل قیمت پر یہ اشیا خرید سکتے ہیں اور کوریئر سروس کے ذریعے بہت مختصر وقت میں منگوا سکتے ہیں۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کا استعمال زندگی کے ہر شعبے میں عام ہو رہا ہے۔

پاکستان کی معاشی منصوبہ بندی

پہلا پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ (1960-1955ء)

1955ء میں پاکستان میں پہلی مرتبہ جامع معاشی منصوبہ بندی کا آغاز کیا گیا۔ پہلا پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ تیار کیا گیا جس نے معاشی ترقی کے لیے ایک جامع اور مربوط پروگرام پیش کیا۔ اس منصوبے کے بنیادی مقاصد اور ان کے اہداف کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

(i) قومی آمدنی میں پندرہ فیصد اضافہ کرنا

(ii) فی کس آمدنی میں سات فیصد اضافہ کرنا

(iii) بیس لاکھ نئے افراد کے لیے روزگار مہیا کرنا

(iv) برآمدات میں پندرہ فیصد اضافہ کرنا

(v) منصوبے کے اختتام تک ادائیگیوں کے توازن میں بیس کروڑ روپے کی بچت کرنا

(vi) اناج کی پیداوار میں 9 فیصد اضافہ کرنا

(vii) نقد آور فصلوں کی پیداوار میں اضافہ کرنا۔ چند ایک کی تفصیل یوں ہے۔ گنے میں 33 فیصد، کپاس میں 21 فیصد، پٹ سن میں 15 فیصد اضافہ

(viii) دیہی زرعی و صنعتی ترقیاتی پروگرام کو دیہی آبادی کے ایک چوتھائی پر وسعت دینا تاکہ دیہی علاقوں میں زرعی و صنعتی پیداوار کے طریقوں کو بہتر بنایا جائے

(ix) صنعتی پیداوار میں ساٹھ فیصد اضافہ کرنا۔ صنعتوں میں سے ہوزری، چینی، کھاد، سیمنٹ اور قدرتی گیس کو اہمیت دینا

(x) 16 لاکھ ایکٹر اراضی کو آبپاشی کی بہتر سہولتیں فراہم کرنا

(xi) بجلی کی پیدواری استعداد میں تین گنا اضافہ کرنا

(xii) پرائمری سکولوں میں 10 لاکھ اور ثانوی سکولوں میں قریباً ڈیڑھ لاکھ نئے بچوں کی تعلیم میں اضافہ کرنا اور کم از کم اسی قدر تعداد میں نئے بچوں کو تعلیم کی ترغیب دینا

(xiii) نجی بچتوں میں پانچ فیصد سے سات فیصد تک اضافہ کرنا

(xiv) اڑھائی لاکھ نئے مکانات تعمیر کرنا

درج بالا مقاصد اور ہدف کو حاصل کرنے کی غرض سے دس ارب اسی کروڑ روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ اس میں سے ساڑھے سات ارب سرکاری شعبہ جات کے لیے اور تین ارب تیس کروڑ روپے نجی شعبے کے لیے مختص کیے گئے تھے۔

مقاصد کے اعتبار سے یہ منصوبہ نہایت اچھا تھا لیکن بوجوہ اس کے ہدف پورے طور پر حاصل نہ ہو سکے۔ سب سے بڑی وجہ تو یہ تھی کہ اس منصوبے پر عمل درآمد 1955ء کی بجائے 1957ء سے ہوا۔ دیگر وجوہات میں سے ایک اہم وجہ یہ ہوئی کہ اسی عرصے میں حکومت نے روپے کی بیرونی قدر کم کر دی جس سے منصوبے میں لگائے گئے تخمینے کسی حد تک ناقص ہو گئے۔ موسمی حالات کی خرابی اور سیم وتھور کی بنا پر زمین کی تباہی دیگر اہم وجوہات میں شامل ہیں۔

منصوبے کا جائزہ لینے سے درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

(i) قومی آمدنی میں 15 فیصد کی بجائے صرف 11 فیصد اضافہ ہوا۔

(ii) فی کس آمدنی 7 فیصد کی بجائے صرف 3 فیصد بڑھ سکی۔ اس سلسلے میں یہ نوٹ کرنا بھی ضروری ہے کہ آبادی میں اضافے کی شرح قریباً 1.6 فیصد سالانہ رہی۔

(iii) پانچ سال کے عرصے کے دوران جتنے افراد کام کرنے کے اہل ہوئے، ان میں سے پچاس فیصد سے بھی کم کو روزگار مہیا کیا جا سکا۔

(iv) زرمبادلہ کمانے کے ہدف کو بھی حاصل نہ کیا جا سکا کیونکہ اس عرصے کے دوران برآمدات کو نہ بڑھایا جا سکا، بلکہ اس کے برعکس درآمدات کی مقدار میں اضافہ ہو گیا، یہی وجہ ہے کہ توازن ادائیگی خاصا خراب ہو گیا، یہاں تک کہ پہلے چار سالوں کے دوران توازن ادائیگی میں 24 کروڑ روپے کا خسارہ واقع ہو گیا۔

(v) اناج کی پیداوار میں نو فیصد اضافے کی بجائے صرف چار فیصد اضافہ ہو سکا۔

(vi) موسمی حالات کی خرابی اور بعض دیگر وجوہات کی بنا پر دیگر فصلوں کا پیداواری ہدف بھی حاصل نہ کیا جا سکا۔

(vii) اندرون ملک بچتوں کا جو ہدف مقرر کیا گیا تھا، وہ بھی پورا نہ ہو سکا۔ ملکی بچتوں کی شرح منفی 21 فیصد تک کم ہو گئی۔

(viii) صنعتی میدان میں البتہ کئی صنعتیں قائم ہوئیں مثلاً کاغذ (نیوز پرنٹ) گتہ، کھاد، کیمیائی اشیا سے متعلق صنعتیں وغیرہ۔

درج بالا اعداد وشمار سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پہلا پانچ سالہ منصوبہ بیشتر میدانوں میں ناکام رہا۔ اس کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے تجربات کی بدولت نئی سوچ اور انداز فکر نے جنم لیا جس سے آئندہ کے ترقیاتی منصوبہ جات کو بہتر انداز سے تشکیل دینے میں خاصی مدد ملی۔

دوسرا پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ (1965-1960ء)

دوسرا پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ پہلے منصوبہ کی مدت اختتام پر اپنایا گیا۔ اس منصوبے کے بڑے بڑے مقاصد اور ان کے اہداف درج ذیل تھے:

(i) قومی آمدنی میں 24 فیصد اضافہ کرنا

(ii) فی کس آمدنی میں 10 فیصد اضافہ کرنا

(iii) 25 لاکھ نئے افراد کو روزگار کے مواقع فراہم کرنا

(iv) زرعی پیداوار میں چودہ فیصد اضافہ کرنا

(v) بڑی اور اوسط درجے کی صنعتوں کی پیداواری صلاحیت میں 14 فیصد تک اضافہ کرنا

(vi) گھریلو اور چھوٹی صنعتوں کی پیداوار کو 25 فیصد تک بڑھانا

(vii) برآمدات میں سالانہ تین فیصد اضافہ کرنا

دوسرے پانچ سالہ منصوبے کے مقاصد اور ہدف کو پورا کرنے کے لیے 23 ارب روپے کا تخمینہ لگایا گیا تھا۔ اس رقم میں سے بارہ ارب چالیس کروڑ روپے سرکاری شعبے، تین ارب اسی کروڑ روپے نیم سرکاری شعبے اور چھے ارب اسی کروڑ روپے نجی شعبے میں خرچ کرنے کا اندازہ لگایا گیا تھا۔

باوجود اس بات کے کہ دوسرے ترقیاتی منصوبے میں بھاری صنعت کے قیام اور اس ترقی کو اس کا صحیح مقام نہیں دیا گیا تھا نیز اس منصوبے کے لیے غیر ملکی سرمائے اور امداد پر انحصار کیا جانا تھا، اس منصوبے کے تحت ملک کی معاشی ترقی کی رفتار خاصی تسلی بخش رہی۔ بعض شعبوں میں تو ترقی اس حد سے بھی زیادہ ہوئی جو منصوبہ بناتے وقت قائم کی گئی تھی۔

منصوبے کا جائزہ لینے سے مندرجہ ذیل نکات توجہ کا مرکز بنتے ہیں:

(i) قومی آمدنی میں اضافہ 30 فیصد سے بھی بڑھ گیا۔

(ii) برآمدات میں سات فیصد سالانہ کے حساب سے اضافہ ہوا۔

(iii) صنعتی شعبہ میں 40 فیصد سے زیادہ ترقی ہوئی۔

(iv) زرعی شعبے میں ترقی 15 فیصد سے زیادہ ہوئی۔

(v) روزگار کے مواقع متوقع حد تک نہ بڑھائے جا سکے، اس طرح اس شعبے کی ترقی کی رفتار غیر معیاری رہی۔

درج بالا جائزے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دوسرا پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ خاصی کامیابی سے ہم کنار ہوا، بلکہ کئی شعبوں میں تو ترقی مقررہ ہدف سے بھی بڑھ گئی۔ پاکستان کی معاشی منصوبہ بندی میں دوسرے پانچ سالہ منصوبے کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس منصوبے کی تشکیل میں پہلے منصوبے کی خامیوں کو دور کیا گیا اور ملکی وسائل کا جائزہ لینے میں خاصی احتیاط سے کام لیا گیا۔ اس منصوبے کی کامیابی سے مزید حوصلہ افزائی ہوئی جو مستقبل کی منصوبہ بندی میں ممد و معاون ثابت ہوئی۔

تیسرا پانچ سالہ منصوبہ (1965-1970ء)

دوسرے پانچ سالہ منصوبہ کی کامیابی کے بعد تیسرا پانچ سالہ منصوبہ تیار کیا گیا۔ یہ منصوبہ ایک بیس سالہ تناظری منصوبے کا ابتدائی مرحلہ تھا جسے طویل المیعاد تناظری منصوبے (1965ء تا 1985ء) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بیس سالہ تناظری منصوبہ چار پانچ سالہ ترقیاتی منصوبوں پر مشتمل دیا گیا۔ اس تناظری منصوبے کے اہم اہداف میں قومی آمدنی میں چار گنا اضافہ کرنا، تمام افرادی قوت کو 1985ء تک روزگار فراہم کرنا، غیر ملکی امداد پر انحصار ختم کرنا نیز ملک کے مختلف حصوں میں فی کس آمدنی کے تفاوت کو ختم کرنا وغیرہ شامل تھے۔

تیسرے منصوبے کے بڑے بڑے مقاصد اور ان کے اہداف درج ذیل تھے:

(i) ملکی ترقی کی رفتار کو تیز کرنا اور قومی پیداوار میں 37 فیصد اضافہ کرنا

(ii) فی کس آمدنی میں 20 فیصد اضافہ کرنا

(iii) 55 لاکھ افراد کو روزگار فراہم کرنا

(iv) زرعی ترقی کی رفتار کو تیز کرنا اور اس میں 5 فیصد سالانہ اضافہ کرنا

(v) صنعتی ترقی کی شرح 13 فیصد سالانہ تک بڑھانا

(vi) علاقائی تفاوت کو ختم کرنا

(vii) بنیادی صنعتوں کے قیام کو ترجیح دینا

(viii) زرمبادلہ میں اضافہ کر کے ادائیگیوں کے توازن میں استحکام پیدا کرنا

(ix) بنیادی سہولتوں میں اضافے کی سعی کرنا

(x) معاشرتی تحفظ مہیا کرنا

ان مقاصد کے حصول کے لیے کل 52 ارب روپے مختص کیے گئے تھے۔ ان میں سے 30 ارب سرکاری شعبہ جات کے لیے اور 22 ارب نجی شعبے کے لیے وقف تھے۔

درج بالا مقاصد و کوائف سے ظاہر ہوتا ہے کہ تیسرا پانچ سالہ منصوبہ بہت سی خوبیوں کا حامل تھا مگر اس کی ترقی کا جائزہ لینے کے بعد جو تصویر سامنے آتی ہے، اس کا خاکہ کچھ یوں ہے:

(i) زرعی ترقی کی رفتار متوقع رفتار سے کم رہی یعنی صرف 4.5 فیصد سالانہ ترقی ہو سکی۔

(ii) برآمدات میں 9.5 فیصد اضافے کی توقع تھی مگر اس کے مقابلے میں یہ اضافہ صرف 7 فیصد ہوا۔

(iii) صنعتی میدان میں ترقی صرف 9 فیصد ہو سکی حالانکہ یہ ہدف 13 فیصد کا تھا۔

(iv) سرمایہ کاری کی شرح میں تقریباً 4 فیصد کمی ہوگئی۔

مختصراً تیسرا پانچ سالہ منصوبہ پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکا اور بیشتر شعبوں میں مقرر کردہ ہدف تک نہ پہنچا جا سکا۔ دراصل ناسازگار حالات نے ابتدا ہی سے تیسرے منصوبے کو گھیر لیا۔ ابتدائی دو سالوں میں زبردست خشک سالی کا سامنا کرنا پڑا جس سے فصلیں بری طرح متاثر ہوئیں اور زرعی پیداوار میں کمی آئی۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کی وجہ سے دفاعی اخراجات بڑھ گئے جس کی وجہ سے ترقیاتی

اخراجات کے لیے مجوزہ وسائل میں کمی پیدا ہوگئی۔ غیر ملکی امداد میں بھی 27 فیصد کمی کا سامنا کرنا پڑا۔ زرعی ترقی کی رفتار کو تیز نہ کیا جاسکا۔ اندرون ملک حالات ہنگاموں کی نذر ہوگئے جس سے صنعتی پیداوار پر برا اثر پڑا۔ مختصراً تیسرے پانچ سالہ منصوبے کو مجوزہ حقیقی وسائل وسازگار حالات میسر نہ آسکے جو معاشی ترقی کے پروگرام کے لیے درکار تھے۔

چوتھا پانچ سالہ منصوبہ (1975-1970ء)

چوتھا پانچ سالہ منصوبہ (1970ء تا 1975ء) بیس سالہ تناظری منصوبے (1965ء تا 1985ء) کا دوسرا مرحلہ تھا۔ اس منصوبے کے اہم بنیادی اغراض ومقاصد اور ہدف درج ذیل تھے:

(i) معاشی ترقی کی رفتار کو برقرار رکھنا یعنی قومی پیداوار میں 6.5 فیصد شرح سالانہ سے اضافہ کرنا

(ii) 75 لاکھ نئے افراد کے لیے روزگار کے مواقع پیدا کرنا

(iii) ملک کے مختلف حصوں کے مابین فی کس آمدنی کے فرق کو کم کرنا

(iv) غذائی اجناس کی پیداوار میں 85 لاکھ ٹن کا اضافہ کرنا

(v) سماجی انصاف قائم کرنا یعنی قابل عمل پالیسیوں کی مدد سے معاشی ترقی اور سماجی انصاف میں ہم آہنگی پیدا کرنا

(vi) برآمدات میں ساڑھے آٹھ فیصد سالانہ اضافہ کرنا

ان مقاصد واہداف کے حصول کے لیے 75 ارب روپے مختص کیے گئے تھے ان میں سے 49 ارب سرکاری شعبہ جات کے لیے اور 26 ارب نجی شعبوں کے لیے رکھے گئے تھے۔

پاک بھارت تنازعے ودیگر اندرون ملک ناسازگار حالات کی وجہ سے چوتھے پانچ سالہ منصوبے پر عمل درآمد نہ ہوسکا اور اس منصوبے کو بالآخر منسوخ کرنا پڑا۔

ملک میں معاشی وسیاسی حالات کے ناسازگار ہونے کی وجہ سے 1971ء تا 1978ء کے دوران میں سال بہ سال قلیل المیعاد منصوبہ بندی ہی کی جاسکی۔ ماہرین کی رائے میں اوسط المیعاد منصوبہ بندی اندرون ملک عدم استحکام کی وجہ سے مشکل ہوجاتی ہے۔ قلیل المیعاد منصوبہ بندی کے ذریعہ سے طویل المیعاد پراجیکٹوں کی تکمیل مناسب انداز میں نہیں ہوتی۔ یک سالہ ترقیاتی منصوبوں سے عام طور پر مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کیے جاسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر وبیشتر قلیل المیعاد منصوبہ بندی کی مدد سے معاشی ترقی کی رفتار کو برقرار نہیں رکھا جاسکتا۔ لہٰذا مذکورہ عرصہ کے دوران خاطر خواہ نتائج حاصل نہ ہوسکے۔

پانچواں پانچ سالہ منصوبہ (1983-1978ء)

پانچواں پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ یکم جولائی 1978ء کو اپنایا گیا۔ اس منصوبے کے اہم مقاصد اور اہداف یہ تھے:

(i) قومی پیداوار میں اضافہ کرنا

(ii) زرعی وصنعتی شعبوں کی ترقی کی طرف توجہ کرنا

(iii) غذائی اجناس میں مکمل طور پر خودکفیل ہونا

(iv) دیہی علاقوں کی ترقی پر زور دینا اور وہاں جملہ معاشرتی خدمات فراہم کرنے کے سلسلے میں خاطر خواہ سعی کرنا۔ ان میں خصوصاً

تعلیمی اداروں وہسپتالوں کا قیام اور پینے کے پانی کی فراہمی

(v) شہری علاقوں میں پینے کے پانی کی رسد بڑھانا، مکانات کی تعمیر کرنا اور ذرائع نقل وحمل کو بہتر بنانا

(vi) پسماندہ علاقوں کی ترقی کے لیے ایک حکمت عملی کو اپنانا

(vii) بنیادی صنعت اور انجینئرنگ کی صنعت میں سرمایہ کاری کرنا

(viii) طویل المدت معاشی ترقی کے لیے بنیادیں فراہم کرنا

پانچویں منصوبے کے بڑے بڑے اہداف مندرجہ ذیل تھے:

(i) قومی پیداوار میں 7.2 فیصد سالانہ اضافہ کرنا

(ii) زرعی شعبے میں 6 فیصد سالانہ ترقی کرنا

(iii) صنعتی میدان میں مجموعی طور پر 10 فیصد سالانہ کے حساب سے ترقی کرنا

(iv) اندرون ملک بچتوں کی شرح 12.5 فیصد تک بڑھانا

(v) برآمدات میں 11 فیصد سالانہ کے حساب سے اضافہ کرنا

(vi) پٹرولیم کی پیداوار میں اس حد تک اضافہ کرنا کہ کل ضرورت کا 33 فیصد سے زیادہ اندرون ملک پیداوار سے پورا کیا جاسکے

(vii) فی کس آمدنی میں 9.2 فیصد سالانہ اضافہ کرنا

(viii) توانائی کی فی کس پیداوار میں قریباً 42 فیصد اضافہ کرنا

(ix) دیہی علاقوں کی ترقی پر زور دینا اور صحت کے شعبے میں ہر جہت سے اضافہ کرنا، نئے ہیلتھ یونٹ وہسپتال قائم کرنا، ہسپتال میں مزید بیماروں کے علاج کی گنجائش نکالنا، ڈاکٹروں اور نرسوں کی تعداد میں اضافہ وغیرہ

(x) بنیادی صنعت اور انجینئرنگ کی صنعت میں سرمایہ کاری کرنا

پانچواں پانچ سالہ منصوبہ جون 1983ء کو اختتام پذیر ہوا۔ اس مدت کے دوران بین الاقوامی حالات کافی مخدوش تھے۔ ترقی پذیر ممالک بالخصوص ان ناسازگار بین الاقوامی حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ پاکستان بھی ان حالات سے نہ بچ سکا۔ اس کے باوجود یہ منصوبہ بعض جہتوں سے کامیاب رہا۔ حکومت کے ایک جائزہ کے مطابق:

(i) پانچویں پانچ سالہ منصوبہ نے اپنے 90 فیصد ہدف مکمل کر لیے۔

(ii) ناسازگار حالت کے باوجود 6 فیصد سالانہ اضافے کی شرح کو برقرار رکھا جاسکا۔

(iii) ملک کے کم ترقی یافتہ علاقوں میں ترقی کی رفتار بہتر ہوئی۔

(iv) صوبہ بلوچستان میں ترقیاتی اخراجات کے ضمن میں پانچ گنا اضافہ ہوا۔

(v) اس منصوبے کی مدت کے دوران دیہی علاقوں کی ترقی کی طرف بالخصوص توجہ دی گئی۔

(vi) کم از کم 20 فیصد نادار اور مفلوک الحال لوگوں کو نظام زکوٰۃ کی بدولت معاشی اعانت ملی، سماجی ومعاشی انصاف کی طرف یہ ایک بڑا قدم ہے۔

(vii) خوراک کے معاملے میں کسی قدر خود کفالت ہوئی۔

(viii) افراط زر پانچ سال قبل کی شرح 16 فیصد سے کم ہو کر صرف 5 فیصد رہ گیا۔

(ix) صنعتی پیداوار میں 9 فیصد سالانہ ترقی ہوئی۔

(x) ملکی صنعت میں اضافے کی غرض سے صنعتی چھوٹیں بھی دی گئیں۔

(xi) اس پانچ سالہ منصوبہ کے تحت جتنے دیہاتوں کو بجلی فراہم کی گئی ان کی تعداد اس سے قبل کے تیس سالوں سے زیادہ ہے۔

چھٹا پانچ سالہ منصوبہ (1983-1988ء)

چھٹا پانچ سالہ منصوبہ یکم جولائی 1983ء کو شروع کیا گیا۔ اس منصوبے کے بنیادی مقاصد درج ذیل تھے۔

(i) معاشی ترقی کی رفتار کو تیز کرنا

(ii) سماجی انصاف کا احیا کرنا

(iii) دیہی ترقی کو خاص اہمیت دینا

(iv) دیہات میں سڑکوں کا جال بچھا کر انھیں شہری منڈیوں کے ساتھ منسلک کرنا

(v) دیہی معاشرے میں شاندار انقلاب کے لیے زیادہ سے زیادہ بجلی فراہم کرنا

(vi) منصوبے کے تحت تعلیم وصحت کے شعبوں کو ترجیح دینا

(vii) ملک بھر میں روزگار اور آمدنی میں اضافے کے لیے ایک خاص پروگرام پر عمل کرنا

(viii) زکوٰۃ اور نظام عشر کے توسط سے 15 لاکھ سے زیادہ مستحقین کی مالی اعانت کرنا

ساتواں پانچ سالہ منصوبہ (1988-1993ء)

ساتویں پانچ سالہ منصوبے کے بنیادی مقاصد کا خاکہ درج ذیل ہے۔

(i) روزگار کے مواقع فراہم کرنا تاکہ کم از کم تعلیم یافتہ افراد بیروزگاری کا شکار نہ ہوں

(ii) بنیادی ضروریات مثلاً خوراک، رہائش، صحت، تعلیم و دیگر سہولیات ترجیحی بنیادوں پر فراہم کرنا

(iii) افرادی قوت کو تربیت یافتہ بنانا

(iv) اپنی مدد آپ کے اصول پر کام کرتے ہوئے قومی معیشت کو مضبوط بنانا

(v) نجی شعبے کی اہمیت کے پیش نظر اسے اس کا جائز مقام دے کر ملکی معیشت کے لیے فعال بنانا

(vi) غیر ملکی امداد پر کم سے کم انحصار کرنا

آٹھواں پانچ سالہ منصوبہ (1993-1998ء)

آٹھویں پانچ سالہ منصوبے کے بنیادی مقاصد کا خاکہ درج ذیل ہے۔

(i) قومی آمدنی میں سالانہ سات فیصد اضافہ کرنا

(ii) زرعی شعبہ میں سالانہ 4.9 فیصد اضافہ کرنا

(iii) آٹھویں منصوبے کے دوران فی کس آمدنی میں 22 فیصد اضافہ کرنا

(iv) 62لاکھ بے روزگار افراد کے لیے روزگار کے مواقع پیدا کرنا

(v) قومی بچتوں کے تناسب میں 19.9 فیصد تک اضافہ کرنا

(vi) آٹھویں منصوبے کے آخر تک بجٹ خسارہ کم کر کے جی۔ڈی۔پی کے 4 فیصد کے برابر لانا

(vii) اس منصوبے میں آبادی کی شرح افزائش کو 2.9 فیصد سے کم کر کے 2.7 فیصد کرنا

(viii) شرح خواندگی میں 48 فیصد تک اضافہ کرنا

(ix) بچوں کی شرح اموات 86 فی ہزار سے کم کر کے 65 فی ہزار تک لانا

(x) دیہات کی 70.5 فیصد اور شہروں کی 95 فیصد آبادی کو پینے کا صاف پانی مہیا کرنا

(xi) ہر یونین کونسل کی سطح پر صحت کی بنیادی سہولیات مہیا کرنا

ملک میں آٹھویں پانچ سالہ منصوبے کے قریباً سارے اہداف حاصل نہ کیے جا سکے۔

سوالات

1- معاشی منصوبہ بندی کی تعریف کیجئے اور اس کی اہمیت بیان کیجئے۔

2- پاکستان میں زرعی شعبے کی اہمیت اور افادیت بیان کیجئے۔

3- پاکستان میں صنعتی ترقی کی راہ میں کون کون سی رکاوٹیں حائل ہیں؟ نیز صنعتی ترقی کو بڑھانے کے لیے اقدامات تجویز کیجئے۔

4- پاکستان میں اہم تعلیمی مسائل کون کون سے ہیں؟ نیز حکومت تعلیمی شعبے کی ترقی کے لیے کیا کیا اقدامات کر رہی ہے؟

5- درج ذیل پر نوٹ لکھیے۔

(الف) انفارمیشن ٹیکنالوجی

(ب) پاکستان کی درآمدات اور برآمدات

(ج) پاکستان میں صحت کے مسائل

6- آٹھویں پانچ سالہ منصوبے کے بنیادی مقاصد بیان کیجئے۔

7- ہمارے اہم قدرتی ذرائع کون کون سے ہیں اور ان کو ضائع ہونے سے کیسے بچایا جا سکتا ہے؟

باب 10

تحفظِ نسواں

خواتین پر تشدد ایک عالمی مسئلہ ہے جس کا سامنا دنیا بھر کی لڑکیاں اور خواتین کر رہی ہیں۔ اس تشدد کی کئی قسمیں ہیں جن میں گھریلو بدسلوکی، غیرت کی بنا پر قتل، جہیز کو بنیاد بنا کر تشدد، نومولود بیٹیوں کا قتل، کم عمری میں شادی، جبری شادی اور تیزاب پھینک کر چہرہ مسخ کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ خواتین پر تشدد کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ خواتین مرد کی نسبت کمتر سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ایک مہذب معاشرے میں مرد و خواتین کو مساوی حقوق دیے جاتے ہیں۔ یہ دونوں تمام شعبہ ہائے زندگی میں آزادانہ کردار ادا کرتے ہیں اور گھر کے اندر اور باہر برابری کی سطح پر اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے ہیں گویا مہذب معاشرہ قائم کرنے کے لیے ''صنفی مساوات'' کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔

مردانہ برتری کے منفی رُجحانات (Toxic Masculinity)

مردانہ برتری کے منفی رُجحانات میں عام طور پر مردوں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ خواتین کو اپنے ''مردانہ پن'' یا ''مردانگی'' سے روشناس کریں۔ سماج میں مردانہ برتری کے مُروجہ منفی انداز کا تقاضا ہے کہ وُہ خواتین کو اپنے رویہ سے ''بالاتر'' ہونے کا احساس دلا کر جارحانہ انداز کے رُعب و دبدبہ سے نظم وضبط میں لائیں۔ مردوں کے اس برتر انداز کا نہ صرف مرد حضرات کھلے عام اظہار کرتے ہیں بلکہ خواتین بھی اس عمل میں برابر شامل ہیں۔ منفی برتری کے معاشرتی اعتقادات کی بنا پر خواتین بھی یقین کرنے لگتی ہیں کہ مردوں کو نہ صرف تشدد کے ذریعے خواتین کو قابو میں رکھنا چاہیے بلکہ وُہ رقم اور جائیداد کی ملکیت کی بنا پر بھی خواتین کو قابو میں رکھنے پر قادر ہیں۔ ''اظہارِ مردانگی'' کے یہ رُجحانات مرد و خواتین اور تنوع پر مبنی معاشروں کے لیے نہایت مضر اثرات رکھتے ہیں۔

مرد کے ''اعلیٰ و ارفع'' ہونے کا فوقیتی نظام (Patriarchy)

مردانہ برتری کے اعتقادات پر مبنی نظام میں مرد کی فوقیت اور عورت کی کمتر حیثیت کو اُجاگر کیا جاتا ہے اور خواتین کو اپنے کمتر درجہ کا پختہ یقین دلانے کے لیے تشدد کیا جاتا ہے۔ نتیجہ میں خواتین کے لیے مواقع اور احاطہ کار اس طرح محدود کر دیا جاتا ہے کہ وہ سماجی معاشی یا ذہنی طور پر ترقی نہیں کر سکتیں۔ مردانہ برتری کی ان ناروا سلوک کی کئی مثالیں ہیں مثلاً خواتین کے ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے پر پابندی، حصولِ تعلیم کی راہ میں رکاوٹ، اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لیے ملازمت کے حصول سے منع کرنا اور اپنی خواہش کے بغیر کم عمری میں شادی کرنا جیسی مثالیں شامل ہیں۔

اسلام میں خواتین کے حقوق

اسلام سب کے لیے ''مساوات'' کا درس دیتا ہے۔ چودہ سو سال قبل اسلام نے انقلابی نوعیت کے حقوق عطا کیے جس کے تحت خواتین وراثت کی حق دار بن سکتی ہیں، وہ تعلیم حاصل کر سکتی ہیں، اپنی مرضی سے شریکِ حیات کا انتخاب کر سکتی ہیں، اپنی عزت و وقار کے تحفظ کا حق رکھتی ہیں حتیٰ کہ خاوند سے علیٰحدگی (خلع) کا حق بھی استعمال کر سکتی ہیں۔

پاکستان کو غیرت کی بنا پر قتل جیسے مسائل کا سامنا ہے جن کا بیشتر شکار خواتین ہی ہوتی ہیں تاہم کچھ مردوں کو بھی تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عموماً خواتین کے قتل کا ذمہ دار کوئی مرد رشتہ دار ہی ہوتا ہے جس کی وجہ یہ پیش کی جاتی ہے کہ مقتولہ نے خاندان کی عزت کو پامال کیا۔ مذہبی لحاظ سے دیکھا جائے تو اس امر کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں ہے۔ قرآن مجید میں قتل سے منع کیا گیا ہے اور اللہ کی نگاہ میں یہ بدترین فعل ہے۔

یہ خیال غلط ہے کہ ایک انسان کی عزت کسی دوسرے انسان کے اعمال سے وابستہ ہے، حتیٰ کہ یہ گمان کرنا بھی غلط ہے کہ کسی انسان کی عزت دوسرے انسان کے قتل کرنے میں پوشیدہ ہے

خواتین کے کام کرنے کا حق

کچھ لوگ دلیل دیتے ہیں کہ خواتین کو گھر کی چاردیواری تک محدود رہنا چاہیے مگر اس کے برعکس اسلام انھیں کام کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں بیان کیے گئے قصائص میں سے ایک کے مطابق حضرت شعیبؑ کی بیٹیاں جن میں سے ایک بعدازاں حضرت موسیٰؑ کے عقد میں آئیں، بھیڑوں کی دیکھ بھال کرتیں، ریوڑ چراتیں اور کھیتوں کو پانی دیا کرتی تھیں کیونکہ اُن کے والد ضعیف ہونے کی وجہ سے خود بھیڑوں کی دیکھ بھال نہ کر سکتے تھے۔ (سورۃ 28 آیت 23)

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے ایک طلاق یافتہ خاتون کو اپنے باغ میں جانے اور زندگی کے روزمرہ اخراجات پورے کرنے کے لیے خود پھل لانے کی اجازت دی تھی۔ حضرت اُم عطیہؓ سے مروی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے خواتین کو دوران جہاد سامان خوردونوش کی فراہمی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کی اجازت دی تھی۔ ایک اور مثال حضرت الشفاء بنت عبداللہؓ کی ہے جو اسلام قبول کرنے والے اولین گروہ میں سے تھیں۔ اُن کا شمار مکہ کے اُن چند لوگوں میں ہوتا تھا جو پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور وہ طب کی ماہر تھیں۔ خلیفہ دُوم حضرت عمرؓ نے اُنہیں مدینہ کے بازار کے امور کا نگران مقرر فرمایا تا کہ وہ وہاں آنے والے مرد و خواتین کی کاروباری خرید و فروخت پر نگاہ رکھیں۔

پاکستان کی خواتین

ہر معاشرے میں خواتین کا کردار نہایت اہم رہا ہے۔ بالکل اسی طرح پاکستان میں بھی خواتین نے نہایت اہم خدمات سرانجام دی ہیں۔ بانی پاکستان حضرت قائداعظمؒ نے فرمایا۔

> ’’کوئی قوم اس وقت تک ترقی کی شاندار منازل طے نہیں کر سکتی جب تک اس کے خواتین مردوں کے شانہ بشانہ کھڑی نہ ہوں ہم مقامی روایات کے ستم گزیدہ ہیں۔ یہ انسانیت کے خلاف ایک جرم ہے کہ ہماری خواتین گھروں کی چاردیواری کے اندر قیدیوں کی طرح مقید رہیں دنیا بھر میں کہیں بھی اتنی ناگفتہ بہ حالت نہیں ہے جس طرح ہماری خواتین رہ رہی ہیں‘‘ (1994ء)

خواتین کی کامیابیوں اور خدمات کی کئی مثالیں پاکستان کی تاریخ سے دی جاسکتی ہیں مثلاً محترمہ فاطمہ جناح ایک سرگرم سیاسی کارکن بھی تھیں۔ قائداعظمؒ کی رحلت کے بعد سیاسی مخالفت کے باوجود بہادری کے ساتھ میدانِ سیاست میں رہیں اور صدارتی انتخابات میں حصہ لیا۔ مزید برآں پاکستان دنیا بھر میں پہلا اسلامی ملک ہے جس میں ایک خاتون محترمہ بےنظیر بھٹو وزیراعظم منتخب ہوئیں۔

پاکستانی خواتین کی جدوجہد اور حوصلے کی ایک اور روشن مثال عالمی سکوائش کھلاڑی ماریہ طور پاکے وزیر ہیں، ایک جوان لڑکی جس نے کھیلوں میں حصہ لینے کے لیے لڑکے کا بھیس اختیار کیا۔ جس وقت یہ راز افشا ہوا تو اسے ڈرایا دھمکایا گیا ان تمام مشکلات کے باوجود وہ سکوائش کھیلنے کے لیے پُرعزم رہی۔ آج وہ پاکستان میں سکوائش کی اعلیٰ ترین کھلاڑی ہے اور کئی عالمی مقابلوں میں پاکستانی کی نمائندگی کا شرف حاصل کر چکی ہیں۔ اسی طرح مریم مختار پاکستان کی واحد جنگی ہواباز خاتون جنھوں نے فرائض کی ادائیگی کے دوران شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔ بیس سالہ پاکستانی فٹ بالر شہلا بلوچ جو کہ حال ہی میں ایک کار حادثہ میں زندگی کی بازی ہار گئیں ان کا نام بھی ایسی خواتین میں شامل ہے جنھوں نے خواتین کی سربلندی اور کھیلوں سمیت تمام شعبہ ہائے زندگی میں قابلِ فخر کام سرانجام دے کر نام روشن کیا۔

گھریلو کاموں میں خواتین کی کارکردگی کو کبھی سراہا نہیں جاتا۔ ملکی معیشت کو استحکام دینے اور خاندان کی مالی معاونت کے لیے کئی خواتین نے زراعت، صحت، تعلیم اور صنعت وغیرہ کے شعبوں میں نہایت محنت سے خدمات سرانجام دی ہیں۔

خواتین کے خلاف تشدد کی روک تھام کے لیے حکومتِ پنجاب کے اقدامات

(Punjab Government's Efforts to Adress Violence Against Women)

حکومت پنجاب نے خواتین کے خلاف تشدد کے معاملے سے نمٹنے کے لیے کئی قوانین بنائے۔ 2010ء میں صوبائی اسمبلی پنجاب نے خواتین کے کام کرنے کی جگہ پر ہراساں کرنے سے بچاؤ اور سزا دلوانے کا ایک قانون منظور کیا۔ دوسرے قوانین جیسے کہ ''پنجاب مسلم فیملی کے قوانین (ترمیمی قوانین) 2015ء نکاح خواں حضرات پر لازم کرتا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کے نکاح نامے کے کالم کو مکمل پُر کریں۔ پنجاب میں کم عمری کی شادی پر پابندی کا ایکٹ 2015ء ان لوگوں پر سزا کا عرصہ اور جرمانہ کی رقم بھی بڑھاتا ہے جو سولہ سال کی کم عمر لڑکی سے شادی کرتے ہیں یا اٹھارہ سال سے کم عمر کے لڑکے کی شادی کرتے ہیں۔ مزید براں دولھا اور دلھن کی مرضی سے نکاح نامے کو بھرنا بھی ضروری قرار دیا گیا۔ ابھی حال ہی میں حکومت پنجاب نے 2016ء میں خواتین پر تشدد کی روک تھام کے لیے اُن کی حفاظت کا قانون متعارف کرادیا ہے، جو خواتین کے کام کرنے کی جگہ پر ہراساں کرنے کو کم کرے گا۔

خواتین کو کام کی جگہ پر ہراساں کرنے کے خلاف حفاظت کا قانون 2010ء

(Protection Against Harassment of women at the workplace Act 2010)

کام کی جگہ پر خواتین کو جنسی تشدد کا نشانہ بنانے کے خلاف 2010ء میں قانون سازی کی گئی تاکہ کام کی جگہ پر خواتین کی جنسی طور پر ہراساں کرنے کے عمل میں کمی لائی جائے جو ملازمت پیشہ خواتین کے لیے عام رکاوٹ ہے۔ ہراساں کرنے کے واقعات پہلے رسوائی کی وجہ سے درج نہیں کرائے جاتے تھے، اگرچہ پنجاب میں کام کرنے والی جگہ پر خواتین کو ہراساں کرنے کی شکایت پورے پنجاب میں محتسب کے پاس جمع کروائی جاسکتی ہیں۔ شکایات ٹیکس فری ہیلپ لائن 1043 پر لکھوائی جاسکتی ہیں یا تحریری طور پر محتسب کو جمع کروائی جاسکتی ہیں۔

پنجاب میں کم عمری کی شادی پر پابندی کا ایکٹ 2015ء

(Punjab Marriage Restraint Act 2015)

پنجاب میں کم عمری کی شادی پر پابندی کا ایکٹ 2015ء میں پاس ہوا تھا تاکہ سولہ سال سے کم عمر لڑکی اور اٹھارہ سال سے کم عمر لڑکے کی شادی کرنے والا یا اس میں شامل ہونے والے کے لیے سزاؤں میں اضافہ کیا جاسکے۔ اس قانون کے تحت کوئی بھی جو اٹھارہ (18)

سال سے کم عمر لڑکے اور سولہ (16) سال سے کم عمر لڑکی کی شادی کی مذہبی رسومات سرانجام دے گا اسے 6 ماہ تک قید اور پچاس ہزار روپے جرمانہ کیا جاسکتا ہے۔ یہی سزا نکاح خواں اور کم عمر دولھا اور دلھن کے والدین پر بھی لاگو ہوگی۔

حکومتِ پنجاب تحفظِ نسواں ایکٹ 2016ء

(The Punjab Protection of Women Against Act 2016)

یہ قانون 24 فروری 2016ء کو پاس کیا گیا تھا اور اس کا مقصد خواتین کو مختلف جرائم بشمول جرم کی ترغیب، گھریلو بدسلوکی، جذباتی اور نفسیاتی بدسلوکی، معاشی بدسلوکی، تعاقب اور سائبر کرائم سے تحفظ دینا ہے۔ یہ پاکستان کا پہلا قانون ہے جسے نافذ کرنے کا اپنا طریقہ کار ہے جسے وزیر اعلیٰ پنجاب کے سپیشل مانیٹرنگ یونٹ (لاء اینڈ آرڈر) نے تشکیل دیا۔

اس وقت حکومت پنجاب کے تمام اضلاع میں متاثرہ خواتین کو طبی امداد اور انصاف کی فراہمی کے لیے انسداد تشدد مراکز برائے خواتین قائم کیے جا رہے ہیں۔ مفت ٹیلی فون، ہیلپ لائن اور پناہ گاہ قائم کیے جائیں گے۔

اس وقت پنجاب کے تمام اضلاع میں پہلے سے موجود دارالامان اور مفت ہیلپ لائن متاثرہ خواتین کے خلاف تشدد کے واقعات کو درج کرنے اور انھیں عارضی طور پر پناہ گاہ مہیا کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ہیلپ لائن پنجاب کمیشن برائے خواتین کا مقام (PCSW) کے لیے ہے اور کسی بھی لینڈ لائن یا موبائل فون سے **1043** ملا کر رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ہیلپ لائن آپریٹر متاثرہ خاتون کو کسی بھی قسم کی معلومات فراہم کرنے کے اہل ہیں۔ پنجاب پولیس نے بھی جرائم کے موثر اندراج کے لیے ایک ہیلپ لائن قائم کی ہے۔ اس ہیلپ لائن تک رسائی **8787** کو **SMS** کر کے حاصل کی جاسکتی ہے۔

حکومتِ پنجاب کا تحفظِ نسواں قانون 2016ء درج ذیل عدالتی احکامات کے ذریعے خواتین کو معاونت مہیا کرتا ہے۔

1- عبوری حکم:۔(Interim Order)

- شکایت کے کسی بھی مرحلے میں عدالت اگر ضروری سمجھے تو ایک عبوری حکم جاری کرسکتی ہے۔
- اگر عدالت مطمئن ہوتی ہے کہ شکایت ظاہر کرتی ہے کہ ملزم نے تشدد کیا ہے یا تشدد کا مرتکب ہونے کا ارادہ رکھتا ہے تو متاثرہ خواتین کے تحریری بیان پر عدالت میں پیش کیے گئے کسی دوسرے ثبوت کی بنیاد پر ایک عارضی/عبوری حکم نامہ جاری کرسکتی ہے

2- حفاظتی حکم نامہ:۔(Protection Order)

- متاثرہ خواتین اپنے مجرموں سے تحفظ کے لیے ایک حفاظتی حکم نامہ حاصل کرسکتی ہیں۔
- تحفظاتی احکامات کے ذریعے عدالت مجرمین کو متاثرہ خواتین سے ایک فاصلے تک رہنے کے احکامات دے سکتی ہے۔
- حفاظتی حکم پر عمل کو یقینی بنانے کے لیے مجرموں کو GPS ٹریکنگ بریسلٹ صرف سنجیدہ واقعات کے لیے ہوں گے یعنی جہاں مجرم کسی کی جان کے لیے شدید خطرہ ظاہر کرتا ہے۔ متاثرہ عورت کی سلامتی اور عزت کے لیے مجرم ان GPS ٹریکنگ بریسلٹ کو اتارنے کے قابل نہیں ہوں گے۔
- اگر مجرم GPS ٹریکنگ بریسلٹ کو اتار دیتا ہے تو مرکز انسداد تشدد برائے خواتین کو خودکار طریقے سے اطلاع مل جائے گی اور اس

کے نتیجہ میں مجرم کو مزید 6 ماہ سے ایک سال تک اضافی قید ہو سکتی ہے۔

- اگر عورت کی جان، عزت وقار اور مزید تشدد کا خطرہ لاحق ہو تو مجرم کو گھر سے جانے کا حکم دیا جائے گا۔

3- سکونتی حکم نامہ:۔(Residence Order)

- گھریلو تشدد کے واقعات میں عدالت ایک سکونتی حکم نامہ منظور کر سکتی ہے۔ جس کے تحت متاثرہ خاتون کو گھر سے نہیں نکالا جا سکتا ہے۔
- عدالت یہ بھی حکم جاری کر سکتی ہے کہ متاثرہ عورت کو اپنے گھر میں رہنے کا حق حاصل ہے۔
- متاثرہ عورت اگر یہ سمجھتی ہے کہ وہ اپنے گھر میں محفوظ نہیں ہے تو اسے آرام، تحفظ اور آباد کاری کے مقصد کے لیے دارالامان بھیجا جا سکتا ہے۔
- جب متاثرہ عورت کو جانی خطرے کے سبب جبراً گھر چھوڑنا پڑے یا مجبور کرنے یا اسے گھر سے باہر نکال دیا جائے تو عدالت اس کے رشتہ داروں کو اس کے لیے متبادل رہائش گاہ کا بندوبست کرنے یا متاثرہ عورت کو کرایہ ادا کرنے کا حکم جاری کر سکتی ہے۔

4- مالی حکم:۔(Monetary Order)

- مالی حکم کے ذریعے عدالت مجرم کو متاثرہ عورت کے مقدمے پر ہونے والے اخراجات اور نقصانات کو پورا کرنے کے لیے مالی اخراجات ادا کرنے کا حکم دے سکتی ہے۔
- عدالت مجرم کو یہ بھی ہدایت کر سکتی ہے کہ متاثرہ عورت کے روزگار اور طبی اخراجات جو اس کی بدسلوکی کی وجہ سے ہوئے ان تمام اخراجات کی تلافی کا حکم دے سکتی ہے۔
- عدالت مجرم کو متاثرہ عورت اور اس کے بچوں کے خرچے کا معقول بندوبست کرنے کی ہدایت کر سکتی ہے۔

ریاست اور معاشرہ دونوں کو خواتین کے خلاف تشدد کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے مل کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اس معاملے کے حوالے سے خاموشی اور بدنامی پر بحث کی جانی چاہیے۔ متاثرین کو امداد مہیا کرنی چاہیے اور ان کے جرم کی رپورٹ کرنے کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

سوالات

درج ذیل کے مفصل جوابات دیں۔

(i) اسلام نے کونسے مختلف حقوق خواتین کو دیے ہیں؟

(ii) عزت کے نام پر قتل اور خواتین کے کام کرنے کے حق کے بارے میں اسلامی حیثیت کا جائزہ لیں اور قرآن وحدیث سے متعلقہ مثالیں پیش کریں۔

(iii) عدالتی احکامات کے بارے میں تفصیل سے لکھیں جو خواتین پر تشدد سے بچاؤ کے لیے 2016ء کے پنجاب کے قانون کے تحت خواتین کو معاونت مہیا کرتے ہیں۔

باب 11

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی خارجہ پالیسی

خارجہ پالیسی کی تعریف

خارجہ پالیسی بیرونی ممالک سے تعلقات قائم کرنے، ان کو فروغ دینے اور قومی مفاد کے حصول کے لیے بین الاقوامی سطح پر مناسب اقدامات اٹھانے کا نام ہے۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصول

پاکستان کی خارجہ پالیسی کی بنیاد درج ذیل بنیادی اصولوں پر رکھی گئی ہے۔

1- پرامن بقائے باہمی

پاکستان پرامن بقائے باہمی پر یقین رکھتا ہے اور دوسروں کی آزادی، خودمختاری اور اقتدار اعلیٰ کا احترام کرتا ہے نیز دوسرے ممالک سے بھی یہی توقع رکھتا ہے۔ پاکستان نے ہمیشہ دوسروں کے اندرونی معاملات میں عدم دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ استعماریت اور جارحیت کا ہر شکل میں مخالف رہا ہے۔

2- غیر جانبداریت

پاکستان نے اپنی خارجہ پالیسی میں نمایاں تبدیلی کرتے ہوئے غیر جانبداریت کی پالیسی اپنائی ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ کسی بھی بلاک کے ساتھ خود کو وابستہ نہ کیا جائے اور تمام ممالک کے ساتھ بہتر تعلقات مستحکم کیے جائیں۔ اس لیے پاکستان اب روس، امریکہ، چین ،برطانیہ، فرانس و دیگر ممالک کے ساتھ بہتر تعلقات قائم کر رہا ہے۔ پاکستان اب غیر وابستہ ممالک کی تنظیم (N.A.M) کا باقاعدہ رکن بھی بن چکا ہے۔

3- دوطرفہ تعلقات

پاکستان دوطرفہ تعلقات کی بنیاد پر تمام ممالک کے ساتھ روابط بڑھانا چاہتا ہے اور اپنے ہمسایہ ممالک کے ساتھ بھی دوطرفہ تعلقات کی بنیاد پر اپنے جھگڑے پرامن طریقے سے طے کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے پاکستان نے ہندوستان کو کشمیر کے مسئلہ کے حل کے لیے کئی دفعہ مذاکرات کی پیشکش کی ہے۔

4- اقوام متحدہ کے چارٹر پر عمل

پاکستان اقوام متحدہ کے چارٹر سے مکمل اتفاق رکھتا ہے اور اس پر عمل کرنے کا سختی سے پابند ہے۔ اس لیے اس نے ہمیشہ اقوام متحدہ کے

تمام اقدامات کی مکمل حمایت کی ہے اور اس کے فیصلوں پر عمل درآمد کرنے کے لیے فوجی معاونت بھی کی ہے۔

5- حق خودارادیت کی حمایت

پاکستان محکوم اقوام کے حق خودارادیت کی حمایت کرتا ہے۔ اس کا موقف ہے کہ ہر قوم کو اپنے سیاسی مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان نے نوآبادیت کے خاتمہ کے مطالبے نیز ایشیا، افریقہ اور یورپ میں حق خودارادیت کی تمام تحریکوں کی بھرپور حمایت کی ہے۔ پاکستان نے کشمیر، فلسطین، بوسنیا، نمیبیا اور ویت نام کی جدوجہد آزادی میں اہم کردار ادا کیا ہے اور افغانستان میں سابقہ سوویت یونین کی فوجی مداخلت کی سخت مخالفت کی ہے۔

6- عالم اسلام کا اتحاد

پاکستان عالم اسلام کے اتحاد کا حامی ہے اور اسلامی ممالک کے ساتھ بہتر تعلقات قائم رکھنے کی پالیسی پر گامزن ہے۔ اسلامی دنیا میں اختلاف کی صورت میں پاکستان ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ ایران عراق جنگ ہو، کویت عراق تنازعہ ہو، مشرق وسطیٰ کا مسئلہ ہو یا افغانستان کی آزادی کا مسئلہ ہو پاکستان نے ہمیشہ موثر کردار ادا کیا ہے۔ یہ اسلامی ممالک کی تنظیم (O.I.C) کا سرگرم رکن ہے۔ پاکستان نے اقتصادی تعاون کی تنظیم (E.C.O) کو قائم کر کے وسطی ایشیا کے مسلم ممالک کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہونے کا موقع فراہم کیا ہے تاکہ اپنی اقتصادی ترقی کے ساتھ ساتھ باہمی تعاون و اتحاد بھی قائم کر سکیں۔

7- تخفیفِ اسلحہ کی حمایت

پاکستان تخفیف اسلحہ کا حامی ہے اور اس نے ان تمام بین الاقوامی کوششوں کی حمایت کی ہے جو تخفیف اسلحہ کے لیے کی گئی ہیں۔ پاکستان ازخود اسلحہ کی دوڑ میں کبھی شامل نہیں ہوا۔ وہ ایٹمی توانائی کو پرامن مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے حق میں ہے اور دنیا میں ایٹمی جنگ کے خطرات کے سدباب کے لیے ہر وقت تیار ہے۔ پاکستان جنوبی ایشیا کو ایٹمی ہتھیاروں سے پاک رکھنے کا خواہش مند ہے اور یہ تجویز ہندوستان کو کئی دفعہ پیش کی جا چکی ہے۔

8- نسلی امتیاز کا خاتمہ

پاکستان نسلی امتیاز کا خاتمہ چاہتا ہے۔ ماضی میں بھی پاکستان نے جنوبی افریقہ، نمیبیا اور روڈیشیا میں سیاہ فام لوگوں کے ساتھ نسلی امتیاز پر آواز اٹھائی اور نسلی امتیاز کے خاتمہ کے لیے ان کی حمایت کی۔ پاکستان کے اندر بھی نسلی امتیاز کا مکمل خاتمہ کیا گیا ہے اور تمام اقلیتوں کو برابر کے حقوق دیے گئے ہیں۔

9- امن و آشتی کا فروغ

پاکستان دنیا میں امن و آشتی کا فروغ چاہتا ہے۔ پاکستان نے ہمیشہ سامراجی طاقتوں کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ مظلوم و مغلوب اقوام کی حمایت کی ہے اور سامراجی قوتوں کے خلاف برسرپیکار رہا ہے۔ جنوبی ایشیا میں امن و آشتی کے لیے پاکستان نے بار بار بھارت کو مذاکرات کی دعوت دی ہے۔

10- ہمسایہ ممالک سے تعلقات

پاکستان اپنے تمام ہمسایہ ممالک بشمول ہندوستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے کا حامی ہے۔ پاکستان ہمسایہ ممالک سے تمام تنازعات حل کرنے کا بھی حامی ہے۔اس لیے پاکستان ہندوستان کے ساتھ تمام تنازعات بشمول کشمیر مذاکرات کے ذریعے پرامن طریقے سے حل کرنا چاہتا ہے اور ہندوستان کو بار بار مذاکرات کی دعوت دے چکا ہے اور امید ہے کہ مستقبل میں ہمسایہ ممالک سے ہمارے تعلقات مزید بہتر ہو جائیں گے۔

11- بین الاقوامی اور علاقائی تعاون

پاکستان تمام بین الاقوامی اور علاقائی تنظیموں کا سرگرم رُکن ہے۔ان اداروں میں اقوام متحدہ، غیر وابستہ ممالک کی تنظیم، اسلامی کانفرنس کی تنظیم، اقتصادی تعاون کی تنظیم اور سارک اہم ہیں۔ پاکستان بین الاقوامی و علاقائی تعاون کے لیے ان اداروں کی ہمیشہ حمایت کرتا رہا ہے اور عالمی امن کے لیے ان اداروں کی سرگرمیوں میں پیش پیش رہا ہے۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی کے مقاصد

پاکستان 14 اگست 1947ء کو دنیا کے نقشہ پر ابھرا اور برطانوی ہندوستان سے خارجہ پالیسی کو ورثہ میں پایا لیکن آزادی کے بعد نظریہ پاکستان اور تحریک پاکستان کے مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے خارجہ پالیسی کی تشکیلِ نو کی گئی۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کے اہم مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

قومی سلامتی

پاکستان کی خارجہ پالیسی کا سب سے اہم مقصد قومی سلامتی وتحفظ ہے۔ پاکستان دنیا کے نقشہ پر نیا نیا ابھرا تھا اور ضرورت تھی کہ اس کی سلامتی وتحفظ کا مناسب بندوبست کیا جائے۔لہٰذا پاکستان نے ملکی سلامتی کو خارجہ پالیسی کی بنیاد بنایا اور بیرون ممالک کے ساتھ تعلقات میں قومی سلامتی کو ہمیشہ اہمیت دی۔ آج بھی پاکستان کی خارجہ پالیسی میں قومی سلامتی بنیادی نصب العین ہے۔ پاکستان دوسرے ممالک کی علاقائی سالمیت کا احترام کرتا ہے اور دوسرے ممالک سے بھی یہی توقع رکھتا ہے کہ وہ بھی پاکستان کی قومی سلامتی کا احترام کریں۔

معاشی ترقی

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے اور معاشی طور پر اپنی ترقی چاہتا ہے۔لہٰذا پاکستان ان تمام ممالک کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے جن کے ساتھ تجارت کرکے یا جن ممالک سے معاشی مدد حاصل کرکے معاشی طور پر ترقی کر سکے۔ نئے اقتصادی رجحانات کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان نے اپنی خارجہ پالیسی میں اہم تبدیلیاں کی ہیں، خصوصاً آزاد تجارت، آزاد اقتصادیات اور نجکاری کو اپنایا ہے۔

نظریاتی تحفظ

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اور اس کی بنیاد نظریہ پاکستان یا نظریہ اسلام پر ہے۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کا اہم مقصد پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کا تحفظ ہے۔ پاکستان کا استحکام بھی نظریہ پاکستان کے تحفظ میں مضمر ہے۔ یہ اپنے نظریہ کا تحفظ اسلامی ممالک کے ساتھ بہتر تعلقات قائم کرکے ہی کر سکتا ہے۔ لہٰذا پاکستان نے ہمیشہ اسلامی ممالک کے ساتھ بہتر تعلقات استوار کیے ہیں۔ اس کے تینوں دساتیر میں اسلامی ملکوں کے ساتھ قریبی تعلقات پر زور دیا گیا ہے۔ پاکستان نے اسلامی کانفرنس کی تنظیم اور اقتصادی تعاون کی تنظیم کے قیام میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی کی تشکیل کے ذرائع

پاکستان کی خارجہ پالیسی کی تشکیل کے مندرجہ ذیل ذرائع ہیں:

انتظامی تکون

انتظامی تکون سے مراد قومی سطح کے تین اہم انتظامی عہدے، صدر پاکستان، وزیر اعظم پاکستان اور فوج کا سربراہ ہیں۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کی تشکیل کے ضمن میں انتظامی تکون اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ تکون پاکستان کی خارجہ پالیسی کو منظور یا نامنظور کر سکتی ہے۔ موجودہ پالیسی میں تبدیلی لا سکتی ہے یا پالیسی کو بالکل مختلف سمت میں چلا سکتی ہے لیکن سابقہ پالیسی سے ہٹنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ انتظامی تکون عام طور پر سابقہ خارجہ پالیسی کو مدنظر ضرور رکھتی ہے یا نئی پالیسی تشکیل دیتے ہوئے بیرون ممالک سے کیے وعدوں سے منحرف نہیں ہو سکتی۔

وزارت خارجہ

پاکستان کی وزارت خارجہ، خارجہ پالیسی تشکیل دیتے ہوئے بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ وزارت خارجہ میں عام طور پر خارجہ پالیسی کے ماہرین اور اعلیٰ پایہ کے بیوروکریٹ ہوتے ہیں۔ یہ خارجہ پالیسی کے بنیادی مقاصد اور اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے خارجہ پالیسی تیار کرتے ہیں۔ یہ خارجہ پالیسی کی ترجیحات کو سامنے رکھتے ہوئے پالیسی کے منصوبے و پروگرام بناتے ہیں اور خارجہ پالیسی کی تشکیل کے ضمن میں انتظامی تکون کی رہنمائی کرتے ہیں۔ نئی آئینی تبدیلیوں کے مطابق نیشنل سیکورٹی کونسل اس انتظامی تکون کا نعم البدل بنتی جا رہی ہے۔

خفیہ ادارے

پاکستان کے خفیہ ادارے پاکستان کی خارجہ پالیسی کی تشکیل کے سلسلے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ ادارے دوسرے ممالک کی خارجہ پالیسیوں کے مقاصد کے متعلق مکمل اطلاعات فراہم کرتے ہیں جن کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان اپنی خارجہ پالیسی تشکیل دیتا ہے۔

سیاسی جماعتیں و پریشر گروپ

پاکستان کی خارجہ پالیسی کی تشکیل کے ضمن میں پاکستان کی سیاسی جماعتیں و پریشر گروپ بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ سیاسی جماعتیں اپنے منشور میں خارجہ پالیسی کو خاص جگہ دیتی ہیں اگر وہ انتخاب جیت جائیں تو اپنے نقطۂ نظر کو خارجہ پالیسی میں پیش نظر رکھتی

ہیں۔اسی طرح پریشر گروپ بھی خارجہ پالیسی کی تشکیل کے عمل کو متاثر کرتے ہیں اور حکومت کو خارجہ پالیسی کی ترجیحات کو وقت کے تقاضوں کے مطابق بدلنے پر مجبور کرتے ہیں۔

پارلیمنٹ

وزارت خارجہ انتظامیہ کی ہدایت کے مطابق خارجہ پالیسی تشکیل دیتی ہے اور بعض اوقات قومی اسمبلی اور سینٹ کے سامنے منظوری کے لیے پیش کرتی ہے۔ بحث وتمحیص کے بعد پارلیمنٹ عام طور پر طے شدہ خارجہ پالیسی کی منظوری دے دیتی ہے یا اس میں مناسب تبدیلیوں کی سفارش کرتی ہے۔

پاکستان اور عالمی برادری

پاکستان کے خارجہ تعلقات چین، بھارت، ایران، امریکہ، افغانستان اور سعودی عرب کے ساتھ خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ چند اہم ممالک کے ساتھ خارجہ پالیسی کی نوعیت درج ذیل ہے۔

پاکستان اور عوامی جمہوریہ چین

پاکستان اور چین ہمسایہ ممالک ہیں۔ ان کے باہمی تعلقات شاندار روایات اور قریبی دوستی پر مبنی ہیں۔ اکتوبر 1949ء میں عوامی جمہوریہ چین کے قیام کے چند ماہ بعد پاکستان نے اسے تسلیم کرلیا اور بعدازاں سفارتی تعلقات قائم کیے۔

1955ء میں بنڈونگ کانفرنس میں پاکستانی وچینی وزرائے اعظم کی ملاقاتیں ہوئیں اور اس کے بعد ملاقاتوں کا یہ سلسلہ آج تک قائم ہے۔ 1961ء میں دونوں ممالک کے درمیان سرحد کی حد بندی کی کوششوں کا آغاز ہوا جو 1963ء میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔اس کے نتیجے میں دونوں ممالک کے تعلقات انتہائی خوشگوار ہوگئے اور تجارتی معاہدوں کی راہ کھلی نیز پاکستان کی ہوائی کمپنی نے بیجنگ میں ہوائی سروس بھی شروع کردی۔

فروری 1964ء میں صدر پاکستان نے چین کا تاریخی دورہ کیا جس میں چین نے کشمیر کے پرامن تصفیہ کے لیے پاکستان کے موقف کی حمایت کی۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں بھی چین نے پاکستان کی حمایت کا اعلان کیا اور پاکستان کے دفاع کو مضبوط بنانے کے لیے اسلحہ مہیا کیا۔

چین نے پاکستان کو مختلف صنعتوں کے قیام کے لیے فنی اور مالی امداد مہیا کی ہے جس کی نمایاں مثال ٹیکسلا میں بھاری مشینی کمپلیکس اور اس کے ذیلی منصوبے، لانڈھی میں مشین ٹول فیکٹری کا قیام اور اسلام آباد میں سپورٹس کمپلیکس کا قیام شامل ہے۔

1969ء میں چین اور پاکستان کے درمیان شاہراہ قراقرم کی تعمیر مکمل ہوئی جس کے ذریعے دونوں ممالک کے درمیان قریبی رابطہ قائم ہوا اور کئی وفود کا تبادلہ ہوا۔اسی طرح دونوں ممالک کے درمیان فضائی رابطہ بھی قائم کیا گیا۔

دفاعی میدان میں بھی چین اور پاکستان کے درمیان 1985ء میں کئی معاہدے کیے گئے جن کے تحت چین نے کامرہ کمپلیکس اور پاکستان واہ آرڈی نینس فیکٹری کی تعمیر میں پاکستان کی مدد کی اور اسی طرح صوبہ سرحد میں ہیوی الیکٹریکل کمپلیکس کی تعمیر کے لیے 273 ملین روپے مہیا کیے۔

پاکستان نے سفارتی سطح پر چین کا ساتھ دیا۔ چین کو اقوام متحدہ کا مستقل ممبر بنانے کے لیے پاکستان نے چین کی حمایت کی۔ امریکہ اور چین کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں پاکستان نے اہم کردار ادا کیا جس سے دونوں ممالک کے درمیان براہ راست رابطہ قائم ہوا۔ کمبوچیا میں غیر ملکی فوجوں کی موجودگی کے مسئلہ پر پاکستان نے چین کے موقف کی حمایت کی اور چین نے بھی افغانستان میں روس کی فوجی مداخلت کی سخت مخالفت کی اور پاکستان کے مطالبہ کی حمایت کی۔

چین کے وزیر اعظم نے 1987ء اور 2001ء میں پاکستان کے دورے کیے۔ چین کے چیئرمین نیشنل پیپلز کانگرس نے اپریل 1999ء میں پاکستان کا دورہ کیا۔ جواب میں صدر پاکستان نے بھی 2001ء اور 2002ء میں چین کے دورے کیے۔ 2013ء میں پاکستان کے وزیر اعظم نے چین کا دورہ کیا۔ اس دورے کے دوران پاکستان اور چین کے درمیان توانائی کے شعبے میں مختلف معاہدات ہوئے۔ ان باہمی دوروں سے چین اور پاکستان کے درمیان گہرے قریبی تعلقات قائم ہوئے۔ چینی صدر کے دورہ پاکستان اپریل 2015ء کے دوران چین اور پاکستان نے 46 بلین ڈالر کے معاہدات پر دستخط کیے جس کے مطابق گوادر کو کاشغر سے ریلوے اور شاہراؤں کے ذریعے ملایا جائے گا۔ نومبر 2016ء کو چین نے 8.5 بلین ڈالر کی مزید سرمایہ کاری کرنے کا اعلان کیا۔

پاکستان اور بھارت

قیام پاکستان سے لے کر آج تک پاکستان اور بھارت کے تعلقات خوشگوار خطوط پر استوار نہیں ہو سکے۔ دونوں ممالک کے درمیان مسئلہ کشمیر وجہ تنازعہ ہے۔ اس پر اب تک تین جنگیں 1948ء، 1965ء اور 1971ء میں ہو چکی ہیں۔ قیام پاکستان کے وقت بھارت نے پاکستان کے لیے کئی مسائل پیدا کیے۔

1960ء میں پاکستان اور بھارت کے درمیان پانی کے مسئلے کے حل کے لیے سندھ طاس معاہدے پر دستخط ہوئے۔ عالمی بنک اور دیگر ممالک کی مدد سے منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچا، لیکن بھارت نے اپنے حصے کی رقم دینے سے انکار کر دیا۔

1971ء میں بھارت نے مشرقی پاکستان میں علیحدگی پسند عناصر کی مدد کی جس کی وجہ سے بنگلہ دیش وجود میں آیا۔ اس کے بعد پاکستان اور بھارت کے درمیان شملہ کے مقام پر ایک معاہدہ ہوا جسے شملہ معاہدہ کہتے ہیں۔ اس معاہدہ کی رو سے پاکستان اور بھارت نے اپنے اختلافات کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کا اعلان کیا۔

شملہ معاہدہ سے پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں کچھ بہتری آئی اور محدود پیمانے پر تجارت اور مسافروں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ اس کے علاوہ 1980ء سے جنوبی ایشیا کی علاقائی تعاون کی تنظیم ''سارک'' کے دائرہ میں دونوں ملکوں میں تعاون بڑھانے کی کوشش کی گئی، جس کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکل سکا۔ پاکستان ہمیشہ سے اختلافی امور کو حل کرنے کے لیے بھارت کو مذاکرات کی دعوت دیتا رہا ہے لیکن بھارت نے ٹال مٹول سے کام لیا ہے۔

1988ء میں ''سارک'' کانفرنس کے موقع پر پاکستان اور بھارت کے وزرائے اعظم کو ملنے کا موقع ملا جس میں ایک معاہدے پر دستخط ہوئے۔ اس معاہدے کے مطابق دونوں ممالک ایک دوسرے کے جوہری مراکز پر حملہ نہ کرنے کے پابند ہوئے۔

1989ء میں کشمیری مجاہدین نے بھارت کے خلاف جہاد کا آغاز کیا تو بھارت نے پاکستان کو موردِ الزام ٹھہرانا شروع کر دیا۔ پاکستان نے ہندوستان سے کشمیریوں کو حقِ خود ارادیت دینے کا مطالبہ کیا جس سے بھارت نے مکمل چشم پوشی کی۔

1990ء میں پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں کچھ بہتری ہوئی۔ باہمی تجارت اور لوگوں کی آمدورفت بڑھی۔ یہ تعلقات ایک محدود حد سے آگے نہ بڑھ سکے کیونکہ بھارت مسئلہ کشمیر کو منصفانہ طور پر حل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پاکستان اب بھی اپنے اس منصفانہ موقف پر قائم ہے کہ مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ کی منظور کی ہوئی قراردادوں کے مطابق مظلوم کشمیریوں کی رائے کے ذریعے حل کیا جائے۔

14 جولائی تا 17 جولائی 2001 کو صدر پاکستان اور بھارت کے وزیر اعظم کے درمیان ہونے والی اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس آگرہ میں ہوئی۔ جس کا پاکستان اور بھارت کے علاوہ دنیا بھر میں زبردست شہرہ رہا۔ صدر پاکستان نے مسئلہ کشمیر کا موقف بڑی عمدگی اور جرأت کے ساتھ پیش کیا۔ جس کو پوری دنیا نے سراہا لیکن یہ تین روزہ مذاکرات بغیر حتمی فیصلہ کے ختم ہو گئے۔

جنوری 2004 میں سارک کانفرنس (اسلام آباد) کے دوران صدر پاکستان اور بھارت کے وزیر اعظم کے درمیان مذاکرات ہوئے اور کئی سمجھوتے طے پائے اور باہمی مسائل کو حل کرنے کے لیے مذاکرات جاری رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس منعقدہ 2013ء کے موقع پر بھی پاکستان اور بھارت کے وزرائے اعظم کے درمیان ملاقات ہوئی اور مذاکرات جاری رکھنے کا اعادہ کیا گیا۔ اس سلسلے میں دونوں ممالک کے وزرائے خارجہ و سیکرٹری خارجہ کی ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔ 2016ء میں کشمیر کے مسئلہ نے نیا رخ اختیار کیا۔ ہندوستان کی حکومت کشمیریوں کو دبانے کی کوشش کی جس پر پاکستان نے احتجاج کیا۔ امید ہے کہ مستقبل میں دونوں ممالک کے درمیان تعلقات میں بہتری آئے گی۔

پاکستان اور ایران

ایران سے ہمارے مذہبی، ثقافتی اور تجارتی تعلقات صدیوں پرانے ہیں۔ پاکستان کو آزادی کے بعد سب سے پہلے ایران نے تسلیم کیا اور سفارتی تعلقات قائم کیے۔ 1949ء میں پاکستان کے وزیر اعظم نے ایران کا دورہ کیا جس کے جواب میں 1950ء میں شاہِ ایران نے پاکستان کا دورہ کیا اور تجارتی روابط قائم ہوئے۔

1964ء میں پاکستان اور ایران نے ترکی کے ساتھ مل کر "علاقائی تعاون برائے ترقی" (R.C.D) کا معاہدہ کیا، جس کی بدولت اقتصادی، صنعتی، تجارتی، ثقافتی اور سیر و سیاحت کے میدانوں میں تعاون کو بہت وسعت ملی۔ بعد میں یہ معاہدہ 1979ء میں منسوخ ہوا۔

1965ء کی پاکستان اور بھارت کی جنگ میں ایران نے پاکستان کی حمایت کی اور اس کو مالی و فوجی مدد فراہم کی۔ اسی طرح 1971ء کی پاکستان اور بھارت کی جنگ میں بھی ایران نے پاکستان کی بھرپور حمایت کی، جس کو پاکستان ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھتا رہا ہے۔

پاکستان نے اسلامی انقلاب کے بعد ایران کی نئی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ ایران کی اسلامی حکومت سے نہ صرف دوستانہ تعلقات رکھے بلکہ ہر میدان میں تعاون کو مزید وسعت دی۔ دونوں ممالک کے وفود نے دورے کر کے تجارت کو فروغ دیا۔

1985ء میں پاکستان اور ایران نے ترکی کے ساتھ مل کر آر۔سی۔ڈی۔ کی تنظیم نو کی اور اس کا نیا نام اقتصادی تعاون کی تنظیم (E.C.O) رکھا جو آر سی ڈی کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لیے کام کر رہی ہے اور تینوں ممالک کے مابین اقتصادی، صنعتی، تجارتی، تعلیمی

اور ثقافتی میدانوں میں تعاون کو مزید فروغ دینے کے لیے ضروری اقدامات اٹھا رہی ہے۔ بعد میں وسطی ایشیا کے مسلم ممالک بھی اس میں شامل ہوئے۔

2013ء میں صدر پاکستان نے ایران کا دورہ کیا۔ اس دورے میں ایران سے پاکستان کے ذریعے بھارت تک گیس پائپ لائن کے منصوبے میں پیشرفت کا جائزہ لیا گیا۔ اس منصوبے کی تکمیل سے پاکستان کا توانائی کا مسئلہ کافی حد تک حل ہو سکتا ہے۔ اکتوبر 2016ء میں پاکستان میں چین کے سفیر نے ایران کو بھی سی پیک میں شامل ہونے کی دعوت دی جس پر ایران کے صدر نے رضامندی کا اظہار کیا جس سے توقع کی جاتی ہے کہ ایران اور پاکستان نئی حصہ داری میں ایک دوسرے کے قریب آئیں گے اور ان کے تعلقات مزید مضبوط ہوں گے۔

پاکستان اور امریکہ

پاکستان کے قیام سے ہی امریکہ اور پاکستان کے دوستانہ تعلقات کا آغاز ہو گیا۔ اِن تعلقات کو فروغ دینے کے لیے پاکستان کی حکومت نے امریکہ کے ساتھ فوجی تعلقات کو فروغ دیا اور کئی معاہدے کیے۔ اس دوران امریکہ نے پاکستان کو فوجی اور اقتصادی امداد بھی دی۔ 1970ء کی دہائی میں پاکستان اور امریکہ کے مابین تعلقات میں زیادہ گرم جوشی نہ رہی کیونکہ امریکہ نے پاکستان پر مختلف قسم کی پابندیاں عائد کرنا شروع کر دی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ پاکستان نے توانائی کے حصول کے لیے اپنی جوہری توانائی کے پروگرام کا آغاز کیا۔

پاکستان اور امریکہ کے تعلقات میں اچھے تعلقات کی لہر دوبارہ افغانستان اور سوویت یونین کی 1979ء کی جنگ میں پیدا ہوئی لیکن افغانستان کی جنگ ختم ہوتے ہی روایتی گرم جوشی پھر ختم ہو گئی۔ 11 ستمبر 2001ء کو نیو یارک میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے واقعہ کے بعد امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کا آغاز کیا تو پاکستان نے غیر مشروط طور پر امریکہ کی درخواست پر عالمی برادری کی حمایت کا اعلان کیا۔ اب اس بناء پر دونوں ممالک کے تعلقات خوشگوار ہو چکے ہیں۔ امریکہ نے نیٹو کے اتحادیوں کے بعد پاکستان کو سب سے بڑا اتحادی قرار دیا جس سے پاکستان اور امریکہ کے تعلقات میں مزید بہتری پیدا ہوئی ہے۔

پاکستان اور افغانستان

افغانستان پاکستان کا ہمسایہ مسلم ملک ہے۔ پاکستان اور افغانستان کی سرحد کو ڈیورنڈ لائن تقسیم کرتی ہے جس کی لمبائی قریباً 2252 کلومیٹر ہے۔ دونوں ملکوں کے مابین آمدورفت پہاڑی دروں کے ذریعے ہوتی ہے۔ ان دروں میں درہ خیبر بہت مشہور ہے۔

1970ء کے ابتدائی سالوں میں دونوں ملکوں کے تعلقات بہتر ہوئے۔ پاکستان کے وزیر اعظم اور افغانستان کے صدر نے باہمی طور پر خیر سگالی دورے کیے اور دونوں ممالک میں ایک معاہدہ طے پایا جس کے تحت دونوں ممالک نے علاقائی سالمیت اور عدم مداخلت کی پالیسی کا عہد کیا۔ لیکن اپریل 1978ء میں افغانستان میں فوجی انقلاب اور دسمبر 1979ء میں روسی افواج کے افغانستان میں داخلے سے تعلقات میں دوبارہ تلخی پیدا ہو گئی۔ افغانستان کی نئی حکومت نے مخالفین کو کچلنے کے لیے روسی فوج کو وسیع پیمانے پر استعمال کیا جس کی وجہ سے 30 لاکھ سے زیادہ افغان باشندے اپنا گھر چھوڑ کر پناہ حاصل کرنے کے لیے پاکستان میں داخل ہوئے۔ پاکستان کی حکومت نے انسانی اور اسلامی جذبے کے تحت انھیں پناہ دی۔

افغان عوام نے روسی فوجوں کو اپنے ملک سے باہر نکالنے کے لیے جہاد کا آغاز کیا تو پاکستان نے بھی اُن کی حمایت کی۔ دوسری طرف اس مسئلہ کا سفارتی حل تلاش کرنے کی کوشش کی گئی۔ 1988ء میں اقوام متحدہ کی زیر نگرانی جینوا میں روس، پاکستان اور افغانستان کی حکومت کے درمیان معاہدہ طے پایا جس کی رو سے روس نے 1989ء میں اپنی فوجیں افغانستان سے واپس بلا لیں۔ اپریل 1992ء میں افغانستان میں مجاہدین کی حکومت قائم ہوئی جس کو حکومت پاکستان نے فوری طور پر تسلیم کر لیا۔ لیکن تھوڑے عرصے بعد مجاہدین کے باہمی اختلاف کی وجہ سے ایک نئی صورت حال پیدا ہوگئی۔ مجاہدین کے ایک گروپ ''طالبان'' نے افغانستان کے بیشتر حصے پر قبضہ کر کے افغانستان میں ایک اسلامی حکومت قائم کر دی۔ حکومت پاکستان نے دوبارہ طالبان کی حکومت کو بھی تسلیم کر لیا۔

مئی 2000ء میں پاکستان اور افغانستان نے ایک مستقل مشترکہ کمیشن قائم کیا جس کا کام دونوں ممالک کی سرحد کے آر پار سمگلنگ کو روکنا اور افغان مہاجرین کی واپسی تھا۔ دونوں ممالک کے باہمی جھگڑوں کا طے کرنا بھی اس کمیشن کے اختیارات میں شامل کیا گیا۔

11 ستمبر 2001ء میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے حادثے کے بعد امریکہ نے افغانستان پر حملہ کر دیا افغانستان میں طالبان کی حکومت ختم کر دی گئی اور وہاں نئی حکومت قائم ہوگئی۔ حکومت پاکستان نے بھی نئی حکومت کے ساتھ تعاون کا اعلان کیا اور افغانستان کی تعمیر نو کے لیے مالی امداد بھی دی اور مزید امداد دینے کا وعدہ بھی کیا۔

2004ء میں حامد کرزئی کے افغانستان کا جمہوری صدر منتخب ہونے کے بعد پاکستان اور افغانستان کے درمیان تعلقات میں کچھ بہتری آئی۔ 2014ء میں اشرف غنی افغانستان کے صدر منتخب ہوئے تو پاکستان اور افغانستان کے سرحدی مسائل کو حل کرنے کے لیے مشترکہ فارمولہ بنایا گیا تاکہ دونوں ممالک کے درمیان اچھے تعلقات قائم ہوں۔ مستقبل میں بھی تعلقات بہتر ہونے کی امید ہے۔

پاکستان اور سعودی عرب

پاکستان اور سعودی عرب کے باہمی تعلقات خصوصی بنیادوں پر قائم ہیں کیونکہ سعودی عرب میں مسلمانوں کے مقدس مقامات ہیں اور ہر سال ہزاروں پاکستانی فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ دونوں ممالک کی خارجہ پالیسی میں اتحاد عالم اسلام کے اصول کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

قیام پاکستان سے پہلے سعودی عرب نے تحریک پاکستان کی حمایت کی اور قیام پاکستان کے بعد سعودی عرب نے پاکستان کو تسلیم کیا۔ 1951ء میں پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان پہلا معاہدہ ہوا جس سے دونوں ممالک کے درمیان دوستانہ تعلقات مزید مضبوط ہوئے۔

1954ء میں شاہ عبدالعزیز نے پاکستان کا دورہ کیا اور مہاجرین کی آبادکاری کے لیے ایک معقول رقم فراہم کی۔ 1966ء میں شاہ فیصل نے بھی پاکستان کا سرکاری دورہ کیا اور پاکستان کو اپنا دوسرا گھر اور معاشی امداد فراہم کرنے کا اعلان کیا۔ معاشی تعاون کے لیے سعودی عرب نے پاکستان میں ایک بنک قائم کیا ہے۔

سعودی عرب نے پاکستان میں سیمنٹ و دیگر فیکٹریاں لگانے کے لیے ایک ارب روپے کی امداد فراہم کی۔ دفاعی میدان میں پاکستان نے سعودی عرب کے ساتھ فنی تعاون کیا اور سعودی عرب کی فوج کو جدید خطوط پر منظم کرنے کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ شاہ فیصل نے اسلام آباد میں فیصل مسجد اور انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کی تعمیر کے لیے خطیر رقم فراہم کی۔

1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں میں سعودی عرب نے پاکستان کے موقف کی بھرپور حمایت کی اور معاشی امداد بھی فراہم کی۔ مسئلہ کشمیر پر سعودی عرب کی حکومت نے پاکستان کا ساتھ دیا۔ دوسری اسلامی کانفرنس 1974ء کے انعقاد کے سلسلے میں شاہ فیصل نے پاکستان کی بھرپور معاونت کی۔

افغانستان کے مسئلہ پر سعودی حکومت نے پاکستان کے موقف کی تائید کی۔ 1991ء کے مشرقِ وسطیٰ کے انتشار میں پاکستان نے سعودی عرب کے موقف کی نہ صرف حمایت کی بلکہ مدد بھی فراہم کی۔ سعودی عرب کی مقدس زمین کے تحفظ کے لیے پاک فوج کے دستے بھیجے گئے۔

1998ء میں پاک سعودی اکنامک کمیشن ریاض میں قائم کیا گیا، جس نے پاکستان میں 155 منصوبوں پر کام کرنا شروع کر دیا اور ان کی تکمیل کے لیے معاشی امداد مہیا کی۔ 1999ء میں پاکستان کے چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف نے سعودی عرب کا سرکاری دورہ کیا۔ دوطرفہ دوستی کے کئی معاہدوں پر دستخط ہوئے۔ اسی طرح 2003ء میں پاکستان کے وزیر اعظم نے بھی سعودی عرب کا سرکاری دورہ کیا اور کئی معاہدوں کے ذریعے دونوں ممالک کی دوستی کو مزید مضبوط بنایا۔

2004ء سے 2014ء کے درمیان بھی دونوں ممالک کے اعلیٰ حکام نے ایک دوسرے کے ممالک کے دورے کیے اور مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا۔ ستمبر 2016ء میں سعودی وزیر دفاع نے پاکستان کا دورہ کیا اور پاکستان کو 34 ملکی اتحاد میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ پاکستان کے وزیر اعظم نے جنوری 2016ء میں سعودی عرب کے چار دورے کیے۔ اِن دوروں سے ایک دوسرے پر اعتماد کی فضا میں اضافہ ہوا۔ سعودی عرب اور پاکستان کی مضبوط دوستی کو وقت نے بھی ثابت کیا ہے۔

عالمی اموراور پاکستان کی خارجہ پالیسی

آج کی دنیا سرد جنگ کے بعد کے دور سے گزر رہی ہے جس میں دنیا کی طاقت کا توازن بگڑ گیا ہے اور صرف امریکہ ہی دنیا کی عظیم طاقت کے طور پر ابھرا ہے۔ اس دور میں امریکہ نے نیو ورلڈ آرڈر کو مرتب کرنے کا پروگرام بنایا ہے اور دنیا کے بہت سے ممالک کو اپنی نہج پر ڈھالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اا ستمبر 2001ء کو نیو یارک میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے واقعے کی بناء پر امریکہ نے دہشت گروں کے خلاف عالمی اتحاد بنایا۔ پاکستان نے عالمی دباؤ کے پیش نظر اقوام متحدہ کے پرچم تلے دہشت گردی کی مہم میں عالمی برادری کا ساتھ دیا لیکن یہ کوشش کی کہ قومی مفادات پر زد نہ پڑے۔

اسرائیل، فلسطین کے مسئلے پر انسانی حقوق کو جس طرح پامال کر رہا ہے پاکستان اس کی حمایت نہیں کرتا اور فلسطینیوں کو ان کے جائز حقوق دلانے کے لیے آواز بلند کرتا رہا ہے۔

جنوبی ایشیا میں بھارت دہشت گردوں کی عالمی مہم کو غلط موڑ دے کر پاکستان کو الجھانا چاہتا تھا لیکن امریکہ نے پاکستان کی موجودہ حالات میں اہمیت کے پیش نظر بھارت کو ایسا کرنے کی اجازت نہ دی۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی کا بنیادی مقصد قومی سلامتی، معاشی خوشحالی اور نظریہ اسلام کا تحفظ ہے۔ پاکستان کو دوسروں کے پیچھے چلنے کی بجائے اپنے بنیادی مقاصد کے حصول کے لیے خارجہ پالیسی ترتیب دینی چاہیے۔ پاکستان کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ کشمیر کا ہے۔ اس کو حل کرنے کے لیے پاکستان کو تمام پرامن ذرائع اپنانے چاہییں۔ کشمیر کے مسئلہ کے حل کے بغیر جنوبی ایشیا میں امن و امان قائم نہیں ہو سکتا اور

نہ ہی پاکستان اور بھارت معاشی خوشحالی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

افغانستان پاکستان کا ہمسایہ مسلم ملک ہے جس کی یکجہتی وخوشحالی کے بغیر پاکستان بھی ترقی نہیں کر سکتا، لہٰذا پاکستان کو چاہیے کہ افغانستان کے مسئلہ کے حل کے لیے بھی اپنا موثر کردار ادا کرے اور افغانستان کے اسلامی تشخص کو بحال کرنے میں مدد دے۔

پاکستان نے بھارت کے جواب میں 1998ء میں ایٹمی دھماکے کر کے اپنے دفاع کو مضبوط کیا ہے۔ اگر خدانخواستہ پاکستان ایسا نہ کرتا تو بھارت پاکستان کو شدید نقصان پہنچا چکا ہوتا۔

پاکستان کے لیے ضروری ہے کہ اپنی معاشی خوشحالی کے لیے وسطی ایشیا کے مسلم ممالک سے گہرے روابط اور خاص طور پر معاشی روابط قائم کرے۔ معاشی خوشحالی کے لیے پاکستان کو اقتصادی تعاون کی تنظیم (E.C.O) میں اپنا اہم کردار بھرپور طریقے سے ادا کرنا چاہیے۔

پاکستان کو ماضی کی غلطیوں کو اپنی خارجہ پالیسی میں نہیں دوہرانا چاہیے بلکہ اس کو اپنے ہمسایہ ممالک، مسلم ممالک اور دنیا کی بڑی طاقتوں سے توازن کی بنیاد پر تعلقات رکھنے چاہییں اور بنیادی نظریاتی مقاصد کے حصول کے لیے دن رات کوشش کرتے رہنا چاہیے۔

سوالات

1- خارجہ پالیسی سے کیا مراد ہے؟ پاکستان کی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصولوں کی وضاحت کیجیے۔

2- پاکستان کی خارجہ پالیسی کے مقاصد اور تشکیل کے ذرائع بیان کیجیے۔

3- پاکستان اور بھارت کے تعلقات کا جائزہ لیجیے۔

4- پاکستان اور عوامی جمہوریہ چین کے تعلقات کا ارتقائی جائزہ پیش کیجیے۔

5- درج ذیل ممالک کے ساتھ پاکستان کے تعلقات کو واضح کیجیے۔

(الف) ایران

(ب) افغانستان

(ج) سعودی عرب

6- پاکستان اور امریکہ کے تعلقات کا ارتقا بیان کیجیے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قیام

■ ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

☆ تحریک خلافت کی راہنمائی کرنے والی شخصیت کا نام ہے۔

(الف) سرسید احمد خاں (ب) علامہ محمد اقبالؒ (ج) مولانا محمد علی جوہر (د) سر آغا خاں

☆ توبۃ النصوح ناول کس کی تحریر ہے؟

(الف) ڈپٹی نذیر احمد (ب) مولانا الطاف حسین حالی (ج) مولانا شبلی نعمانی (د) مولانا ذکاءاللہ

☆ شملہ وفد کب وائسرائے لارڈ منٹو سے ملا؟

(الف) 1902ء (ب) 1904ء (ج) 1906ء (د) 1908ء

☆ قاضی محمد عیسیٰ کس صوبے سے تعلق رکھتے تھے؟

(الف) صوبہ خیبر پختونخوا (ب) صوبہ پنجاب (ج) صوبہ بنگال (د) صوبہ بلوچستان

☆ آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام کس سال عمل میں آیا؟

(الف) 1885ء (ب) 1906ء (ج) 1909ء (د) 1940ء

☆ جنگ آزادی کس سن میں لڑی گئی؟

(الف) 1850ء (ب) 1857ء (ج) 1867ء (د) 1877ء

☆ 1946ء کی عبوری حکومت میں کتنے مسلم لیگی وزراء شامل تھے؟

(الف) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

☆ قانون آزادی ہند کب منظور ہوا؟

(الف) 14 اگست 1947ء (ب) 18 جولائی 1947ء (ج) 24 اکتوبر 1948ء (د) 3 جون 1948ء

☆ 'پاکستان ناگزیر تھا' کتاب کا مصنف کون ہے؟

(الف) ڈاکٹر صفدر محمود (ب) عبدالحلیم شرر (ج) سرسید احمد خاں (د) سید حسن ریاض

☆ قرارداد لاہور آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں کب منظور کی گئی؟

(الف) 1930ء (ب) 1940ء (ج) 1946ء (د) 1949ء

☆ علامہ محمد اقبالؒ نے مشہور خطبہ الٰہ آباد کس سال صادر فرمایا؟

(الف) 1940ء (ب) 1930ء (ج) 1942ء (د) 1928ء

☆ جنگ عظیم دوم کا کس سال میں آغاز ہوا؟

(الف) 1914ء (ب) 1939ء (ج) 1919ء (د) 1945ء

■ مختصر جواب دیجیے۔

☆ سرسید احمد خاں کے قائم کردہ چار تعلیمی اداروں کے نام تحریر کیجئے۔

☆ کرپس مشن کی تین تجاویز بیان کیجئے۔

☆ تحریک خلافت کے دوران گاندھی نے مسلمانوں کو کیا مشورہ دیا؟
☆ مسلم لیگ کے قیام کے پانچ مقاصد تحریر کیجئے۔
☆ سرسید احمد خاں کی پانچ تصانیف کے نام تحریر کیجئے۔
☆ کابینہ مشن پلان میں صوبائی گروپ کی تشکیل کیسے ہوئی؟
☆ تحریک خلافت کے دو مقاصد تحریر کیجئے۔
☆ لفظ "پاکستان" کب اور کس نے تجویز کیا؟
☆ قرارداد پاکستان کے دو بنیادی نکات بیان کیجئے۔
☆ 1943ء میں کراچی میں پاکستان اور اسلام کے باہمی رشتے کو واضح کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے کیا فرمایا؟

باب 2

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ابتدائی مشکلات

■ ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

☆ سٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح ہوا:
(الف) 1947ء (ب) 1948ء (ج) 1949ء (د) 1950ء

☆ ریاست جموں و کشمیر کو انگریزوں نے ڈوگرہ راجہ کے ہاتھ کتنے روپے میں فروخت کیا تھا؟
(الف) 70 لاکھ روپے (ب) 85 لاکھ روپے (ج) 50 لاکھ روپے (د) 75 لاکھ روپے

☆ قیام پاکستان کے وقت ریاست حیدر آباد دکن میں کس قوم کی اکثریت تھی؟
(الف) مسلمان (ب) ہندو (ج) سکھ (د) عیسائی

☆ 11 ستمبر 1948ء کو بھارت نے کس ریاست پر حملہ کیا؟
(الف) ریاست حیدر آباد دکن (ب) ریاست جموں و کشمیر (ج) ریاست مناوادر (د) ریاست جونا گڑھ

☆ اثاثوں میں پاکستان کا حصہ تناسب کے لحاظ سے کیا تھا؟
(الف) 750 ملین روپے (ب) 700 ملین روپے (ج) 1050 ملین روپے (د) 950 ملین روپے

☆ متحدہ برصغیر میں 1947ء تک کل کتنی آرڈیننس فیکٹریاں کام کر رہی تھیں؟
(الف) 10 (ب) 12 (ج) 16 (د) 20

☆ تقسیم برصغیر سے پہلے ڈوگرہ راج کے خلاف کشمیریوں نے کس سال اپنی آزادی کی جنگ کا آغاز کیا؟
(الف) 1940ء (ب) 1930ء (ج) 1920ء (د) 1928ء

☆ اقوام متحدہ کے کس ادارے نے 1948ء میں ریاست جموں کشمیر میں استصواب رائے کرانے کے حق میں قراردادیں منظور کیں؟
(الف) جنرل اسمبلی (ب) سلامتی کونسل (ج) تولیتی کونسل (د) عالمی عدالت انصاف

☆ تقسیم برصغیر کے وقت ہندوستان میں کون وائسرائے تھا؟
(الف) لارڈ کرزن (ب) لارڈ ویول (ج) لارڈ منٹو (د) لارڈ ماؤنٹ بیٹن

☆ 30 ستمبر 1947ء کو پاکستان کس تنظیم کا رکن بنا؟
(الف) دولت مشترکہ (ب) اقوام متحدہ (ج) اسلامی کانفرنس کی تنظیم (د) اقتصادی تعاون کی تنظیم

■ مختصر جواب دیجیے۔

☆ اتحاد، یقین اور نظم وضبط سے کیا مراد ہے؟

☆ قائداعظمؒ نے طلباء کو کیا نصیحت کی؟

☆ پاکستان اور بھارت کے درمیان دریائی پانی کا مسئلہ کیسے حل ہوا؟

☆ بھارت نے پاکستان کے حصے کے اثاثے پاکستان کو کیوں نہ دیئے؟

☆ پاکستان کی انتظامی مشکلات بیان کریں۔

☆ ریاست حیدرآباد دکن پر بھارت نے کیسے قبضہ کیا؟

☆ قائداعظمؒ نے 11 اکتوبر 1947ء کو سرکاری ملازمین سے خطاب کرتے ہوئے کیا فرمایا؟

☆ قائداعظمؒ نے سٹیٹ بنک آف پاکستان کی بنیاد کیوں رکھی؟

☆ صوبائیت اور نسل پرستی سے کیا مراد ہے؟

☆ ریاست جوناگڑھ نے بھارت کے ساتھ الحاق کیوں نہ کیا؟

باب 3

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا جغرافیہ

■ ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

☆ پاکستان کے جنوب میں کون سا سمندر واقع ہے؟

(الف) خلیج بنگال (ب) بحیرہ عرب (ج) خلیج فارس (د) بحیرہ قلزم

☆ نانگا پربت پہاڑی چوٹی کی بلندی ہے؟

(الف) 6500 میٹر (ب) 7000 میٹر (ج) 7690 میٹر (د) 8611 میٹر

☆ پاکستان اور چین کی سرحد کے ساتھ کون سا پہاڑی سلسلہ ہے؟

(الف) ہمالیہ (ب) شوالک (ج) کوہ قراقرم (د) کوہ ہندوکش

☆ کے۔ٹو کا اصل نام کیا ہے؟

(الف) گوڈون آسٹن (ب) کیم ٹو (ج) کائٹ ٹو (د) کارگل

☆ شاہراہ ریشم کس درہ سے پاکستان کو چین سے ملاتی ہے؟

(الف) درہ خنجراب (ب) درہ خیبر (ج) درہ ٹوچی (د) درہ گومل

☆ کوہستان ہندوکش کی بلندترین چوٹی ہے؟

(الف) نانگا پربت (ب) ترچ میر (ج) ملکہ پربت (د) ایورسٹ

☆ پاکستان کے جنوب میں کون سا پہاڑی سلسلہ ہے؟

(الف) ہمالیہ (ب) کوہ قراقرم (ج) کوہ کیرتھر (د) کوہ سفید

☆ 28 مئی 1998 کو پاکستان نے کس پہاڑی سلسلے میں ایٹمی دھماکے کیے؟

(الف) کوہ سفید (ب) چاغی ہلز (ج) ٹوبا کاکڑ (د) راس کوہ

☆ پاکستان کا کل رقبہ کتنا ہے؟

(الف) 795095 مربع کلومیٹر (ب) 896096 مربع کلومیٹر

(ج) 696095 مربع کلومیٹر (د) 796096 مربع کلومیٹر

■ مختصر جواب دیجیے۔

☆ وادیوں سے کیا مراد ہے؟

☆ معاشی عدم توازن کی کیا وجوہات ہیں؟

☆ میپ پروجیکشن کسے کہتے ہیں؟

☆ ''خطوط طول بلد'' کون سے خطوط ہیں؟

☆ خلیج فارس سے ملحقہ مسلم ممالک کے نام تحریر کیجئے۔

☆ پاکستان کے لیے افغانستان اور وسطی ایشیائی ممالک کی اہمیت بیان کیجئے۔

☆ شمالی پہاڑوں کی اہمیت بیان کیجئے۔

☆ پاکستان کا محل وقوع بیان کیجئے۔

☆ پیمانہ کی تعریف کیجئے۔

☆ پاکستان کے موسموں کے نام تحریر کیجئے۔

باب 4

پاکستان کو اسلامی جمہوریہ بنانے کے اقدامات

■ ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

☆ اسلام میں اقتدار اعلیٰ کا مالک۔

(الف) پارلیمنٹ (ب) عوام (ج) بادشاہ (د) اللہ تعالیٰ

☆ قرارداد مقاصد کے مطابق ملک کا نظام ہوگا۔

(الف) وحدانی (ب) غیر وفاقی (ج) وفاقی (د) صدارتی

☆ قرارداد مقاصد پاس ہونے کا سن۔

(الف) 1947ء (ب) 1948ء (ج) 1949ء (د) 1946ء

☆ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی دوسری رپورٹ 1952ء میں کس نے پیش کی؟

(الف) قائداعظمؒ (ب) خواجہ ناظم الدین (ج) لیاقت علی خاں (د) فیروز خاں نون

☆ دستور پاکستان 1956 کا نفاذ کب ہوا؟

(الف) 23 مارچ (ب) 14 اگست (ج) 8 جون (د) 27 اکتوبر

☆ دستور پاکستان 1962 پاس کروانے والے سربراہ مملکت کا نام۔

(الف) سکندر مرزا (ب) ایوب خان (ج) یحییٰ خان (د) چوہدری محمد علی

☆ شرعی حدود آرڈیننس کب نافذ کیا گیا؟

(الف) 1978ء (ب) 1979ء (ج) 1980ء (د) 1981ء

☆ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی پہلی رپورٹ کب شائع ہوئی؟

(الف) 1948ء (ب) 1949ء (ج) 1950ء (د) 1951ء

☆ انسانی حقوق کا پہلا چارٹر ہے۔

(الف) عالمی منشور (ب) اقوام متحدہ کا منشور (ج) خطبہ حجتہ الوداع (د) فرانس کا دستور

■ مختصر جواب دیجیے۔

☆ قرارداد مقاصد کی اہمیت بیان کیجئے۔

☆ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی دوسری رپورٹ کی تین اسلامی دفعات لکھیے۔

☆ دستور پاکستان 1956 کی پانچ اسلامی دفعات لکھیے۔

☆ دستور پاکستان 1962 کی پانچ اسلامی دفعات لکھیے۔

☆ دستور پاکستان 1973 کی پانچ اسلامی دفعات لکھیے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت سے کیا مراد ہے؟

☆ مسلمان کی تعریف کیجئے۔

☆ اسلامی نظریاتی کونسل کے تین فرائض بیان کیجئے۔

☆ حقوق کی تعریف کریں۔

☆ فرائض سے کیا مراد ہے؟

☆ انسانی حقوق کے عالمی منشور 1948 کی کوئی سی پانچ دفعات لکھیے۔

☆ اخلاقی حقوق سے کیا مراد ہے؟

☆ انسانی حقوق کی تین خصوصیات تحریر کیجئے۔

باب 5

پاکستان کا حکومتی ڈھانچہ اور اچھا نظامِ حکومت

■ ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

☆ قومی اسمبلی کے ارکان کی کل تعداد

(الف) 275 (ب) 342 (ج) 237 (د) 100

☆ پاکستان میں سینٹ کے ارکان کی کل تعداد

(الف) 100 (ب) 63 (ج) 87 (د) 50

☆ قومی اسمبلی کے ارکان کے انتخاب کی مدت

(الف) 4سال (ب) 5سال (ج) 6سال (د) 3سال

☆ مجلس شوریٰ کتنے ایوانوں پر مشتمل ہے؟

(الف) ایک (ب) دو (ج) تین (د) چار

☆ ملک کا سربراہ ہے۔

(الف) فوج کا سربراہ (ب) وزیراعظم (ج) صدر (د) گورنر

☆ سپریم کورٹ کا صدر دفتر کس شہر میں ہے؟

(الف) اسلام آباد (ب) لاہور (ج) کراچی (د) پشاور

☆ بنیادی جمہوریت کا نظام جس شخصیت نے لاگو کیا۔

(الف) یحییٰ خاں (ب) ایوب خاں (ج) ضیاالحق (د) پرویز مشرف

☆ ضلعی حکومت کا سربراہ

(الف) چیئرمین (ب) نائب چیئرمین (ج) چیف آفیسر (د) ضلع کونسل

☆ یونین کونسل کے جنرل ارکان کی کل تعداد

(الف) 4 (ب) 5 (ج) 6 (د) 7

☆ آئین میں کس ترمیم کے تحت مقامی حکومتیں لازمی قرار پائیں؟

(الف) آٹھویں (ب) بارہویں (ج) اٹھارویں (د) بیسویں

■ مختصر جواب دیجیے۔

☆ مقننہ کیا کام کرتی ہے؟

☆ انتظامیہ کے تین فرائض لکھیے۔

☆ مجلس شوریٰ کے پانچ فرائض لکھیے۔

☆ وفاقی حکومت کے پانچ اہم اداروں کے نام بتائیے۔

☆ وزارت کسے کہتے ہیں؟

☆ وفاقی وزیر اور وزیر مملکت میں فرق بتائیے۔

☆ سیکشن افسر کے تین فرائض لکھیے۔

☆ سپریم کورٹ کے دو اختیارات لکھیے۔

☆ ضلعی حکومتوں کی تشکیل بیان کریں۔

☆ میٹروپولیٹین کے میئر کا انتخاب کیسے کیا جاتا ہے۔

☆ چیف آفیسر کے فرائض کیا ہیں؟

☆ یونین کونسل کے پانچ فرائض بتائیے۔

باب 6

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ثقافت

■ ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

☆ برصغیر پر مسلمانوں نے کتنے سال حکومت کی؟

(الف) 500 سال (ب) 800 سال (ج) 1000 سال (د) 1200 سال

☆ شہنشاہ جہانگیر کے دربار سے وابستہ استاد منصور، استاد محمد نادر اور استاد مسعود کا تعلق کس فن سے تھا؟

(الف) موسیقی (ب) خطاطی (ج) سنگ مرمر (د) مصوری

☆ مغلیہ خاندان کا شاہکار "مسجد مہابت خاں" پاکستان کے کس شہر میں ہے؟

(الف) لاہور (ب) پشاور (ج) ملتان (د) اٹک

☆ 712ء میں مسلمان وادی سندھ میں کس شخصیت کی قیادت میں داخل ہوئے؟

(الف) محمود غزنوی (ب) ظہیر الدین بابر (ج) محمد بن قاسم (د) اورنگ زیب عالمگیر

☆ راولپنڈی سے پشاور تک کا علاقہ کیا کہلاتا ہے؟

(الف) گندھارا (ب) وسطی پنجاب (ج) ٹیکسلا (د) ہڑپہ

☆ وادی سندھ کی تہذیب کتنے سال پرانی ہے؟

(الف) 2000 سال (ب) 3000 سال (ج) 4000 سال (د) 5000 سال

☆ ہڑپہ کے کھنڈرات کس ضلع میں واقع ہیں؟

(الف) ملتان (ب) اوکاڑہ (ج) لاہور (د) ساہیوال

☆ عبدالرحمن چغتائی کا تعلق کس فن سے ہے؟

(الف) فن تعمیر (ب) موسیقی (ج) مصوری (د) خطاطی

☆ مشہور راگ "میاں کی ملہار" کے خالق

(الف) امیر خسرو (ب) ماسٹر عبداللہ (ج) تان سین (د) نثار بزمی

☆ ٹیکسلا کا راولپنڈی سے فاصلہ

(الف) 10 کلومیٹر (ب) 20 کلومیٹر (ج) 30 کلومیٹر (د) 40 کلومیٹر

■ مختصر جواب دیجیے۔

☆ پاکستان میں کون کون سے اسلامی تہوار منائے جاتے ہیں؟

☆ پاکستان کے پانچ مشہور میلوں اور عرسوں کے نام تحریر کیجیے۔

☆ ثقافت کی تعریف کیجیے۔

☆ انگریز ماہر آثار قدیمہ سر جان مارشل نے پاکستان میں کیا کام کیا؟

☆ پاکستان میں کس قسم کے لباس اور زیورات پہنے جاتے ہیں؟

☆ وادی سندھ کے قدیم باشندے کس قسم کے جنگی آلات اور اوزار استعمال کرتے تھے؟

☆ قدیم تہذیب سے تعلق رکھنے والے چند جانوروں کے نام لکھیں جو آج بھی موجود ہیں۔

☆ گندھارا تہذیب کا مرکز کہاں ہے؟

☆ تعلیمی اداروں کے نام لکھیے جو تحریک علی گڑھ کے نتیجے میں قائم ہوئے۔

☆ مغلیہ دور کے ان بادشاہوں کے نام لکھیے جو فن خطاطی میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔

☆ پاکستان میں کون کون سی غذائیں پسند کی جاتی ہیں؟

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی زبانیں

■ ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

☆ 1647ء میں شاہ جہان نے آگرہ کی بجائے کس شہر کو دارالحکومت بنایا؟

(الف) مدراس (ب) کراچی (ج) ڈھاکہ (د) دہلی

☆ اردو غزل کا پہلا دیوان جس شاعر نے لکھا۔

(الف) بہادر شاہ ظفر (ب) سلطان محمد قلی قطب شاہ (ج) مرزا غالب (د) مولانا الطاف حسین حالی

☆ پنجابی زبان کا سب سے معیاری لہجہ

(الف) ماجھی (ب) پوٹھوہاری (ج) چھاچھی (د) سرائیکی

☆ کشمیری زبان کے تیسرے دور سے متعلق ادب کا ایک نامور نام

(الف) محمود گامی (ب) حبہ خاتون (ج) ارمنی لال (د) ملا فقیر

☆ شاعری کے مجموعہ ''شاہ جو رسالو'' کے شاعر کا نام

(الف) خوشحال خان خٹک (ب) وارث شاہ (ج) مخدوم محمد ہاشم (د) شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ

☆ پشتو زبان کی پہلی کتاب کا نام

(الف) پٹہ خزانہ (ب) تذکرۃ الاولیا (ج) جٹ دی کرتوت (د) آثار الصنادید

☆ اردو ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں

(الف) ساتھ (ب) اسلحہ (ج) لشکر (د) ادب

☆ ''مسدس حالی'' تحریر کرنے والے شاعر کا نام

(الف) امیر خسرو (ب) مولانا الطاف حسین حالی (ج) میر تقی میر (د) خواجہ میر درد

☆ قرآن پاک کا پہلا ترجمہ جس زبان میں ہوا۔

(الف) پنجابی (ب) کشمیری (ج) بلوچی (د) سندھی

☆ بلوچی زبان میں پہلا مجلہ شائع ہونے کا سن۔

(الف) 1940 میں (ب) 1950 میں (ج) 1960 میں (د) 1970 میں

■ مختصر جواب دیجیے۔

☆ اردو زبان کی ترویج کے سلسلے میں پانچ شعرا کے نام لکھیے۔

☆ کشمیری زبان کا پانچواں دور بیان کیجیے۔

☆ شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ نے اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کو کیا پیغام دیا؟

☆ 1050 سے 1350 کے دوران سندھی ادب کا ارتقا بیان کیجیے۔

☆ سندھی زبان کے پانچ شعرا کے نام لکھیے۔

☆ پشتو زبان کی شاعری کے موضوعات کیا ہیں؟

☆ کشمیری زبان کے پانچ شعراء کے نام لکھیے۔
☆ بلوچی شاعری کے حوالے سے "رزمیہ شاعری" کے موضوعات لکھیے۔
☆ پنجابی زبان کی ترقی کے سلسلے میں پانچ شعراء کا کام بیان کیجئے۔

باب 8

قومی یکجہتی اور خوشحالی

■ ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

☆ پاکستان کے لوگوں میں قدرِ مشترک
(الف) لباس (ب) زبان (ج) عادات (د) دین اسلام

☆ پاکستان معرضِ وجود میں آنے پر رابطے کی زبان
(الف) انگریزی (ب) ہندی (ج) اردو (د) پنجابی

☆ "پاکستان میں ایک ایسا ماحول پیدا کیا جائے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو۔ اسی طرح قومی یکجہتی و اتحاد پیدا کرنے میں مدد مل سکتی ہے"۔ یہ کس کا قول ہے؟
(الف) قائداعظمؒ (ب) سرسید احمد خاں (ج) لیاقت علی خاں (د) علامہ محمد اقبالؒ

☆ "مشترکہ زبان سے کوئی چیز اہم نہیں ہے جو کہ قومی اتحاد پیدا کرے" یہ کس کا قول ہے؟
(الف) سرسید احمد خاں (ب) جان مارشل (ج) اشتیاق حسین قریشی (د) ریمزے میور

☆ اسلامی ریاست جس کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے
(الف) مجلس شوریٰ (ب) امیر المومنین (ج) اللہ تعالیٰ (د) عوام

■ مختصر جواب دیجیے۔

☆ قومی یکجہتی سے کیا مراد ہے؟
☆ قومی یکجہتی کے لیے کون سے عناصر ضروری ہیں؟ تین کے نام لکھیں۔
☆ مشترکہ مذہب کا کیا مطلب ہے؟
☆ مشترکہ زبان قومی اتحاد کے لیے کیا کردار ادا کرتی ہے؟
☆ مشترکہ نسل قومی اتحاد کے لیے کتنا ضروری ہے؟
☆ پاکستان میں قومی یکجہتی کے تین مسائل بیان کیجئے۔
☆ قومی یکجہتی کی کیا اہمیت ہے؟
☆ اسلامی جمہوری ریاست اور قومی یکجہتی کا آپس میں کیا تعلق ہے؟
☆ اسلامی ریاست کی تعریف لکھیے۔
☆ اسلامی ریاست کی افادیت لکھیے۔
☆ یکساں حقوق کی فراہمی سے کیا مراد ہے؟
☆ جمہوریت کا قیام کیوں ضروری ہے؟

باب9

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی اور ترقی

■ ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

☆ قومی معیشت اور عوام کی خوشحالی کے لیے ملکی وسائل کو بہتر طریقے سے استعمال کرنے کا نام ہے۔

(الف) معاشی خود کفالت (ب) معاشی منصوبہ بندی (ج) صنعتی ترقی (د) تجارت

☆ چوتھا پانچ سالہ منصوبہ کب شروع ہوا؟

(الف) 1995 (ب) 1960 (ج) 1965 (د) 1970

☆ زیادہ تر خشک میوہ جات پاکستان کے کس صوبے میں کاشت ہوتے ہیں؟

(الف) خیبر پختونخوا (ب) پنجاب (ج) سندھ (د) بلوچستان

☆ 1993ء میں پاکستان میں کون سا پانچ سالہ منصوبہ شروع کیا گیا؟

(الف) دوسرا (ب) چوتھا (ج) چھٹا (د) آٹھواں

☆ پاکستان کے کتنے فیصد لوگوں کو پینے کا صاف پانی نہیں ملتا

(الف) 30فیصد (ب) 40فیصد (ج) 50فیصد (د) 60فیصد

☆ پاکستان کا پہلا پانچ سالہ منصوبہ کب شروع ہوا؟

(الف) 1950 (ب) 1955 (ج) 1960 (د) 1965

☆ انٹرنیٹ کے ذریعے کاروبار کرنے کو کیا کہتے ہیں؟

(الف) کریڈٹ کارڈ (ب) کوریئر (ج) ای۔کامرس (د) حکمت عملی

☆ اشیا کی طلب میں اضافے سے

(الف) قیمتیں بڑھتی ہیں (ب) قیمتیں کم ہوتی ہیں (ج) رسد میں اضافہ ہوتا ہے (د) رسد میں کمی ہوتی ہے

■ مختصر جواب دیجیے۔

☆ تیسرے پانچ سالہ منصوبے کے پانچ مقاصد لکھیے۔

☆ پاکستان کی دس اہم معدنیات کے نام لکھیے۔

☆ پاکستان کی آٹھ اہم درآمدات کے نام لکھیے۔

☆ پاکستان میں صنعتی ترقی کی راہ میں حائل پانچ رکاوٹیں تحریر کیجیے۔

☆ بھاری صنعت سے کیا مراد ہے؟

☆ معاشی منصوبہ بندی کی تعریف کیجیے۔

☆ زرعی بنک بنانے کا مقصد کیا ہے؟

☆ ادائیگیوں کا توازن کیسے درست ہو سکتا ہے؟

تحفظِ نسواں

■ بیانات کے دیئے گئے انتخابات میں سے درست جواب منتخب کریں۔

☆ نیچے دی گئی تمام خواتین کے خلاف تشدد کی اقسام ہیں سوائے:

(الف) شیر خوار بچی کا قتل (ب) خواتین کو خود اپنے خاوند کا انتخاب کا حق

(ج) گھریلو بدسلوکی (د) عزت کے نام پر قتل

☆ معاشرتی طور پر بنائے گئے مردانہ برتری کے منفی تصورات تقاضا کرتے ہیں سوائے:

(الف) مرد رعب و دبدبہ سے قابو کرتے ہیں (ب) مرد بہت غصہ کرتے ہیں

(ج) مرد حساس اور جذباتی ہوتے ہیں (د) مرد تشدد کرتے ہیں

☆ چودہ سو سال پہلے اسلام نے درج ذیل حقوق خواتین کو دیئے۔

(الف) جائیداد کا حق (ب) وراثت کا حق

(ج) عزت وقار کا حق (د) اوپر والے تمام

☆ حکومت پنجاب نے خواتین کو انکی کام کرنے کی جگہوں پر ہراساں کرنے سے بچانے اور سزا دینے کا ایکٹ منظور کیا۔

(الف) پنجاب مسلم فیملی کے قوانین (ترمیم شدہ)2015

(ب) پنجاب میں کم عمر کی شادی پر پابندی کا ایکٹ (ترمیم شدہ)2015

(ج) خواتین کو کام کی جگہ پر ہراساں کرنے کے خلاف حفاظت کا ایکٹ 2010

(د) حکومت پنجاب کا تحفظِ نسواں ایکٹ 2016

☆ درج ذیل عدالتی احکامات کے ذریعے نجات مہیا کرتا ہے سوائے:

(الف) حفاظتی حکم نامہ (ب) مالی حکم نامہ

(ج) سکونتی حکم نامہ (د) سماجی حکم نامہ

■ درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

☆ خواتین کے خلاف کیے گئے تشدد کی مختلف اقسام کیا ہیں؟

☆ مردانہ برتری کے منفی رجحانات اور اعلیٰ وارفع ہونے کے فوقیتی نظام کو بیان کریں۔

☆ غیرت کے نام پر قتل کے لیے عام طور پر کیا وضاحت دی جاتی ہے؟

☆ ان قوانین کی فہرست تیار کریں جو حکومت پنجاب نے خواتین پر تشدد سے بچاؤ کے لیے منظور کیے ہیں۔

☆ اُن جرائم کی فہرست بنائیں جن کی روک تھام کے لیے حکومت پنجاب نے تحفظِ نسواں ایکٹ 2016 بنایا۔

باب 11

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی خارجہ پالیسی

■ ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

☆ جنوری 2004 میں سارک کانفرنس پاکستان کے جس شہر میں ہوئی۔

(الف) لاہور (ب) اسلام آباد (ج) کراچی (د) پشاور

☆ اقتصادی تعاون کی تنظیم کی بنیاد رکھنے کا سن

(الف) 1970 (ب) 1975 (ج) 1980 (د) 1985

☆ پاکستان اور افغانستان کی مشترک سرحد کی لمبائی

(الف) 2252 کلومیٹر (ب) 2282 کلومیٹر (ج) 2350 کلومیٹر (د) 2452 کلومیٹر

☆ 1966ء میں جس سعودی فرماں روا نے پاکستان کا دورہ کیا۔

(الف) شاہ عبدالعزیز (ب) شاہ عبداللہ (ج) شاہ سعود (د) شاہ فیصل

☆ پاکستان نے ایٹمی دھماکے کس سن میں کیے؟

(الف) 1997 (ب) 1998 (ج) 1999 (د) 2000

☆ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا واقعہ کس ملک میں پیش آیا؟

(الف) برطانیہ (ب) فرانس (ج) امریکہ (د) جنوبی کوریا

☆ کامرہ کمپلیکس کی تعمیر میں پاکستان کو جس ملک نے مدد دی۔

(الف) ایران (ب) سعودی عرب (ج) افغانستان (د) چین

☆ بھارت اور پاکستان کے درمیان سندھ طاس معاہدہ ہونے کا سن

(الف) 1960 (ب) 1962 (ج) 1964 (د) 1966

☆ پاکستان کو آزادی کے بعد سب سے پہلے جس ملک نے تسلیم کیا۔

(الف) کویت (ب) ایران (ج) انڈونیشیا (د) سعودی عرب

☆ پاکستان اور بھارت کے ناخوشگوار تعلقات کی سب سے بڑی وجہ

(الف) غربت (ب) اسلحہ کی دوڑ (ج) مسئلہ کشمیر (د) نہری پانی

■ مختصر جواب دیجیے۔

☆ خارجہ پالیسی سے کیا مراد ہے؟

☆ خارجہ پالیسی کے بنیادی اصول لکھیے۔

☆ پاکستان کی خارجہ پالیسی کے مقاصد لکھیے۔

☆ قومی سلامتی سے کیا مراد ہے؟

☆ انتظامی تکون سے کیا مراد ہے؟

☆ وزارت خارجہ کیا فرائض سرانجام دیتی ہے؟

☆ پارلیمنٹ خارجہ پالیسی کے ضمن میں کیا کام کرتی ہے؟

☆ پاکستان اور افغانستان کا مستقل کمیشن کب قائم ہوا اس کے دو فرائض بھی لکھیے؟

☆ پاکستان سعودی اکنامک کمیشن کے مقاصد کیا ہیں؟

☆ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا واقعہ مختصراً بیان کیجئے۔

☆ پاکستان کے ایٹمی دھماکے پر مختصر نوٹ لکھیے۔

☆ خارجہ پالیسی میں سیاسی جماعتوں اور پریشر گروپ کا کیا کردار ہے؟

☆ دفاعی میدان میں پاکستان اور چین کے درمیان کون کون سے معاہدے ہوئے ہیں؟

☆ معاشی ترقی کے لیے پاکستان کی خارجہ پالیسی کس قسم کی ہے؟

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ منظور شدہ نصاب کے مطابق معیاری اور سستی کُتب مُہیا کرتا ہے۔ اگر ان کُتب میں کوئی تصور وضاحت طلب ہو، متن اور اِملا وغیرہ میں کوئی غلطی ہو تو گزارش ہے کہ اپنی آرا سے آگاہ فرمائیں۔ ادارہ آپ کا شکر گزار ہو گا۔

فیکس نمبر: 042-99230679
ای میل: chairman@ptb.gop.pk
ویب سائٹ: www.ptb.gop.pk

مینیجنگ ڈائریکٹر
پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ
21-ای-II، گلبرگ-III، لاہور۔

Printed by: Maryah Printers Islamabad
sales@maryahprinters.com

Designed By : ART CELL PCTB

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور